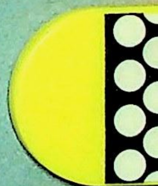

659;U





اصل کتاب کی حسب ضابطہ رجسٹری کرائی گئی ہے

ओ३म्
सत्य

सत्यमेव जयति नानृतम
सत्येन पन्था विततो देवयानः॥

تہذیب الاسلام

جلد دوم

مصنفہ



شریمان برہمچاری دھرمپال جی بی۔ اے

مطبوعہ

ستیہ دھرم پرچارک پریس جالندھر شہر

۲۶ جنوری سنہ ۱۹۰۵ء

بار اول ۱۵۰۰ قیمت فی جلد ایک روپیہ بلا محصول ڈاک

ओ३म्

यत्तदग्रे विषमिव परिणामेऽमृतोपमम्

جو جو وِدّیا اور دھرم کو فائز ہونے کے

کام ہیں۔ وہ پہلے تو زہر کے برابر پیچھے آبِ حیات

کی مانند ہوتے ہیں ٭ (گیتا)

دیکھئے

"اس کتاب کی تصنیف سے میرا مقدّم منشا صحیح صحیح معانی کو جلوہ گر کرنا ہے۔ یعنی جو سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ ہی ثابت کرنا صحیح صحیح معانی کو روشن کرنا سمجھا ہے وہ سچ نہیں کہلاتا کہ راستی کی جگہ ناراستی اور ناراستی کی جگہ راستی دکھلائی جاوے بلکہ جو شے جیسی ہے۔ اس کو ویسا ہی کہنا لکھنا اور ماننا سچ کہلاتا ہے جو آدمی پکشپات کرتا ہے وہ اپنے جھوٹ کو بھی سچ اور دوسرے مخالف رائے والے کے سچ کو بھی جھوٹ ثابت کرنے میں مصروف ہوتا ہے۔ اس لئے وہ حقیقی مذہب کو نہیں پا سکتا اس لئے عالم و صالح لوگوں کا مقدّم فرض یہی ہے کہ اُپدیش وعظ یا تحریر کے ذریعہ حق و ناحق کا نقشہ سب کے سامنے رکھدیں۔ تاکہ لوگ بعدہٗ خود اپنے لئے مفید و غیر مفید کو سوچ و سمجھکر سچی باتوں کو قبول اور جھوٹی باتوں کو ترک کر کے ہمیشہ آنند میں رہیں۔ انسان کا آتما برحق و غیر برحق کا جاننے والا ہے پھر بھی اپنی مطلب براری۔ ضد، تمردی اور جہالت وغیرہ کے نقصوں سے (وہ اکثر) سچ کو چھوڑ کر جھوٹ کی طرف جھک جاتا ہے الا اس کتاب میں ایسی کوئی بات نہیں رکھی گئی اور نہ کسی کے دل دکھانے یا کسی کو نقصان پہنچانے سے غرض ہے بلکہ مدعا یہ ہے کہ اس سے نوع انسان کی ترقی اور رفاہیت ہو اور لوگ حق و ناحق کو پہچانکر حق کو قبول کریں اور ناحق کو چھوڑ دیں کیونکہ تلقین حق کے سوا کوئی چیز بھی نوع انسان کی بہتری کا باعث نہیں ہے"

(رشی وچن۔ دیباچہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲ و ۳)

دھرم پال

فہرست مضامین تہذیب الاسلام

جلد دوم

میں

اس جگہ کوئی لمبا چوڑا بھڑک دار دیباجہ لکھنے کے لئے تیار نہیں ہوں سچ پوچھئے تو رشی کے الفاظ سے بڑھکر مجھے اپنی کتاب کیلئے کوئی بھی اعلےٰ دیباجہ نہیں سوجھا وہ الفاظ میں نے بجنسہ کتاب کے شروع میں لکھدئے ہیں اصلی دیباجہ وہی سمجھنا چاہئے یہاں پر میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں نے میرا لیکچر **ترک اسلام** پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مینے اسلام کو کیوں چھوڑا اسکو دوہرانا فضول ہے مگر اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ میں نے اسلام کو سالہا سال کی چھان بین کے بعد اپنے دل و دماغ عقل و فکر کا مُہلک دشمن پاکر ۱۴ جون ۱۹۰۳ء کو داڑھی مونچھ کے ساتھ رخصت کردیا یہ جدائی کسی تحسین و آفرین شور و غل طمع لالچ کی خاطر نہیں تھی محض دہرم کی خاطر تھی کونسا دہرم وہ دہرم کہ جسکے مقابلے میں دنیا کی جاہ و حشمت مال و دولت. شان و شوکت بالکل ہیچ ہیں. اگر دہرم کی عظمت میرے سامنے مُنکشف نہ ہوجاتی تو میں مذہب اسلام کو کبھی نہ چھوڑتا. اگر چھوڑتا بھی تو عیسائیت وغیرہ میں پھنس جاتا مگر مجھکو دھرم ستیہ دہرم. ویدک دھرم ہی پیارا لگا مینے اسے دل و دماغ عقل و فکر کے مطابق پایا ایسی اعلےٰ چیز کی کماحقہ تحصیل کیلئے میں ہیڈ ماسٹر سے طالبعلم بنا. بی. اے کی فضول ڈگری کو بھولکر از سر نو آ. ای. او کا سبق پڑھا. مینے شہروں سے مُنہ موڑا جنگل میں گنگا کے کنارے پر ڈیرہ لگایا. مگر نمائشی دنیا کے شور و غل نے

مجھے مضطرب کیا بعض نمائیشی دوستونکے تکرار و اصرار نے مجھے بعض مقامی جلسوں پر
جاکر تضیع اوقات کے لئے مجبور کیا اسلامی اندھیری نے الگ غضب ڈھایا میںنے اپنے
لیکچر کو معمولی بات سمجھکر ردی میں پھینک دیا مگر جو چیز میرے نزدیک ردی تھی وہ اہل اسلام
کیلئے نعمت غیر مترقبہ تھی۔ چنانچہ جب اخباری دنیا میں میری بابت فضول شور مچا تو
مسلمانونکے کان کھڑے ہوئے میرے نام چٹھی پر چٹھی آنے لگی ہر ایک پوچھتا کہ تم نے
اسلام کیوں چھوڑا ہے کس کسکو جواب دیتا آخر تھک گیا۔ دور اندیشوں نے مشورہ دیا
کہ اپنے لیکچر کو چھپوادو جو شخص وجوہات پوچھے ایک کاپی اسکے پاس بھیجدیا کرو میںنے
مقامی سماجکو اجازت دیدی کہ میرا لیکچر چھاپ دیا جاوے تاکہ میں آئے دن کی چٹھیونکو
بھر مارسے بچوں۔ لیکچر چھپ گیا۔ ایک بلا گلے سے اُتری مگر مجھے یہ علم نہیں تھا کہ بلی کی
بجائے اونٹ گردن سے لپٹ جائیگا لیکچر کا نکلنا تھا کہ اسلامی اخباروں نے بات کا
بتنگڑ بنا دیا تنبہ آئی کہنے لگے۔ میں یہ سب کچھ دیکھتا تھا مگر خاموش تھا اخباری دنیا کا
طوفان کم ہوا تو رسالوں کی باری آئی خوب گھوڑ دوڑ مچی میرے لیکچر کی تردید میں کتاب
پر کتاب نکلنے لگی جھوٹا۔ جاہل۔ ناپاک باطن۔ شریر احمق۔ بیوقوف
شیطان۔ شریر النفس۔ گستاخ۔ جلد باز۔ خود غرض۔ زہریلا سانپ
مرتد۔ مردود۔ کمبخت۔ وغیرہ وغیرہ۔ خطابات کا مجھے مستحق گردانا گیا میں پھر بھی
خاموش رہا جب نصف درجن کے قریب کتابیں نکل چکیں تو بعض علمائے اسلام
نے کھلم کھلا کہنا شروع کیا کہ اب وہ بزدل تارک اسلام کہاں چھپ گیا ہے۔
ہماری کتابونکا جواب کیوں نہیں دیتا میں ان کی تحریریں پڑھتا تھا اور خاموش
تھا قتل و غارت کے گمنام خطوط کا سلسلہ جاری ہوا کچھ عرصہ چلکر بند ہو گیا دو جواب
دو جواب کی صدا بلند ہوئی۔ میںنے کچھ توجہ نہ کی۔ بعض دوستوں نے مجھسے درخواست

کی کہ میں انکو اسلامی کتابوں کا جواب لکھنے کی اجازت دوں مینے اسکو بھی نامنظور کیا یہ سمجھکر کہ بادل گرجکر خود ہی بند ہو جائیگا جواب کی ضرورت نہیں میں خاموش رہا۔ مگر اندھیری کا زور بڑھتا گیا۔ درجن کے قریب کتابیں نکل گئیں۔ اپنے بیگانے گرد ہو گئے۔ کہ اپنی پوزیشن صاف کرو۔ تنگ آید بجنگ آید۔ مجھے حفاظت نفس کی خاطر شمشیر قلم اٹھانی پڑی مگر ایک دقت پھر پیش آئی درجنوں کتابیں کس کس کا جواب لکھوں۔ اپنے کاٹ چھانٹ شروع کی۔ بعض رسالوں کے مصنف تو سڑی ہوئی نالی کے کمزور کیڑوں کی طرح ذاتی حملوں کمینہ خیالات۔ بدکلامی۔ دشنام دہی کے کیچڑ میں رینگتے ہوئے نظر پڑے ایسے سڑیلوں کی بات کا نوٹس لینا سڑیل پن کا ثبوت دینا سمجھکر انکو تو وہیں رینگنے دیا کہ موج کرو تمہارا ٹھکانا بہت اچھا ہے بعض مصنف تبت کے لٹھ باز للاؤں کی طرح پرانی لکیر کو پیٹتے نظر آئے ایسے نہتے لوگوں پر شمشیر قلم اٹھاکر دوڑنا میرے نزدیک بزدلی ہے۔ مینے انکو بھی انکی پرانی غاریں ہی پڑا رہنے دیا۔ کہ چین کرو میری تحریر کا مشن تمہارے ملک میں آنا کسر شان سمجھتا ہے۔ غرضیکہ تمام الا بلا میں سے صرف دو کتابیں ایسی نکلیں کہ جنکے مصنف نئی روشنی کے نئے آلات سے آراستہ و پیراستہ ہو کر میدان میں نکلے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی جتنے جواب دہندہ ہیں۔ سب کے سب برساتی کیڑوں کی طرح تھوڑی دور تک رینگ کر رہ گئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کسی تحریر کا نوٹس لینا ان کو بیجا وقعت دینا ہے۔ جس کے وہ کسی صورت میں بھی مستحق نہیں ہیں۔ کہیں وہ اس وہم میں نہ پھنس جائیں کہ ان کی ردی کتابیں لاجواب ثابت ہوئیں۔ نہیں ان کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جسکی کہ وہ مستحق تھیں۔ اور بس باقی رہے دو مسلمان! ان دونوں نے کسی قدر عقل و فکر سے کام لینے کی

کوشش کی ہے۔ وقت پڑے پر بعض اسلامی عقاید کو بھی خیر باد کہہ دیا ہے۔
لغاتوں۔ تفسیروں وغیرہ کو خوب ڈھونڈا ہے جہاں تک ہوسکا ہے۔ حاشیہ
فزائی اور مغالطہ دہی کی کوشش کی ہے۔ ان دونوں صاحبان کا طرز تحریر بھی
نسبتاً کم خراب و کم ناشائستہ ہے ان میں سے ایک صاحب تو ابوالوفا مولوی
محمد ثناء اللہ صاحب امرتسری ہیں انہوں نے "رسالہ ترک اسلام" پر
ترک اسلام لکھا ہے۔ دوسرے صاحب حکیم الاُمتہ حکیم نورالدین صاحب
قادیانی ہیں ان کے رسالہ کا نام "نورالدین" ہے۔ پہلے صاحب اہل
اسلام کے نامی گرامی مولوی ہیں۔ دوسرے صاحب مرزا غلام احمد صاحب
المعروف بہ مسیح موعود یا مہدئ موعود یا کرشن گوپال کے طبقہ اول کے شاگرد
رشید ہیں۔ میں نے یتھا یوگیہ برتاؤ کو مدنظر رکھکر جوابات دئے ہیں ترک اسلام
کی مختصر عبارت پر بعض سادہ لوحوں نے ٹھوکر کھائی اس دفعہ میں نے
عام فہم پیرایہ میں مضمون کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے غیر متعصب
و منصف مزاج و عقلمند انسانوں سے التماس ہے کہ میری کتاب
پر رائے زنی کرنے سے پہلے اسکو ایک دفعہ بچشم خود پڑھ لیں
پھر جو کچھ جس کسی کی طرف سے برا بھلا سلوک ہوگا۔ اسکو ع

ہر چہ از دوست رسد نیکوست

سمجھ کر کہہ دیا جاویگا کہ :- ——————— میں ہوں آپکا مشکور

دہرم پال

تہذیب الاسلام

جلد دوم

وہی لمبا جھگڑا

قیامت کو حاضر ہوگا (اب کوئی اور بات سُناؤ۔ اچھا سُن لو)

معراج اسم آلہ ہے عروج سے۔ مراد اس سے نردبان ہے۔ کہ اس سے حضرت نے عروج کیا اور ساتویں آسمان سے گزر گئے۔ اور اس معراج کے دو عارض تھے ایک یاقوت سُرخ کا دوسرا زمرد سبز کا۔ اور اس کے پر تھے زمرد سبز کے۔ اگر پھیلاتے تو تمام دُنیا ڈھک جاتی۔ اور یہ معراج راستہ ہے اُن فرشتوں کا جو آسمان سے زمین پر آتے ہیں۔ نقل ہے کہ حضرت عزرائیل کے توابع اسی راہ سے قبض ارواح کے لئے آتے ہیں۔ اور مرتے وقت جو آنکھوں کو خیرگی ہوتی ہے۔ اس سبب سے کہ معراج نظر آتی ہے۔ بالجملہ معراج وہ ہے۔ کہ جس سے حضرت نے عروج کیا۔ اور مکہ معظمہ سے بیت المقدس و مسجد اقصےٰ تک جانے کا نام اسریٰ ہے

جو شخص اسریٰ کا منکر ہے۔ وہ کافر ہے۔ اور جو کچھ اس بابت میں احادیث مشہور سے ثابت ہے۔ منکر اس کا مبتدع و ضال ہے۔ اور جو کچھ احادیث غریبہ میں وارد ہوا ہے اس کا منکر جاہل ہے۔ اب بعض اختلافات بابت معراج لکھے جاتے ہیں:

اختلاف اول

پہلا اختلاف معراج کے سال۔ ماہ۔ یوم و تاریخ کا ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ یہ معاملہ بارہویں برس نبوت میں ہوا۔ اور ابن حزم نے اسی پر اجماع نقل کی ہے۔ اور طبری و سدی و بیہقی نے ایک برس پانچ مہینے قبل ہجرت بیان کی ہے۔ اس قول پر ماہ شوال پڑتا ہے۔ اور ابن فارس نے ایک برس تین مہینے قبل ہجرت لکھی ہے۔ اس سے ماہ ذی الحجہ ہوتا ہے۔ ابن اثیر نے تین برس قبل ہجرت تجویز کی ہے۔ اور قاضی عباس نے پانچ برس بعد نبوت نقل کی ہے۔ ابن عبد نے ماہ رجب قرار دیا ہے۔ وغیرہ۔

اختلاف دوم

دوسرا اختلاف خواب و بیداری کا ہے۔ اور اجماع امت تو اس بات پر ہے۔ کہ اگر خواب میں بھی ہو۔ تو بھی حق ہے۔ کیونکہ رویائے انبیا حکم وحی کا رکھتے ہیں۔ اور ان کا خواب بیداری ہے۔ خصوصاً خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ بعضے کہتے ہیں کہ بیداری میں بروح و جسد معراج ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ خواب میں بروح۔ اور بعض تفرقہ کرتے ہیں۔ کہ اسریٰ مکہ سے بیت المقدس

تک بیداری میں بروح وجسد ہوا۔ اور وہاں سے سموات تک خواب میں میں
کہتا ہوں۔ شاید قایل اس کا یہ جانتا ہے کہ اسریٰ و معراج مختلف اوقات
میں ہوا ہے۔ اور دلیل ان لوگوں کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں وارد ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً
من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ

یعنی پاک ہے وہ خدا جو لیگیا اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد
اقصےٰ تک۔ گویا غایت سیر مسجد اقصےٰ قرار دیا۔ اگر اس سے آگے سیر ہوئی
ہوتی تو ذکر فرماتے۔ تردید اس دلیل کی یہ ہے کہ مسجد اقصےٰ کا ذکر بہ تخصیص
اس لئے ہے۔ کہ قریش معراج کو سُنکر منکر ہوئے تھے۔ اور حضرت سے نشانات
و علامات بیت المقدس پوچھے۔ اور امتحان کیا۔ کیونکہ بعض نے بیت المقدس
دیکھا تھا۔ اور بعض نے اُس کے مقامات سنے تھے۔ اور آسمانوں کی حالات
اور مقامات انبیاء سے قریش کو خبر نہ تھی۔ اس لئے کوئی استفسار نہیں
کیا۔ اور کوئی دلیل اس بات پر نہیں کہ حضرت نے بیت المقدس میں جاکر
آرام فرمایا۔ اور وہاں سو گئے۔ اور جو لوگ خواب میں معراج کا ہونا کہتے ہیں وہ
ایک دلیل یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں " مافقدت جسد
رسول اللہ یعنی میں نے گم نہیں کیا حضرت کے جسم کو۔ اس کا جواب یہ ہے
کہ یہ قول قابل استدلال نہیں ہے۔ کیونکہ وقوعہ قصہ معراج بروح وجسد
بیداری میں بروایت صحیحہ قبل ہجرت تھا۔ اور حضرت اُم المومنین (عائشہ)
کو ہمبستری مدینہ منورہ میں نصیب ہوئی۔ علاوہ ازیں حضرت عائشہ کی
حدیث ان لوگوں کی شہادت پر غالب نہیں ہوسکتی۔ کہ جنہوں نے اس

معاملہ کو دیکھا۔ اور بطریق مشاہدہ کے بیان کیا کذا فی المدارج - اور
شرع عقائد میں ہے۔ کہ جدا نہ ہوا آپکا جسم روح سے۔ بلکہ تھا ساتھ
روح کے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ
فرمایا حضرت نے بینما انا نائم فی الحطیم یعنی جبکہ میں سوتا تھا حطیم
میں۔ تردید اسکی یہ ہے کہ حضرت انس نے مشاہدہ معراج کا نہیں کیا۔ اور نہ
حضرت سے سُنا۔ کیونکہ معراج قبل ہجرت ہوا۔ اور انس خدمت اقدس
میں بعد از ہجرت آئے ہیں۔ اُن دنوں میں وہ آٹھ یا سات برس کے
تھے۔ تیسری دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت نے آخری حدیث بینما انا نائم میں
فرمایا ہے۔ فاستقیظت وانا بالمسجد الحرام یعنی پھر جاگا میں اور
تھا مسجد حرام میں۔ اِس سے معراج کا خواب میں ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر
یہ دلیل کئی طرح سے ناقص ہے۔ اول یہ قبل آنے فرشتے کے آنحضرت
خواب میں تھے۔ پھر جاگے یعنی فرشتے نے جگایا۔ دوسرے مراد نائم
سے صورت وہیت نائم ہے۔ جیساکہ دوسری روایت میں ہے۔ بین
النائم والیقظان۔ (سوتے جاگتے حالت) تیسرے استیقاظ
جو آخر قصے میں آیا ہے۔ اِس سے بیداری وقت صبح کی مراد ہے۔
نہ بیداری خواب۔ یعنی بعد اتمام معراج وسیر کے حضرت نے آرام فرمایا
پھر صبح کو اُٹھے۔ بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے۔ کہ استیقاظ سے مراد
افاقہ وہشیاری ہے۔ جب اِس مسافت کو طے کر آئے۔ تو کوفت منزل
کی محسوس ہوتی تھی۔ باقی رات مکان میں ٹھہر کر سکون وقرار فرمایا۔
چوتھی دلیل آیہ کریمہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس

یعنی نہ کیا ہم نے اس خواب کو جو دکھایا ہم نے تجھ کو مگر فتنہ اور آزمائش
آدمیوں کے لئے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ رؤیا کلام عرب میں بمعنی دیدن خواب
شائع ہے۔ اور یہ آیت معراج کے حال میں نازل ہوئی۔ جواب یہ ہے
کہ یہ حجت ناتمام ہے۔ اس لئے کہ رؤیا بمعنی دیدن بصر بھی آیا ہے اور
کلام متنبی میں موجود ہے ع ورؤیاک فی العیون احلی من الغمض
اور ابن عباس اس آیت میں رویا کی تفسیر رویۃ بصر فرماتے ہیں اور
ظاہر ہے کہ رؤیت بصر میں فتنہ و آزمائش ہے۔ ورنہ خواب تو سب
لوگ ہی دیکھا کرتے ہیں۔ اگر یہ بھی مان لیا جاوے کہ رؤیا کے
معنی دیدن خواب ہے۔ تو یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مذکورہ بالا
آیت قصہ معراج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بلکہ اہل تحقیق اس کا
نزول قصہ حدیبیہ میں بیان کرتے ہیں۔ اور رویا سے وہ خواب مراد لیتے
ہیں۔ جو حضرت نے دیکھا۔ کہ ہم نے عمرہ ادا کیا۔ اور طواف خانہ کعبہ
بجا لائے۔ اور اصحاب کے روبرو بیان کیا۔ سب نے کعبہ کی طرف
توجہ کی۔ مگر اس سال عمرہ نصیب نہ ہوا۔ آخر کافروں سے صلح کر کے اُلٹے
مدینہ کو آئے۔ منافقوں نے زبان درازیاں کیں۔ مگر ثمرہ خواب آئندہ
ظہور میں آیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور تابعین سے ضحاک وسعید ابن جبیر
وقتادہ۔ وسعید ابن مسیب۔ وحسن ابراہیم ومسروق ومجاہد وعکرمہ وغیرہ
احادیث صحیحہ سے دلیل پکڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسریٰ۔ اس سیر
کو کہتے ہیں۔ جو رات کے وقت عین بیداری میں ہو۔ اور جو خواب میں نظر
آوے۔ اسکو رویا کہتے ہیں۔ اگر اسریٰ ہوتی۔ تو بروح عبدہٗ فرماتے اور

جب صرف عبد ارشاد کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ بالروح و بالجسد تھا۔ کیونکہ عبد شامل ہے تمام کو از انجملہ ماز اغ البصر و ما طغی یعنی بہکی نہیں نگاہ اور حد سے نہیں بڑھی۔ اسکی نفی فرماتے ہیں پس اگر آنحضرت بالجسم نہیں گئے تھے۔ تو یہ کلام خلاف ہوتا ہے۔ از انجملہ اخبار صحیحہ رکب براق و صلوۃ با انبیا و فتح ابواب سموات وغیرہ امور صریح دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ معراج جسمانی بیداری میں ہوئی ہے۔ اور مذہب اہل سنت وجماعت کا یہی ہے (جیسا کہ مولوی ثناء اللہ نے مان لیا ہے)

اختلاف سوم

تیسرا اختلاف چھت پھاڑنے میں ہے پس ترمذی نے انس سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ میرے گھر کی چھت پھاڑی گئی اور میں مکہ میں تھا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ نے کہا کہ حضرت ام ہانی کے گھر شب باش تھے۔ اور وہ گھر شعب ابی طالب میں واقعہ ہے اور اسکی چھت پھاڑی گئی۔

اختلاف چہارم

چوتھا اختلاف شق صدر میں ہے۔ قاضی عیاض نے نقل کی ہے۔ کہ شق صدر کا معاملہ قصہ معراج میں زیادات شریک نام راوی سے ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ شق صدر شریف کئی مرتبہ ہوا۔ اور معراج میں بروایات متعدد صحیحہ وارد ہے۔ جائے انکار نہیں ہے۔ جیسا کہ بخاری نے قتادہ اور انس اور مالک ابن صعصعہ سے روایت کی ہے۔ اور قاضی نے خود کتاب

شفا میں بیان کیا ہے کہ یونس ابن شہاب نے قصہ شق صدر معراج میں نقل کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زیادات شریک سے نہیں ہے۔ اور صحیح عند المحققین یہ ہے۔ کہ چار مرتبہ دل چیرا گیا۔ اول حالت لڑکپن میں جبکہ آنحضرت دائی حلیمہ کے پاس تھے۔ تاکہ دل میں ہوس لہو و لعب نہ رہے۔ دوم دس برس کی عمر میں۔ تاکہ جوانی کی خواہش زور نہ پکڑے۔ سوم قریب زمانہ نبوت کے تاکہ وحی کو حاصل کرنے کی قوت حاصل ہو۔ چہارم معراج میں۔ تاکہ لیاقت دربار الٰہی کے رتبہ اعلےٰ پر حاصل ہو۔

اختلاف پنجم

پانچواں اختلاف براق کے بارے میں ہے۔ اول اشتقاق میں۔ دوسرا اس میں کہ انبیا سابقین بھی براق پر سوار ہوتے تھے یا نہیں۔ پس بعض براق کو مشتق بریق سے کہتے ہیں یعنی درخشندگی۔ بلحاظ چمک رنگ کے۔ اور بعضے برق سے بلحاظ سرعت سیر اور بعضے برقا سے کہ ابلق بکری کو کہتے ہیں۔ چنانچہ قاضی نے شفا میں لکھا ہے کہ رنگ براق کا ابلق تھا۔ اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی ہے۔ کہ حضرت نے فرمایا۔ باندھا میں نے اپنے چارپایہ کو حلقہ در سے۔ جہاں اور انبیاؤں نے باندھے تھے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ اور انبیا بھی براق پر سوار ہوئے ہیں۔ اور مغازی ابن اسحاق میں ہے۔ کہ براق نے سرکشی کی سواری کے وقت کیونکہ مدت سے اس پر سواری نہیں ہوئی تھی۔ اور بعض روایت میں ہے۔ کہ اس براق پر حضرت ابراہیم سوار ہو کر حضرت اسمعیل کو دیکھنے جاتے تھے۔ لیکن مع زین و لگام خصائص

آنحضرت ہیں ہے۔

اختلاف ششم

آیا حضرت جبرائیل آنحضرت کے ہمراہ پیدل پا تھے۔ یا سوار۔ اگر سوار تھے تو پیچھے تھے یا آگے۔ ابن سعد نے شرف المصطفیٰ میں لکھا ہے کہ جبرائیل نے رکاب تھامی اور میکائیل نے لگام پکڑی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیادہ پا تھے۔ مگر احتمال ہے۔ کہ سوار کرا کے خود بھی سوار ہو گئے ہوں۔ اور مسند امام احمد میں حذیفہ سے موقوفاً روایت ہے۔ کہ آنحضرت اور جبرائیل دونوں براق پر سوار تھے۔ یہاں تک کہ بیت المقدس میں آئے۔ مسند حارث میں بہ تصریح آیا ہے۔ کہ جبرائیل آگے تھے۔ اور حافظ ابن حجر نے اسپر اعتماد کیا ہے کذا فی المواہب۔

اختلاف ہفتم

براق کے باندھنے یا نہ باندھنے میں ہے۔ حذیفہ نے باندھنے سے انکار کیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حاجت نہ تھی۔ کیونکہ تمام عالم غیب و شہادت اسوقت مسخر تھا۔ جیسا کہ احمد اور ترمذی سے روایت کی ہے۔

اختلاف ہشتم

نماز پڑھنے کے بارے میں کہ انبیاؤں کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی گئی یا آسمان پر۔ اور جاتے وقت پڑھی گئی یا آتے وقت وغیرہ۔ قاضی عیاض

شفا میں علی ابن ابی طالب سے نقل کی ہے۔ کہ اس سے ادائے صلوٰۃ آسمان معلوم ہوتی ہے۔ اور بیہقی کی روایت سے آنحضرت کا معہ جبرائیل کے نماز پڑھنا دو رکعت پایا گیا ہے۔ ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا میں مسجد میں داخل ہوا تو انبیاء علیہم السلام ملے۔ پھر موذن نے آواز دی۔ تو سب نماز پر کھڑے ہوئے اور منتظر ہوئے کہ امام کون بنے۔ حضرت جبرئیل نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے امام کیا۔

اختلاف نہم

اس بارے میں کہ پیالے شراب شیر کے بعد نماز لائے گئے تھے۔ یا بعد وصول سدرۃ المنتہے۔ اور کتنے پیالے تھے۔ انس اور امام احمد سے روایت ہے۔ کہ مسجد اقصےٰ میں بعد نماز قبل عروج دو پیالے لائے گئے تھے ایک دودھ کا۔ دوسرا شراب کا۔ اور حدیث بخاری سے جو قتادہ نے انس سے اور انس نے مالک ابن صعصعہ سے روایت کی ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعد پہونچنے سدرۃ المنتہے کے تین پیالے آئے۔ ایک میں شراب دوسرے میں شہد۔ تیسرے میں دودھ۔

اختلاف دہم

سیڑھی کے رستے عروج فرمایا یا کسطرح؟ اکثر روایات دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت نے سیرزوبان پر ہوکر عروج فرمایا۔ اور اکثر احادیث صحیحہ سے واضح ہے کہ براق پر عروج فرمایا۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ حضرت

جبرائیل آنحضرت کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اپنے پروں پر بٹھا کر لے گئے۔ پس طریق جمع یوں ہے کہ بعد فراغ نماز بیت المقدس میں جبرئیل نے آنحضرت کا ہاتھ پکڑا۔ اور باہر لائے۔ اور براق پر سوار کردیا۔ اور براق اس نردبان پر سے چلا۔ اور جب دروازہ آسمان پر پہونچا۔ اور جبرائیل نے اپنے پروں پر بٹھلایا۔

اختلاف یازدہم

کہ سدرۃ المنتہے آسمان ششم پر ہے۔ یا آسمان ہفتم پر؟ تو وہ اور ثوابت حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ سدرہ آسمان ہفتم میں ہے اور ابن مسعود سے مسلم نے حدیث روایت کی ہے کہ سدرہ آسمان ششم پر ہے۔ اور شاخیں آسمان ہفتم پر۔ پس سدرہ (بیری کا درخت) چھٹے اور ساتویں آسمانوں پر ہوا۔

اختلاف دوازدہم

نہروں کے بارے میں کہ کتنی تھیں؟ حدیث انس سے چار معلوم ہوتی ہیں۔ دو پوشیدہ جو بہشت میں جاری تھیں۔ اور دو ظاہر یعنی نیل اور فرات۔ اور صحیحین میں ہے۔ کہ سدرۃ المنتہے کی جڑ سے جاری تھیں۔ اور قاضی عیاض نے شفا میں حضرت ابوہریرہ سے روائت کی ہے۔ کہ جس سے چار قسم کی نہریں معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً انہار آب۔ انہار شیر۔ انہار شہد و انہار خمر +

اختلاف سیزدہم

اِس بارے میں کہ آنحضرت نے خدا کو بچشم سر دیکھا یا نہیں ؛ عائشہ صدیقہ کہتی ہیں۔ کہ جسنے کہا۔ محمدؐ نے دیکھا خدا کو۔ اُسنے جھوٹھ کہا۔ اور دلیل لاتی ہیں یہ آیت

لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار

یعنی نہیں دیکھ سکتیں اسکو آنکھیں۔ اور وہ دیکھتا ہے آنکھوں کو۔ اکثر صحابی اس دلیل کے مخالف ہیں۔ اور جس قول میں صحابی مختلف ہوں۔ وہ قول قابل حجت و سند کے نہیں ہوتا۔ تفسیر شاہی میں لکھا ہے۔ کہ آیت میں نفی ادراک ہے۔ نہ کہ نفی رویت۔ اور ادراک واقف ہونا ہے۔ اوپر جوانب و حدود شے مرئی کے۔ اور رویت دریافت کرنا ایک شے کا بینائی سے۔ پس نفی ادراک سے نفی رویت لازم نہیں آتی۔ اور ابصار سے کافروں کی آنکھیں مراد ہیں۔ اور انس۔ ابن عباس۔ اور حسن۔ و عکرم قائل ہیں۔ کہ حضرت نے اپنے رب کو آنکھ سے دیکھا۔ چنانچہ ترمذی نے عکرم سے روائت کی ہے۔ کہ ابن عباس نے کہا۔ دیکھا محمد صلعم نے اپنے پروردگار کو بچشم سر۔ میں نے کہا۔ لا تدرکہ الابصار کسطرح فرمایا ہے۔ ابن عباس نے کہا۔ افسوس ہے تجھ پر یہ اُسوقت فرمایا ہے۔ کہ جب حضرت حق بنور ذات تجلی فرمائے۔ اور ابن عمر نے ابن عباس سے کہلا بھیجا۔ کہ محمد صلعم نے اپنے رب کو معراج میں دیکھا یا نہیں۔ کہا۔ ہاں دیکھا۔ اور کہا۔ خدا تعالےٰ نے خلعت ابراہیم کو دی۔ اور کلام موسیٰ کو۔ اور رویت محمد کو کذا فی المعالم

اور ابی ذر رضی اللہ سے روایت ہے۔ میںنے پوچھا رسول اللہ سے۔ کہا آپنے دیکھا اپنے پروردگار کو؟ فرمایا۔ بے شک ایکبار دیکھا کہ دکھلایا گیا۔ اور قاضی عیاض نے شفا میں لکھا ہے۔ کہ نقاش نے امام احمد سے حکایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے ہیں بلا اسطہ حدیث ابن عباس کہتا ہوں۔ کہ حضرت صلعم نے خدا کو بچشم سر دیکھا ہے۔ اور اس کلام کو اتنا تکرار سے فرمایا۔ کہ انکا دم بند ہوگیا۔ اور امام ابوالحسن اشعری اور امام حسن بصری سے منقول ہے۔ کہ قسم کھائی اور کہا۔ کہ حضرت نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے۔ اکثر صحابہ اسپر متفق ہیں۔"

یہ ہے سیر آسمان جو سند باد جہازی یا مارکو پولو۔ یا سیاحوں وغیرہ کی سیر و سیاحت سے بھی کئی گنا بڑھکر عجیب و غریب ہے۔ یہ لوگ تو زمین کو کواڑ توڑ رہے تھے۔ مگر آسمانی سیاح نے آسمان کے دروازے پھوڑ ڈالے اور عرب کے لوگوں کو آسمان کے عجائبات بتا کر مالا مال کر دیا۔ عقلمند خود ہی اس سے نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ ان ہوائی باتوں سے اللہ میاں کیا ثابت ہوتا ہے زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔

مولویصاحب فرماتے ہیں " ساجیو! سچ ہے کہ پرمیشور دنیا کے اجسام میں ایسا سرایت کئے ہوئے ہے جیسے پانی میں کھانڈ۔ اگر یہی ہے۔ تو کس منہ سے نوین ویدانتیوں (ہمہ اوستوں) کا رد کیا کرتے ہو؟"

یہ سراسر جھگڑپن کی بات ہے۔ پانی میں کھانڈ یا کھانڈ میں پانی یا عرش پر اللہ میاں ذرا سوچ کر بات کریں۔ آریہ سماجی نوین ویدانتیوں کا کھنڈن اس لئے نہیں کرتے۔ کہ وہ پرماتما کو ذرہ ذرہ میں موجود مانتے ہیں

بلکہ دیس یہ کھنڈن کرتے ہیں۔ کہ وہ ذرّہ ذرّہ کو ہی برھم مانتے ہیں آپکو اتنا بھی نہ سوجھا کہ کھانڈ اور پانی علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ پانی کھانڈ میں ملکر کھانڈ نہیں کہلایا جاسکتا۔ پرمیشور دُنیا کے اجسام میں موجود ہے۔ مگر دُنیا کے اجسام پرمیشور نہیں کہے جاسکتے۔ ایسا کہنے اور ماننے والا مورکھ نہیں تو اور کیا ہے۔ مورکھوں کی بات کی غلط تائید کرنا آپ جیسے فاضلوں کی شان سے بعید ہے۔ اب ذرا غور سے اس لمبے جھگڑے کا ملاحظہ فرمائیں۔ ہم زیادہ طول نہیں دینا چاہتے ہم مانتے ہیں اور الیشور یہ گیان ہمیں بتاتا ہے۔ کہ پرماتما स उ गर्भे अन्तः ہر ایک چیز میں موجود ہے۔ وہ ایسا لونکل ہے۔ کہ प्रदिशोऽनु सर्वाः تمام سمتوں میں براجمان ہے۔ وہ کسی آسمان کے اوپر گنبد بنا کر پالکی لگا کر کہاروں کے کندھے پر سوار ہو کر چہرچہاٹے کا آنند نہیں لے رہا ہے پرماتما پر ایسا الزام لگانا مورکھتا ہے۔ پس مبارک ہیں وہ جو اس صدا کو سُنتے ہیں کہ:-

एषो ह देवः प्रदिशोऽनु सर्वाः पूर्वो
ह जातः स उ गर्भे अन्तः स एव जातः
स जनिष्यमाणः प्रत्यङ् जनास्तिष्ठ-
ति सर्वतोमुखः॥



ओ३म्

य: प्राणतो निमिषतो महित्वैक इद्राजा जगतो बभूव। य ईशे अस्य द्विपदश्चतुष्पद: कस्मै देवाय हविषा विधेम॥ य० अ० २३ मं० ३

ہمیں اُس سرب شکتیمان وحدہٗ لاشریک پرماتما کی عبادت کرنی چاہیے۔ جو تمام جاندار و بیجان چیزوں کا اکیلا ہی دُنیا و جہان کا خالق اور پرورش کنندہ ہے

ساتویں فصل

اعتراض ۱

ٹھاکر جی مہاراج!!

صبح ہوئی پوجاری اُٹھا۔ لُٹیا لے جنگل گیا۔ زکوۃ دی۔ واپس آیا کنوئیں پر پہونچا۔ ہاتھ دھوئے۔ لُٹیا مانجی۔ داتن کی۔ نہایا۔ دھوتی بدلی۔ مندر میں گیا۔ گھنٹہ ہلایا۔ سنکھ بجایا۔ ٹن ٹن۔ پوں۔ پوں کا شور مچایا۔ ٹھاکر جی کو اُٹھایا نہلایا۔ دھلایا۔ تلک لگایا۔ جل پڑھا۔ ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ٹھاکر جی سے پرارتھنا کرتے ہیں۔ مگر ٹھاکر ٹھیکر نہ انکی بات کو سنتا ہے۔ نہ کچھ جواب دیتا ہے۔ نہ کہاتا ہے نہ پیتا ہے۔ بھگت جی مالا لے ایک کونے میں تاک لگا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دن

چڑھا۔ دوسرے لوگ اُسی پتھر کے درشن کرنے کے لئے آنے شروع ہوئے۔ ناک رگڑتے پھرتے ہیں۔ اُسکی بلائیں لیتے ہیں۔ طواف کرتے ہیں۔ مگر پتھر پتھر ہی ہے پتھر کو بھوگ لگانے۔ کپڑا پہنانے کے بہانہ سے اگلا بھگت۔ مورکھوں کو ٹھگتا پھرتا ہے اگر کوئی دکھشا دینے سے انکار کرتا ہے۔ تو اُسکو ٹھاکر جی مہاراج کا ڈر سنا کر دھمکاتا ہے۔ ٹھاکر جی خود بے بس۔ وہ کسی کا کیا بگاڑ یا سنوار سکتے ہیں۔ وہ بیچارے پتھر کے بُت۔ مندر کے قیدی۔ کُتا منہ چاٹ جائے تو بھی پتھر پیشاب کر جائے تو بھی پتھر پاخانہ کر جائے۔ تو بھی پتھر۔ چور لیجائیں۔ ناک کاٹ ڈالیں توڑ ڈالیں پھوڑ ڈالیں۔ تو بھی پتھر۔!! ایسی نکمی چیز کے سامنے ناک رگڑنا کیا معنی؟ مگر پھر بھی کروڑوں انسان ایسے ملینگے۔ جو پتھروں کے سامنے ناک رگڑ رہے ہیں اُن میں جو کسی قدر عقلمند ہیں۔ وہ پتھر پرستی کو یہ کہہ کر مرغوب بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ ہم پتھر کو یا پتھر کی مورت کو نہیں پوجتے۔ بلکہ اس میں جو پرمیشور براجمان ہے۔ اُسپر دھیان کرنے کا ہم مورت کو وسیلہ بناتے ہیں۔ حیلہ بازو! اگر پرمیشور تو تیرے اپنے اندر بھی ہے۔ تو انتر دھیان ہو کر اسکا دھیان کیوں نہیں کرتا۔ ان حیلہ بازوں کے علاوہ کتنے ہی انسان انسانوں کے پاؤں میں سر رگڑتے پھرتے ہیں۔ انکو اپنا نجات دہندہ سمجھکر یا اپنا گورو بنا کر یا پوجنیہ دیوتا مان کر۔ یا کسی اور وجہ سے اُن کے سامنے سر گھسائی کرتے ہیں۔ اُن کا جوٹھا کھاتے ہیں۔ اُن کا تھوک چاٹتے ہیں۔ اُن کے پاؤں کا دھوون پیتے ہیں۔ اُن کی پاؤں کی خاک آنکھوں پر لگاتے ہیں۔ ان کے بالوں۔ دانتوں۔ ہڈیوں۔ جوتیوں کو متبرک سمجھکر سروں پر اُٹھائے لئے پھرتے ہیں۔ انکی جائے پیدائش۔ مدفن وغیرہ کی زیارت کرنا ازالہ معاصی گردانتے ہیں۔ خود غرض انسانوں نے یہ پاپ کا وطیرہ

اختیار کیا۔ دوسرے لوگوں کو بھی اس دلدل میں پھنسا گئے۔ اپنے آپ کو پُجوا گئے۔ دوسروں کو اپنا جانشین بنا گئے۔ عالموں کا فرض ہے کہ ایسے مورکھوں کو سیدھے راستے پر لانے کی کوشش کریں۔ اگر کوئی ہٹ دھرم یا خود غرض آدمی انکی ایسی کوششوں کو تفرقہ اندازی۔ دل آزاری خیال کرتا ہے۔ تو اسکو ٹیں ٹیں کرنے دو۔ کسی نادان بچے کے ہاتھ سے گندگی کو چھڑا دینے کی کوشش کرنا دل آزاری نہیں ہے، اگر مورکھ بچہ اسکو اپنی دل آزاری خیال کرتا ہے۔ تو وہ غلطی کرتا ہے عقلمند بنکر وہ خود بھی دوسروں کے ہاتھ میل کچیل سے صاف کرنے لگ جائیگا۔ غرضیکہ اس قسم کا بودا قلعہ کسی صورت میں کہیں بھی کیوں نہ ہو۔ اسپر سخت گولہ باری کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ زمین چھوڑ کسی فرضی آسمان کے اوپر بھی کیوں نہ ہو۔ وہاں تحریر و تقریر کا مشن بھیجنے کی ضرورت ہے۔ یہ ہرگز خیال نہیں کرنا چاہئے۔ کہ وہ قلعہ سر نہیں ہو سکیگا۔ نہیں۔ نہیں۔ ضرور سر ہوگا۔ اگر ایک چوہا ایسے قلعے کے سر پر چڑھکر قلا بازیاں کہا سکتا ہے۔ تو ایک رشی اسکو بیخ و بُن سے اوکھاڑ کر دریا میں کیوں نہیں بہا سکتا۔؟ ہاں! ہاں! بہا سکتا ہے۔ بہا دیتا ہے۔ بہا دیا کتنے ہی بُت سازوں کو پتھر کی ٹیڑھی ترچھی مورتیں محض سر گہسائی کے لئے بنانے سے روک سکتا ہے۔ اور بجائے اس کے انکو ہاتھ دستے جیسی قیمتی چیزیں بنانے کا سبق دے سکتا ہے۔ مانا کہ مٹی یا پتھر کے کھلونے روتے بچوں کو بہلانے کے لئے کسی قدر کارگر ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ شخص کیسا مورکھ ہے جو عالموں فاضلوں کو یہ کہتا پھرے۔ کہ ان کھلونوں کے سامنے ناک رگڑو۔ کیا کوئی عقلمند اسکو دانا۔ بینا۔ عالم۔ فاضل کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسی مورکھتا کا کام کرنی یا کرانے کا حکم دینے والا انسان چھوڑ کوئی فرضی دیوتا بھی کیوں نہ ہو۔ قابل نفرین

ہے۔ ہاں اگر اللہ میاں بھی فرشتوں سے یہ کہتا پھرے۔ کہ :-

انی خالق بشراً من صلصالٍ من حماءٍ مسنون

(پ ۱۴۔ حجر)

"میں پیدا کروں گا ایک آدمی سڑے ہوئے کھنکھنانے گارے سے"

پس جب میں۔

فاذا سویتہ (پ ۱۴۔ حجر)

"اس کا ایک بت تیار کر لوں۔ یا ڈھانچہ بناؤں" اور

نفخت فیہ من روحی (پ ۱۴۔ حجر)

"اس میں اپنی روح پھونک دوں" تو اے فرشتو تم سب کے سب

فقعوا لہ سٰجدین (پ ۱۴۔ حجر)

"اس کے سامنے گر پڑو سجدہ کرتے ہوئے" تو سمجھ لینا چاہئے۔ کہ اللہ میاں جو آدمیوں کے سامنے فرشتوں سے ناک رگڑاتا ہے سخت گمراہ کنندہ ہے۔ اگر تمام فرشتوں نے اس ٹھاکر جی مہاراج کو

فسجد الملٰئکۃ اجمعین (پ ۱۴۔ حجر)

"جمع ہو کر سجدہ کر بھی دیا" تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے۔ کہ اللہ میاں کا حکم مبنی بر عقل و فکر تھا۔ نہیں نہیں۔ ایسے بیہودہ حکم کی تعمیل مورکھ کر بیٹھیں۔ تو اور بات ہے۔ مگر عقلمند۔

ابیٰ ان یکون مع السٰجدین (پ ۱۴۔ حجر)

"ہرگز۔ ہرگز مٹی کے پتلے کے سامنے ناک نہیں رگڑھتا" اگر اس سے پوچھو گے۔ کہ اسے بھلے آدمی۔

مالک ان لا تکون مع الساجدین (۱۴پ - حجر)

"تم نے اس پُتلے کے سامنے سر گھسائی کیوں نہیں کی" تو وہ فوراً پوچھنے والے کو لاجواب کر دے گا۔ کہ یہ میری شان سے بعید ہے۔ اور میری عقل گوارا نہیں کرتی۔ کہیں:-

"لم اکن لاسجد لبشر خلقتہ من صلصال من حماء مسنون

(۱۴پ حجر)

"ایک ایسے وجود کے سامنے سر گڑوں۔ جو سڑی ہوئی مٹی سے بنایا گیا ہے" اور یہ ہے بھی ٹھیک مٹی کے ٹھاکر کے سامنے ناک رگڑنا پاپ ہے جو شخص ایسے پاپ کا حکم دیتا ہے کیا وہ پاپی نہیں ہے؟ جو شخص ایسا پاپ کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اسکو یہ کہنا کہ:-

فانک رجیم۔ وان علیک اللعنۃ الی یوم الدین

(۱۴پ - حجر)

"تو مردود ہے۔ اور تو قیامت تک ملعون ہوا" سراسر حماقت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔؟ ایسے بیہودہ حکم کو دیکھ کر ہم نے ترک اسلام میں اٹھا ہوا اعتراض اس بات پر کیا تھا کہ اللہ میاں نے فرشتوں سے بڑے ٹھاکر جی یا بابا آدم کے سامنے ناک رگڑ وائی۔ گویا آدم پرستی کروائی۔ جو مہا گناہ ہے جب ایک موحد شخص نے ایسا گناہ کبیرہ کرنے سے انکار کیا۔ تو اسکو بھی ڈانٹ بتائی۔ بلکہ اسے ہمیشہ کے لئے اپنا دشمن بنا لیا۔ اللہ میاں کی اس فضول اور لغو حرکت کا جواب سنئے ہوئے۔

(۱) مولوی صاحب مانتے ہیں "یہ پرانی شیطانی حرکت

ہے۔ جو آریہ سماج نے اپنے ذمہ لی ہوئی ہے۔ مگر صد آفرین کہ صد بار جواب پا کر بھی اپنی ڈیوٹی سے غافل نہیں۔ سینہ ٹھوک کر اس نالائق کی حمایت کئے ہی جائیں۔"

میاں صاحب! شیطانی حمایت نہیں۔ بلکہ مسلمانی حمایت ہے آریہ سماج دیکھتا ہے۔ کہ اُن کے کروڑوں بھائی شیطان کے وہم میں مبتلا ہو کر بید مجنون کیطرح ترساں و لرزاں ہیں۔ انکو شیطانی وہم کے پنجے سے آزاد کرنے کی کوشش کرنا آریہ سماج اپنا پرم دہرم سمجھتا ہے۔ مگر جو نالائق ہیں۔ وہ پھر بھی اس مالیخولیا میں پھنسے ہی رہیں گے۔ اور جو عقلمند ہیں وہ اس سے چھوٹ جائینگے۔ چھوٹتے جاتے ہیں۔ بر رسولاں بلاغ باشد و بس

(۲) مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "دوسری جس آیت پر یہ سوال ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ واذ قلنا للملٰئکۃ .... الخ۔ یعنی خدا فرماتا ہے۔ کہ ہمنے تمام فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ آدم کو سجدہ کرو۔ مگر ابلیس نے انکار کیا۔ اور تکبر کیا۔ اور کافر بنگیا۔"

اللہ میاں نے تمام فرشتوں کو آدم کے سامنے سر رگڑنے کے لئے کہا۔ تو برا کیا۔ کیا وہ بیچارے اللہ میاں کے سامنے سر نہیں رگڑا کرتے تھے پھر آدم کے سامنے ناک گھسائی سے کیا حاصل! اگر شیطان بہادر نے اس بیہودہ اور لغو حکم سے پہلو تہی کیا۔ تو جرم کیا کیا!! کپڑے کے لات گُن بیٹھی۔ اگر سجدہ کر دیتا۔ تو آج تنہا اللہ کا وجود تک بھی دیکھنے میں نہ آتا۔

(۳) مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "سجدے کی بابت تو تحقیق یہ ہے۔ کہ یہ سجدہ عبادت کا سجدہ نہ تھا۔ بلکہ معمولی آداب نیاز تھا جیسا کہ

عموماً ادنیٰ اور ماتحت افسروں سے کیا کرتے ہیں"!
اگر معمولی آداب نیاز تھا۔ تو اللہ میاں بڑا مورکھ ہوگا۔ جسنے معمولی بات پر شیطان جیسے عقلمند اور فرشتوں کے استاد کو اپنا دشمن بنا لیا اور بہشت و دوزخ۔ عذاب ثواب کا جھنٹا کھڑا کرنا پڑا۔ پھر اس معمولی آداب نیاز کے طریقہ کو بعدازاں موقوف کیوں کر دیا؟ کیا حضور رسالت کبھی تحصیلدار، یا کوتوال۔ یا ڈپٹی کمشنر وغیرہ کو معمولی آداب نیاز کی بجائے ناک گھسا کر سجدہ کیا ہے؟ اگر نہیں کیا۔ تو کیا وجہ!

(۴) مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "سجدہ کے معنے وہی ہیں جو یجروید میں نمسکار کے ہیں۔ بس سنو! جو محیط کل پرشور جو عالموں کے باطن میں جلوہ گر ہے۔ اس محبت کل کو نمسکار ہو۔ اور جو عالموں سے اس برہم کا علم حاصل کرکے براہم کا درجہ پاتا ہے یعنی جسپر المشور ایسا مہربان ہوتا ہے۔ جیسے باپ کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے۔ اس براہم یعنی برہم کی عبادت کرنیوالے کو بھی نمسکار ہو۔ یجروید ادھیائے ۳۱ منتر ۲۰"۔
سجدہ اور نمسکار کو ایک بتانا اللہ میاں کی طرح مکر کا ثبوت دینا ہے جیسے اللہ میاں لوگوں کو دھوکہ دیتا پھرتا ہے۔ تو اللہ میاں کے عابد مغالطہ کیوں نہ دیں۔ سنیئے سجدہ کے معنے:-

سجد۔ سجود = سر بر زمین نہادن فروتنی کردن (صراح)

اسجد۔ = طاطا رأسہ والمنحنی (سر کو جھکایا اور ٹیڑھا ہوا) (صراح)

سجادہ۔ جائے نماز۔ و نشان سجدہ در پیشانی (صراح)

پس معلوم ہوا۔ کہ سجدہ سر زمین پر رگڑنے اور فروتنی کرنیکا نام ہے یہ رگڑ بھی ایسی۔ کہ ماتھے پر ٹیکے کی طرح سیاہ نشان پڑ جائے۔ برعکس اسکے نمسکار کے معنے سر زمین پر رگڑنا نہیں۔ بلکہ معمولی آداب نیاز یا عزت کا اظہار ہے۔ کبھی نہیں دیکھو گے۔ کہ یجروید کے اکتیسویں ادھیائے کے بیسویں منتر پر عمل کرنیوالا کوئی بھی ویدک دھرمی مسلمانوں کی طرح اللہ میاں کے حضور میں الٹا سیدھا ہوتا ہو۔ یا ناک زمین پر رگڑتا ہو۔ یا کوئی اور ایسی قسم کا مسخرہ کرتا ہو۔ اگر سجدہ اور نمسکار حضور کے نزدیک ایک ہی بات کا نام ہے۔ تو پھر الٹے سیدھے کیوں ہوتے ہو۔ جیسے ویدک دھرمی پرماتما کو نمسکار کرتے ہیں۔ اس طرح آپ بھی کیا کریں۔ پھر دیکھیں گے مسلمانی کتنے دن ٹھیرتی ہے۔ ورنہ کسی کا نمسکار کو سجدہ کہنا نمسکار کی توہین کرنا ہے۔ جو سراسر ابلہانہ بات ہے۔

(۵) **مولوی صاحب فرماتے ہیں** "پس جسطرح اس منتر میں عالموں کی خدمت میں نمسکار یعنی تعظیم و تکریم یا سلام و نیاز کرنے کا حکم ہے۔ اسیطرح آیت مرقومہ میں آدم کو سجدہ کرنے کا حکم ہے"

جسطرح اس منتر میں تعظیم و تکریم یا سلام و نیاز کرنے کا حکم ہے۔ ٹھیک اس کے برخلاف قرآنی آیت میں آدم کے سامنے ناک رگڑتے سر گھسنے کا حکم ہے۔ کیونکہ اول تو خود سجدہ کے معنے ہی سر گھسائی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ جو لفظ "فقعوا" کی دم لگی ہوئی ہے۔ وہ اتنی لمبی ہے۔ کہ زمین تک پہونچنے کے بغیر دم نہیں لیتی۔ اللہ میاں فرشتوں کو حکم دیتا ہے۔ کہ جب میں آدم کا پتلا بنا چکوں۔ اور اس میں روح پھونک دوں۔ تو تم سب کے سب۔

فقعوا لہٗ سجدین (پ ۱۴ - حجر)

"گر پڑو اُس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔"

پس "تعدوا" کی جگہ بعض موقعہ پر لفظ "خروا" استعمال ہوا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ سجدہ کس قسم کا تھا۔ اِسے تعظیم و تکریم کہنا مغالطہ ہی ہے۔

(۶) **مولوی صاحب فرماتے ہیں۔** "دنیا۔ اور وجہ بھی وہی ہے جو اِس سنتر میں ہے۔ یعنی علم۔ کیونکہ اِس حکم سے پہلے صاف لفظوں میں لکھا ہے۔ یعنے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ پھر انکو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے اُن سے کہا۔ کہ اگر تم سچے ہو۔ تو ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔"

اگر بابا آدم کو سچا علم ہوتا۔ تو وہ جاہلوں کی طرح بے علمی کی باتیں کر کے اپنی جگہ سے معطل کیوں کیا جاتا۔ کیوں ننگ دھڑنگ نیچے پھینکا جاتا۔ اور کیوں روتا پیٹتا۔ کسی چیز کا نام سیکھ لینے سے کوئی عالم نہیں بن سکتا۔ طوطے کو "میاں مٹھو رام رام" سکھا دو گے۔ تو کیا وہ عالم ہو جائے گا ہرگز نہیں۔ اللہ میاں نے چند چیزوں کے نام آدم کو چوری چوری بتائے تو کیا وہ عالم ہو گیا؟ جس شخص کو اتنی بات بھی یاد نہ رہی۔ کہ شیطان کا حکم نہیں ماننا۔ اور درخت کا پھل نہیں کھانا۔ اسکو عالم کہنا مورکھتا ہے ایسے شخص کی تعظیم کرنا پاپ ہے۔ اسکو سجدہ کرنا تو مہا پاپ ہے۔

(۷) **مولوی صاحب فرماتے ہیں** "اس آیت میں جو صاف اور صریح لفظوں میں کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو۔ تو بتاؤ۔ اس سے صاف مفہوم ہوتا ہے۔ کہ ملائکہ نے علمِ کُل کا دعویٰ کیا تھا۔ اِس لئے اُنکی تکذیب کرنے کو خدا نے حضرت آدم کو تمام علوم سکھا کر فرشتوں سے بغرض اظہار اُنکی عاجزی کے

استفسار فرمایا۔ تاکہ وہ خود ہی اپنی زبان سے اپنی عاجزی کا اقرار کریں؟
حضور اللہ میاں کی طرح مکر سے کام لے رہے ہیں۔ فرشتوں نے علم
کلی کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا تھا۔ بلکہ اللہ میاں کو نیک صلاح دی تھی۔ وہ
بھی اسوقت جبکہ اللہ نے انسے کہا۔ کہ میں ایک خلیفہ پیدا کرنیوالا ہوں فرشتوں
نے جواب دیا۔ کہ:۔

اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء۔

(پ ۱۔ بقرع ۴)

"کیا تو ایک شخص کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جو زمین پر فساد کرے
اور خون بہاوے۔"

مگر اللہ میاں نے انکی بات نہ سنی۔ آخر وہی ہوا۔ جو انہوں نے کہا
تھا۔ آدم گمراہ ہوا۔ اسکے بیٹے۔ پوتے وغیرہ خونی وفسادی ہوئے۔ اور
زمین فساد وشر سے بھر گئی۔ اگر اللہ میاں جی فرشتوں کی بات مان لیتا
تو شاید آج روس و جاپان کی لڑائی بھی نہ ہوتی۔ مگر سمجھائے کون عقل کے
دیوانہ کو۔ اسپر آپکا یہ فرمانا کہ آدم کو تمام علوم سکھا کر فرشتوں سے استفسار
فرمایا۔ معلوم نہیں کہاں تک ٹھیک ہے۔ اگر بابا آدم کو تمام علوم آتے ہوتے
تو ہرگز ہرگز خوار و ذلیل نہ ہوتا۔ نہ ہی وہ پاپی بنتا۔ پاپ کی جڑ جہالت یا
اگیانتا ہے۔ جو پاپی ہے۔ وہ اگیانی ہے۔ اگیانی جاہل ہے۔ آدم نے
پاپ کیا۔ وہ جاہل ٹھیرا۔ نہ کہ عالم۔

(۸) مولوی صاحب فرماتے ہیں "چونکہ آدم علیہ السلام
نے سب چیزوں کے نام اور ماہیت بتلادی تھی۔ اس لئے وہ اس بات کے

مستحق ہوئے کہ فرشتے اُن کو سلام و نیاز یا حسب محاورہ وید نمسکار کریں۔ چنانچہ کیا گیا۔"

اگر باباجی کو سب چیزوں کے نام اور اُنکی ماہیت کا پتہ ہوتا۔ تو وہ شیطان کے بھلاوے میں نہ آتے۔ مگر وہ تو تھے ہی کچھ بے علم و جاہل سے چنانچہ شیطان نے اُن کے پاس آکر کہا۔

یٰادم ھل ادلک علےٰ شجرۃ الخلد

وملک لا یبلی (پ ۱۶ - طٰہٰ)

"اے آدم کیا میں تجھ کو حیات جاودانی کا درخت اور ہمیشہ رہنے والی بادشاہت کا پتہ دوں؟"

باباجی کے منہ میں پانی بھر آیا۔ پاکیا ہوا۔ جھٹ شیطان کے کہنے سے:

اکلا منہا فبدت لہما سوآتہما۔

"میاں بیوی نے درخت کا پھل کھا لیا۔ اور انکی بُری چیزیں (انکا پیچھا) ان پر ظاہر ہوگئیں" مطلب یہ کہ ننگ دھڑنگ ہو گئے۔ اور پتوں سے انکا پیچھا ڈھانکنے لگے۔ اگر باباجی کو درخت مذکور کی ماہیت کا پتہ ہوتا تو کپڑوں سے ہاتھ نہ دھوتا۔ مگر وہ تھا ہی لاعلم۔ اسے عالم کہنا علم کا نام بدنام کرنا ہے۔ ایسے لالچی اور پاپی شخص کی تعظیم کیا معنی! وہ بے علم تھا بے علمی کے باعث گناہ کیا۔ اسکی سزا بھگتی۔ باہر پھینکا گیا۔ اپنی اولاد کو بھی دنیا میں پھنسا گیا۔

(۹) مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "قرآن شریف خود ہی

کرتا ہے۔ کہ شیطان نے کیوں سجدے سے انکار کیا۔ اسنے صاف لفظوں میں کہا تھا۔ کہ میں بھلا کیونکر اسے سجدہ یا نمسکار کروں۔ حالانکہ میں اس سے عمدہ یا بہتر ہوں۔ میری پیدائش آگ سے ہے۔ اور اسکی پیدائش مٹی سے ہے"۔

شیطان کا یہ عذر بجا و درست تھا۔ آگ کا خاصہ روشنی ہے مٹی کا خاصہ تاریکی ہے۔ تاریکی ادنیٰ چیز ہے۔ روشنی اعلیٰ چیز ہے۔ روشنی نمودار ہوئی۔ تاریکی اڑ گئی شیطان کی آمد آمد ہوئی اور بابا آدم کے ہوش اڑ گئے۔ شیطان جانتا تھا۔ کہ یہ شخص کھلونا ہے۔ کمزور ہے۔ ضعیف البنیان۔ مرکب الخطا و النسیان ہے۔ اسکو سجدہ کرنے والا اور کرانیوالا دونوں غلطی پر ہیں۔ پس لئے ایسی جاہلانہ حرکت کرنے سے سر پھیر دیا۔ یہ نہیں کہ وہ سجدہ کا دشمن تھا۔ سجدہ تو وہ کرتا تھا۔ مگر اپنے اللہ میاں کو نہ کہ مخلوق چیز کو۔

(۱۰) مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر آدم کو حکم ہوتا کہ تو شیطان کو سجدہ اور نمسکار کر۔ تو شیطان بڑی خوشی سے اس سجدہ کو قبول کرتا۔ پس یہی وجہ اسکے انکار کی ہوتی۔ کہ اسنے اس سجدہ کا مستحق آدم کو نہ جانا۔ کیوں نہ جانا۔ اس لئے کہ خود کو اس سے اچھا جانتا تھا۔ نہ کہ توحید کے اثر سے۔"

اگر آدم شیطان کو سجدہ کر دیتا۔ تو کم از کم اتنی بات تو ہو جاتی۔ کہ وہ دیگر آفات سے بچا رہتا۔ گو شیطان اس سجدہ کو مانتا۔ یا نہ مانتا۔ یہ اور بات ہے۔ اپنے آپ کو کسی گرے ہوئے وجود سے اچھا جاننا پاپ نہیں ہے۔ جب شیطان تھا ہی آدم سے اچھا۔ اور فرشتوں کا استاد بھی تھا۔ تو یہیں "تکبر" کاہے کا مگر اللہ میاں نے خواہ مخواہ اسکو اپنا دشمن بنایا۔ اگر یہ سجدہ توحید کے خلاف

نہیں تھا۔ تو پیچھے سے منسوخ کیوں کر دیا۔ رہنے دیا ہوتا۔ مگر ؎

ہرچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از ہزار رسوائی

مولوی صاحب فرماتے ہیں "وہ (شیطان) جانتا تھا۔ کہ یہہ سلام و نیاز توحید کے خلاف نہیں۔ بلکہ وید میں بھی اس نمسکار کا حکم ہے۔ جو اس کا (شیطان کا) قدیمی مذہب ہے۔ کیونکہ وید تو قدیم سے ہیں"

اگر شیطان کا مذہب وید ہوتا۔ تو آج مسلمان شیطان کے ہاتھ سے روتے ہوئے دکھائی نہ دیتے۔ مگر افسوس شیطان کا مذہب کم و بیش وہی ہے۔ جو ایکے اللہ میاں کا ہے۔ اللہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ شیطان بھی کر رہا ہے۔ اللہ لوگوں کو آپس میں لڑا رہا ہے۔ شیطان بھی لڑا رہا ہے۔ اللہ لوگوں سے مخول کر رہا ہے۔ شیطان بھی کر رہا ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ اب حضور چولہے کے پاس بیٹھ کر سوچیں۔ ان دونوں پہلوانوں میں سے جو زیادہ تر گمراہ کنندہ معلوم ہو۔ اسی کے سر پر دستار فضیلت رکھہ دیجیے۔ کیا بچوں کی سی باتیں بناتے ہیں۔!!

مولوی صاحب فرماتے ہیں "پس شیطان کے حامیوں کو اس بیان سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ کہ جس صورت میں ان کا موکل ایک امر کی نسبت خود بیان دے چکا ہے۔ تو ان کا اس کے خلاف زور دینا کیونکر صحیح ہوگا۔"

آہا! ہم تو ہوئے شیطان کے حامی اور آپ ہوئے شیطان کا شکار! تبھی شاید میاں شیطان مسلمانوں کو ڈرا رہا ہے۔ اور اللہ انکو سنا رہا ہے کہ:-

ثم لاٰتینھم من بین ایدیھم
ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم (پ)

"پھر میں اِن کے سامنے سے آیا کروں گا۔ ان کے پیچھے سے آیا کروں گا اُن کے دائیں سے آیا کروں گا۔ اُن کے بائیں سے آیا کروں گا۔"

لو! ذرا بتا تو دیجئے۔ یہ چومکھا بہادر آپکے پاس کس طرف سے آیا کرتا ہے! یا یوں ہی مارے ڈر کے ٹیں ٹیں کر رہے ہو۔ اور ہوش باختہ ہو کر سجدہ اور نمسکار کو پیس رہے ہو۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "مختصر یہ کہ آیت میں نہ تو شرک کی تعلیم ہے۔ نہ توحید کے خلاف ہے۔ بلکہ صرف دیانندجی اور اُن کے دام اُفتادوں کی سمجھ کا پھیر ہے۔"

مختصر یہ کہ آیت میں شرک کی تعلیم ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسانوں کو سجدہ نہ کرنے کا حکم اللہ میاں کے دفتر سے ارسال نہ کیا جاتا۔ اور نہ ہی آج ہم مسلمانوں کو علیک سلیک کرتا ہوا دیکھتے۔ بلکہ ہر کس و ناکس یا کم از کم پڑھے لکھے ہوئے آدمیوں کے پاؤں میں سر رگڑتے ہوئے دیکھتے۔ مگر اللہ میاں نے ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے۔ کیونکہ یہ توحید کے خلاف ہے۔ اگر الٹی سمجھ والی میاں کو اِس مسئلہ کی خبر پہلے ہی لگ جاتی۔ تو اس کے دام اُفتادہ شیطان کے ہاتھ سے روتے ہوئے اور پٹتے ہوئے دیکھے۔ سُنئے۔ اور پڑھے نہ جاتے۔ مگر

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خویش باید زد

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "سُنئے! شرک کی تعلیم ہم آپکو بتاتے ہیں۔ مگر تعلیم سے پہلے مشرکوں کے دیوتا اگنی کی ماہیت اور پوری تعریف کا بتا دینا بھی ضروری ہے۔ تاکہ کسی کج فہم کو مجال انکار نہ رہے۔"

سُنئے۔ شرک کی تعلیم ہم آپکو بتاتے ہیں۔ مگر تعریف سے پہلے مشرکوں کے

دیوتا آگ کی ماہیت اور پوری پوری کیفیت بتا دینا بھی ضروری ہے تاکہ کسی کج فہم کو مجال انکار نہ کرے۔ دیکھو اللہ میاں آگ کی انگاری کی طرح جنگل میں لٹک رہا ہے۔ اور موسیٰ سردی کا مارا ہوا اپنے اللہ کو آگ سمجھ کر بھاگتا ہے۔ کتاب ہذا کا صفحہ ۲۸۶ ملاحظہ ہو۔ اگر کچھ کسر باقی رہ جاوے۔ تو موسیٰ کی طرح ننگے پاؤں بھاگنا۔ پھر کچھ اور بتائیں گے۔ کیا طفلانہ باتیں بنا رہے ہیں۔ لفظ اگنی پر تمہارے سر میں کھجلی اٹھی۔ کسی ہندو چھوکرے کا ترجمہ دے گھسیٹا۔ ذرا اگنی کے معنوں کو تو دیکھ لیا ہوتا۔ اگر۔

مسلمان کی کمائی۔ ہانڈی اور کپڑوں نے کھائی

آپکے پاس آریہ سماج کی مستند کتابوں کو خریدنے کے لئے کافی دام نہیں تھے۔ تو اعتراض پر منہ کیوں کھولا۔ رگوید کے پہلے منتر کی تشریح رگوید بھاشیہ کے عین شروع میں دیکھی ہوتی۔ اگر آپ سنسکرت نہیں پڑھے۔ تو ہندی بھاشیہ صفحہ ۴ پر ہی دیکھا ہوتا۔ اگر

آنکھوں سے اندھا نام نین سکھ

اللہ میاں نے آپ کو ہندی سے بھی محروم رکھا ہے۔ اور آپ فاضل کہلا کر بے تکے اعتراض کرنے میں ہی فخر سمجھتے ہیں۔ تو کم از کم رگوید آدی بھاشیہ بھومکا (اردو) صہ ۲۱۴ ہی ملاحظہ کیا ہوتا۔ اگر خرید نہیں سکتے تھے۔ تو کسی سے مانگ لیا ہوتا۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تو ستیارتھ پرکاش صہ ۲ ہی دیکھا ہوتا۔ اگر اس سے بھی آپکو دشمنی تھی۔ تو قرآن شریف کے سولہویں سپارے کی سورہ طٰہٰ کا ہی مطالعہ کیا ہوتا۔ جہاں اگنی بمعنی پرمیشور۔ تو ایک طرف حضرت اللہ میاں مجسم آگ ہو کر لٹک رہے ہیں۔ اگر اللہ میاں نے آپ کو

اس سے بھی محروم رکھا ہے۔ تو ہماری کتابکا ہی بلاحظہ کریں۔ اگر یہ بھی نہیں کرنا چاہتے۔ تو ہندو چھوکروں سے سُن سُنا کر ویدوں پر اعتراض مت کیا کریں حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ ”سجدہ کے معنے تو فرمانبرداری کے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ

للہ یسجد من فی السموات ومن فی الارض

اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ جو آسمانوں ہیں اور زمین ہیں ہیں۔“ اگر سجدہ کے معنی فرمانبرداری کے ہیں۔ تو اللہ نے فرشتوں اور فرشتوں کے استاد شریف کو اپنی فرمانبرداری کی بجائے آدم کی فرمانبرداری کرنے کا کیوں حکم دیا۔؟ کیا وہ بیوقوف ہو گیا تھا؟ اگر سجدہ کے معنے فرمانبرداری کے ہیں۔ تو معلم الملکوت اللہ کا فرمانبردار تھا۔ اسکو سجدہ کیا کرتا تھا۔ آدم کو سجدہ نہ کرنے پر اسکو مردود کیوں کیا؟ اسنے نہ چاہا۔ کہ اپنے اللہ کی فرمانبرداری چھوڑ کر آدم کی فرمانبرداری کرے۔ اس سے اللہ کیوں چڑ گیا؟ اور کیوں شیطان جیسے موحد کو ملعون کیا؟ اگر سجدہ کے معنی فرمانبرداری کے ہیں۔ اور بقول قرآن زمین و آسمان کے رہنے والے اللہ کی فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ تو شیطان کو سرکش کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا وہ زمین و آسمان سے باہر ہے؟ جب زمین آسمان والے سب فرمانبرداری کرتے ہیں۔ تو شیطان بھی کرتا ہوگا۔ ورنہ ثبوت دو۔ کہ شیطان زمین و آسمان سے باہر ہے۔ اسی طرح تمام کافر بھی فرمانبردار ہوئے نہیں نافرمان کہنا اللہ کی غلطی ہے۔ آپ اسکی غلطی کی اصلاح کر دیجئے۔ پھر اگر سجدہ کے معنے فرمانبرداری کے ہیں تو مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ فرمانا کہ سجدہ کے معنے

نمسکار کہے ہیں۔ سراسر غلط ہوا۔ آپکی پیش کردہ دوسری آیت بھی پہلی جیسی ہی ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں ”پھر کیا اچھے لوگوں کی خصوصاً اُن لوگوں کی فرمانبرداری جو اللہ کی طرف سے خلیفہ۔ بادشاہ۔ حکام۔ رسول ہوکر آتے ہیں۔ شرک ہوسکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔“

اگر فرمانبرداری کرنا سجدہ کرنا ہے۔ اور سجدہ کرنا فرمانبرداری کرنا ہے۔ تو آپ بھی حاکم اعلیٰ کو سجدہ کیا کریں۔؟ آپ کیوں دور سے ہی سیلیوٹ پکار دیتے ہیں۔ آپ اپنے مرشد کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ تو کیا آپ اسکو سجدہ کیا کرتے ہیں؟ فرمانبرداری کے لئے لفظ اطاعت ہے۔ اور اللہ قرآن میں کہتا ہے۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

”یعنی اطاعت کرو۔ اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ اور اطاعت کرو۔ انکی جو تم میں صاحب حکم ہیں۔“ لیکن یہ نہیں کہا۔

واسجدو اللہ والرسول واولی الامر منکم

کہ ”تم سجدہ کرو۔ اللہ کو اور سجدہ کرو تم رسول کو اور سجدہ کرو صاحب حکم کو۔“ سجدہ کا حکم کیوں نہیں دیا۔ اس لئے کہ اللہ کو آپ سے زیادہ سمجھ ہے۔ گو وہ کتنی ہی بے سمجھی کی باتیں کرے۔ مگر اتنا تو ضرور جانتا ہے کہ سجدہ اور اطاعت ایک چیز نہیں ہیں۔ بلکہ سجدہ کرنا اور اطاعت کرنا الگ الگ باتیں ہیں۔ مگر آپنے دونوں کو ایک سمجھ لیا۔ اور غلطی ہی کی کوشش کی

ہے تو ایسی آدمی کو سجدہ کرنا بُرا ہے۔ اللہ نے حضرت معلم الملکوت کو ایسی ہی بُرائی کا حکم دیدیا تھا۔ مگر اسنے جھٹ انکار کر دیا۔ اگر اللہ کو عقل ہوتی۔ تو پہلے ہی سوچکر حکم دیتا۔ تاکہ بعد میں منسوخ نہ کرنا پڑتا۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ ”الٰہی خلفا کی اطاعت و القیا وسیاست و تمدن کا اعلیٰ اور ضروری مسئلہ ہے۔ بلکہ انکی فرمانبرداری ہے۔ قرآن میں ہے

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

(جس نے رسول کی اطاعت کی۔ اُسنے اللہ کی اطاعت کی) “

چہ خوب! اور جسنے رسول کی نافرمانی کی۔ اُسنے اللہ کی نافرمانی کی جسنے اللہ کی نافرمانی کی۔ وہ کافر ہوا۔ بی بی زینب کے پہلے خاوند میاں زید علیہ السلام نے تو حضرت کی کھلم کھلا نافرمانی کی تھی۔ جیسا کہ ہم آگے دکھائیں گے۔ بولئے زید پر کیا فتویٰ لگا؟ اگر رسول کی فرمانبرداری کرنا اللہ کی فرمانبرداری ہے۔ تو رسول کو سجدہ کرنا بھی اللہ کو ہی سجدہ کرنا ہوا۔ بنابریں قرآنی آیت کو یوں لکھ دیجئے۔

من یسجد للرسول فقد سجد للہ

یعنی ”جو سجدہ کرتا ہے۔ رسول کو اُسنے سجدہ کیا۔ اللہ کو“ اس کا نام مردم پرستی نہیں ہے۔ تو اور کیا ہے؟ اگر آپ یہ کہیں۔ کہ قرآنی آیت میں سجدہ کا لفظ نہیں۔ اطاعت کا لفظ ہے اطاعت کرنا سجدہ کرنا نہیں ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں۔ آپکو کس نے کہا تھا۔ کہ خواہ مخواہ اطاعت کے لفظ پر جھگڑا چھیڑ کر مغالطہ دیتے پھرو؟ ہم نے اطاعت کے لفظ پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ بلکہ سجدہ کے لفظ پر کیا تھا؟ ہاں اگر آپکے نزدیک اطاعت اور سجدہ مترادف ہیں۔ تو بسم اللہ کیجئے

لارڈ کرزن لیفٹنٹ گورنر۔ ڈپٹی کمشنر۔ تحصیلدار۔ نائب تحصیلدار۔ سارجنٹ وغیرہ کے قدموں میں سر رکھیئے۔ کیونکہ اولی الامر والی آئیت آپنے بھی لکھی ہے اور آپ مانتے ہیں۔ کہ صاحب حکم لوگوں یا حاکموں کی اطاعت کرنی گویا اللہ کی اطاعت کرنی ہے۔ بس اُن کو سجدہ کرنا گویا اللہ کو سجدہ کرنا ہے؟ اگر آپ اس بات کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تو پھر سجدہ کی اوٹ میں اطاعت کرکے کسی کو مغالطہ دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اللہ کی طرح مکاری کرنے سے کیا حاصل؟

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "کیا تمنے نہیں سُنا۔ یا ستیارتھ میں نہیں پڑھا۔ کہ عورتوں کی ہمیشہ پوجا کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی معنے پوجا کے کئے جاسکتے ہیں۔ تو سجدے کے کیوں نہیں کئے جاسکتے۔"

کیا حضور نے نہیں پڑھا کہ "یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ لفظ پوجا کے معنے عزت کے ہیں۔" مگر آپ بتائیں عورتوں کے سامنے ناک رگڑنا۔ اُنکو سجدہ کرنا کہاں لکھا ہے۔ اگر قرآن میں ہو۔ تو دکھا دیجیے لیکن قرآن میں بھی نہیں ملیگا۔ وہاں یا تو آدم کا سجدہ ملیگا۔ یا میاں یوسف علیہ الرحمتہ کے باپ اور بھائیوں کا سجدہ۔ یوسف کے والدین اور بھائی یوسف کے سامنے

خروالہ سجدا (۱۳پ۔ یوسف)

"سجدے میں گرے" اگر محض سجدہ ہی ہوتا۔ تو شائد اس کے کچھہ معنے کئے جاسکتے۔ مگر جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ جب تک اس کے ساتھ لفظ نعوا اور خروا کی دُم لگی ہوئی ہے۔ تب تک آپ اسکے معنے سر گھسائی کے علاوہ اور کچھہ نہیں کر سکتے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "آج ایسا اعتراض کرنا اور ایسے شخص کے منہ سے ایسا اعتراض نکلنا جو انگریزی پڑھا ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے۔"

واقعی حضور کے لئے یہ بہت ہی بڑی شرم کی بات ہے۔ کہ ایک انگریزی پڑھا ہوا قرآن پر اعتراض کرتا ہے۔ اگر وہ انگریزی پڑھا ہوا نہ ہوتا۔ تو شاید چمگادڑوں کا مہمان بن کر آپ کی شجرۃ الجہالت سے لٹکا رہتا جہاں کہ آپکے مہربان لٹک رہے تھے۔ مگر افسوس! عقل سے کام لینا اسلام سے ہاتھ دھو لینا ہے۔ ہم آئے دن دیکھتے ہیں۔ کہ بڑے بڑے مسلمان بیرسٹر بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ انگریزی تعلیم یافتہ موجودہ قرآن و اسلام سے کبیدہ خاطر ہو کر نئی سے نئی تجاویز سوچ رہے ہیں۔ کوئی کہتا ہے۔ نماز پنجگانہ فضول حرکت ہے۔ کوئی کہتا ہے روزہ فاقہ کشی ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ تعدد ازدواج نے اسلام کا بیڑا غرق کیا۔ کوئی کہتا ہے۔ پردہ سسٹم نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا ہے۔ کوئی کہتا ہے ہمیں مسلمانوں سے علیحدہ دو ڈھائی اینٹ کی مسجد بنانی چاہئے۔ یہ سب کچھ بھی نئی روشنی کا اثر ہے۔ جو پرانے ملانوں اور مولویوں کے لئے باعث ننگ ہے۔ مگر افسوس ہے ان انگریزی تعلیم یافتوں پر۔ کہ وہ اُس اخلاقی جرات سے محروم ہیں۔ جو انکی ان کشمکشوں کا فیصلہ کر کے ان کو اسلامی زنجیروں سے آزاد کر سکتی ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ انگریزی زبان میں ورشپ کا لفظ کس قدر وسیع اور روزمرہ کی بول چال میں آتا ہے۔ حتٰے کہ ججوں کو ہز ورشپ کہا جاتا ہے۔ اس کے معنے سوائے اس کے اور کیا ہیں کہ وہ قابل اطاعت شخص

ہیں۔"

انگریزی زبان خود وسیع ہے۔ اس کے الفاظ بھی وسیع ہیں۔ مگر عربی زبان اللہ میاں کی طرح بہت ہی محدود ہے۔ اسکے الفاظ بھی تنگ ہیں ایسی تنگنا میں وسعت کا خیال کرنا بھی پاگل پن ہے۔ اگر ورشپ کا لفظ وسیع معنوں میں آتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سجدہ کا لفظ بھی وسیع معنوں میں آتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ سجدہ اسی اولٹ ڈنڈوت کا نام ہے۔ جس کا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "قرآن میں آیا ہے کہ درخت اور چارپائے۔ اور آسمان زمین کی ساری چیزیں خدا کو سجدہ کرتی ہیں۔"

قرآن کا یہ قول ہی لال بجھکڑی ہے۔ اگر اللہ میاں کو اتنا علم ہوتا کہ گیان رہت چیزیں کسی چیز کی عظمت کو نہیں جان سکتیں۔ جب عظمت سے ہی بیخبر ہوں۔ تو سجدہ کیا معنی! اللہ میاں نے جانوروں کو الٹا سیدھا ہوتے۔ درختوں کے سایہ کو چھوٹا بڑا ہوتے دیکھ کر کہہ دیا۔ کہ یہ سب الا بلا مجھے سجدہ کر رہی ہے۔ اگر بنجارے کی دوکان اللہ میاں کو سجدہ کر رہی ہے۔ تو شیطان کیا اس سے باہر ہے! وہ بھی سجدہ کرتا ہوگا۔ پس اسکو باغی یا مرتد کہنا الٹا ہی منطق ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "امرالقیس کے شعر میں ہے۔ کہ تمام جنگل ان گھوڑوں کے سموں کو سجدہ کرتے تھے۔"

خواجہ کا گواہ کھیرا۔ امرالقیس کا شعر سند پیش کر دیا۔ یہ پتا نہیں کہ اس قسم کے شعرا زمین و آسمان کے قلابے ملا کر ابن الکذب بجاتے ہیں۔ ایسے تو ہم بھی دکھا سکتے ہیں۔ کہ سکندر نامہ کا مصنف کہتا ہے۔ ع

زشمم ستوراں دراں پہن دشت زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

مگر اس لن ترانی کو مانے کون۔ اگر شعر مذکورہ بالا کو صحیح مان لیا جاوے تو مسلمانوں کے علماء کو سات زمین اور سات آسمان دکھانے پڑیں گے۔ ایک زمین کس طرح آسمان پر اڑ گئی۔ اس کا ثبوت دینا پڑے گا۔ ایسے جھوٹوں کی بات کوئی سند نہیں ہو سکتی کسی نے سچ کہا ہے۔ ۵

جو شاعر کہ جھوٹ پر باندھتے ہیں رگ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "انصاف ظاہر ہے کہ وہ سجدہ عرفی نہیں۔ جو زمین پر گر کر پیشانی کو زمین سے ٹکرا کر کرتے ہیں۔"

زمین پر نہ سہی۔ آسمان پر سہی۔ مطلب تو سرگھسائی سے ہے۔ اسکا ثبوت پیچھے دیا گیا۔ دہرانا عبث ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ وللہ یسجد .... الخ

"اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ جو آسمان اور زمین میں ہیں۔ تو کیا آسمان و آسمان کی چیزیں اور زمین کی زمین پر گرتی ہیں۔"

تمہارے اللہ میاں کی یہ بات ہی غلط ہے۔ اگر زمین اور آسمان والے اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ تو شیطان کا نام کیوں بدنام کیا جاتا ہے اور بعض لوگوں کو کیوں شیطان کے بندے اور شیطان کے پرستار کہا جاتا ہے یہ بات ہی بالکل لغو ہے۔ اگر زمین و آسمان والے اللہ میاں کی فرمانبرداری کرنے لگ جاویں۔ تو فساد ہی نہ مٹ جاوے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ پھر اگر اللہ میاں کے ہاتھ سے بنائے ہوئے ٹھاکر جی کو فرشتوں نے ناک رگڑ کر سجدہ نہیں کیا تھا۔ تو اور کس طرح فرمانبرداری کا اظہار کیا تھا۔ کیا سب

قطار باندھکر کھڑے ہو گئے تھے۔ اور اللہ کی طرف سے "سیلوٹ۔ باجی نمبر" پکارا گیا تھا۔ یا بابا آدم کی پیدائش پر ڈھول بجائے گئے تھے۔ یا توپیں داغی گئی تھیں۔ یا اڈریسیں دیکر انکی عزت کی گئی تھی۔ یا "بابا جی! سلام" کہا تھا۔ یا "بابا جی کی فتح" کہا تھا۔ یا "بابا جی کا خالصہ" کہا تھا یا "بابا جی پیریں پیندے ہیں" کہا تھا۔ یا "بابا جی جنم مبارک" کہا تھا۔ یا "شیک ہینڈ بابا!" یا "گڈ مورننگ بابا" یا "بابا جی کی عمر دراز!!" یا "بابا جی کو سونے کے سہرے" یا کیا کہا تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ سجدہ سے منہ پھیرتے جاتے ہیں اور بتلاتے بھی نہیں۔ کہ پھر آدم کی فرمانبرداری کی تھی۔ تو کس طرح! ایسا کونسا شاہی دربار تھا۔ کہ جسکے آداب کو مدنظر نہ رکھنے کے باعث فرشتوں کا استاد معطل کیا گیا! بتاؤ۔ بتاؤ! سنت نہ چھپاؤ۔ اپنے بابا کے جنم دن کی تقریب کا حال سناؤ۔ ورنہ چھپا نہیں چھپیگا۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "تمہارے آریہ مسافر کے جواب میں اور تنفیہ والے کے دفاع میں ہم نے ایک مضمون لکھا تھا۔ جب وہ مر گیا۔ تو ہم نے اس مباحثہ سے اعراض کیا۔ اور یہ مضمون پڑا رہا۔ اب جو تم نے نئی چھیڑ کی۔ تو اس مضمون کو مختصر لکھ دیتے ہیں"۔

ہم نے کوئی نئی چھیڑ شروع نہیں کی۔ یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ ہم نے بحرِ ضلالت سے نکلنے کی وجوہات بیان کی تھیں۔ تم لوگوں نے اسکو چھیڑ سمجھا اور بدزبانی و بدکلامی پر کمر باندھی۔ آپکے دماغ میں تنفیہ گھسا رہتا ہے۔ اسی لئے تو اس کا بار بار نام لیتے ہو۔ ہمیں کیا معلوم کہ تنفیہ کیا بلا ہے۔ جس سے

تمہیں اتنا پالا پڑا ہے۔ اگر تم ہماری بات کا جواب دیتے دیتے کسی اور کتاب کا جواب دینے لگ جاؤ۔ تو ہم ویسی بیقاعدہ اور بیفایدہ باتوں کا نوٹس لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ فی الحال ان ہی باتوں کا نوٹس لیں جو ہمارے متعلق ہیں۔ وہ بھی صرف اس لئے کہ تم اور تمہارے بھائیوں نے صداقت پر خاک ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ورنہ تمہارے جیسے بیسیوں ہی پڑے چلا رہے ہیں۔ ان کاؤں کاؤں میں پھنسنا ہمارے نزدیک صریحاً تضیع اوقات ہے۔ مگر اب چونکہ لوہا گرم ہے۔ تم تنقید والے کے اعتراضات کے جوابات بھی سُن لو۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "قرآن مجید اور اہل قرآن جس قدر شرک بُت پرستی کے مخالف ہیں۔ اتنا ہی اس کے قریب قریب بھی کوئی مذہب دنیا میں بُت پرستی کے مخالف نہیں ہے۔ سو جس کتاب میں یہ کلمہ لکھا ہو

لا تسجدوا للشمس ولا للقمر۔

"سورج اور چاند کو سجدہ مت کرو۔"

آپ خود سوچئے۔ قرآن میں یہ کلمہ لکھا ہے۔ ایک بار نہیں بار بار لکھا ہے۔ کہ:-

اسجدوا لآدم فسجدوا

"آدم کو سجدہ کرو۔ پس انہوں نے سجدہ کیا"۔ اگر آپ کا یہ خیال ہو۔ کہ محض سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرنا توحید کی علامت ہے۔ تو کیا کُتے بلیوں گدھوں۔ آدمیوں کو سجدہ کر لیا جاوے۔ تمہارے قرآن کی تعلیم کیسی لنگڑی اور ادھوری ہے۔ لو ہم بتاتے ہیں سنو۔

अन्धन्तमः प्रविशन्ति येऽसंभूतिमुपासते
ततो भूय इव ते तमो य उ संभूत्यां रताः

"وہ لوگ کیسے پاپی ہیں۔ جو ذرات کو خالق سمجھ کر پوجتے ہیں۔ اِن سے بھی بڑھکر وہ لوگ کیسے پاپی ہیں۔ جو ذرات کی بنی ہوئی مادی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔"

اِس میں تمہارا سورج بھی آگیا۔ چاند بھی آگیا۔ تمہارا بیت اللہ بھی آگیا۔ کالا پتھر بھی آگیا۔ اللہ کا عرش بھی آگیا۔ خود اللہ بھی آگیا۔ کیونکہ وہ بھی جگنو کی طرح درختوں سے لٹکا ہوا بعض اوقات چمک چمک کر مسافروں کو آگ کا دھوکہ دیتا رہتا ہے۔ اور اکثر اوقات اپنے بوجھ سے یا اپنی روشنی سے پہاڑوں کو چکنا چور کرتا رہتا ہے۔ مادی آنکھوں کو جلوہ دکھاتا پھرتا ہے۔ ایسی تمام مادی چیزوں کی پرستش کرنیوالے ہمارے نزدیک پاپی ہیں موحد نہیں ہیں۔ چلئے اور لیجئے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "کیا وید میں ایسی باتیں ہیں۔ کہ دیوی کی پرستش نہ کرو۔ اگر اِن مادیات کی پرستش کی مخالفت ہوتی۔ تو جل پرست وغیرہ کہاں سے پیدا ہوتے۔"

حضور کی ایسی ایسی طفلانہ باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روزہ رکھنے کے باعث آپ کے دماغ میں کچھ خشکی گھر کر گئی ہے۔ کیا بچونگڑوں کی سی بات ہے۔ کہ اگر ویدوں میں اِن مادیات کی مخالفت ہوتی۔ تو جل پرست وغیرہ کہاں سے پیدا ہوتے۔ یہ تو ایسی ہی ابلہانہ دلیل ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے۔ کہ اگر قرآن میں درگاہ پرستی۔ سخی سرور پرستی۔ گگا پیر پرستی قبر پرستی

دانت پرستی۔ بال پرستی۔ داتا گنج پرستی۔ وغیرہ وغیرہ کی مخالفت ہوتی ہی تو مسلمانوں میں بھیروں پرست۔ ہنومان پرست۔ اوٹ پٹانگ پرست کہاں سے پیدا ہوتے۔ حالانکہ راجپوتانہ۔ اودھ۔ آگرہ۔ دکن۔ مدراس وغیرہ علاقہ جات میں اس قسم کے مسلمان بکثرت پائے جاتے ہیں۔ تم اس کا کیا جواب دوگے؟ ویدوں میں ایک پرماتما کی پرستش کی ہدایت ہے ہم جا بجا ویدک منتروں سے دکھاتے آئے ہیں۔ کہ وہ پرماتما کیا ہے۔ اگر آپ حقیقت سے لٹھ بازی کرتے رہیں۔ تو ہمارا کیا قصور!۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "وہ کس کتاب میں ہے۔ ان اللہ لا یغفر . . . الخ اللہ معاف نہیں کرتا۔ کہ اس سے شرک کیا جاوے۔ اور اس کے سوائے جسے چاہے معاف کر دیتا ہے"۔

ایسی بیہودہ باتیں سوائے قرآن یا بائیبل وغیرہ کے اور کس کتاب میں ہو سکتی ہیں۔ کہ اللہ میاں گناہ معاف کر سکتا ہے۔ اگر کر سکتا ہے۔ تو شرک کا گناہ کیا گلے میں اٹک جاتا ہے۔ وہ بھی پار کر دیا کرے۔ آگے جو آپ نے قرآنی آیتیں اللہ کی وحدانیت کے بارے میں پیش کی ہیں۔ انہیں سے کسی قدر ٹھیک اور کسی قدر فضول ہیں۔ جو ٹھیک ہیں۔ اُن کے ساتھ ہمارا اتفاق ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "اگر آریہ میں غیرت ہے۔ تو ہم انہیں بتاتے ہیں۔ کہ ایسی پاک تعلیم شرک کے خلاف ویدمیں سے نکالکر دکھائیں۔"

اگر اللہ میاں نے آپکے دل پہ مہر نہیں لگا دی۔ آنکھوں پر پٹی

نہیں باندھ دی۔ تو لیجئے ہم دکھاتے ہیں:۔

نمبر ۱

हिरण्यगर्भः समवर्तताग्रे भूतस्य जातः
पतिरेक आसीत् ॥ स दाधार पृथिवीं द्या-
मुतेमां कस्मै देवाय हविषा विधेम ॥
यजुः० । अ० १३ ॥ मं० ४ ॥

"ہمیں اُس آنند سروپ پرماتما کی عبادت کرنی چاہیئے۔ جو نورِ کُل ہے۔ تمام نورانی کُروں کو دھارن کئے ہوئے ہے۔ وہ چیتن سروپ وحدہٗ لاشریک لہٗ تھا اور ہے۔ وہی آنند سروپ تاریک اور روشن کُروں یا زمین اور سورج وغیرہ کا آدھار ہے۔"

نمبر ۲

य आत्मदा बलदा यस्य विश्व उपा-
सते प्रशिषं यस्य देवाः यस्य च्छा
याऽमृतं यस्य मृत्युः कस्मै देवाय
हविषा विधेम ॥ यजु० । अ० २५ ॥ मं० १३ ॥

"ہمیں اُس آنند سروپ پرماتما کی عبادت کرنی چاہیئے۔ جو آتمک بل کا دینے والا ہے۔ جسکی عالم لوگ عبادت کرتے ہیں۔ اور جسکی آگیا کے مطابق وِدوان لوگ چلتے ہیں۔ اُس آنند سروپ کی شرن میں آنا نجات اور اُس سے باغی ہونا ہی ہلاکت ہے"

نمبر ۳

यः प्राणतो निमिषतो महित्वैक इ-
न्द्राजा जगतो वभूव। य ईशेऽस्य
द्विपद श्चतुष्पदः कस्मै देवाय हवि-
षाविधेम॥ यजु०। अ० १३। मं ३॥

"ہمیں اُس آنند سروپ پرماتما کی عبادت کرنی چاہئے۔ جو جاندار و بیجان چیزوں کا مالک کُل وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ جو دوپایہ چوپایہ وغیرہ تمام جیوؤں کا پیدا کرنیوالا اور پرورش کُنندہ ہے۔"

نمبر ۴

येन द्यौरुग्रा पृथिवी च दृढा येन
स्वः स्तभितं येन नाकः। यो अन्तरि
क्षे रजसो विमानः कस्मै देवाय ह-
विषा विधेम॥ य०। अ०। ३२। मं ६।

"ہم اُس آنند سروپ پرماتما کی عبادت کریں جو سورج اور زمین کو دھارن کئے ہوئے ہے۔ جو سُکھ سروپ ہے۔ موکش سروپ ہے۔ جو تمام لوک لوکانتروں کو اکاش میں نیم پوروک چلا رہا ہے۔

نمبر ۵

यस्य मे हिमवन्तो महित्वा यस्य

समुद्रं रसया सहाहुः। यस्येमाः प्रदि-
शो यस्य बाहू। कस्मै देवाय हवि-
षा विधेम॥

"ہم اُس آنند سروپ پرماتما کی عبادت کریں۔ جسکی عظمت کا برفانی جا
پہنے ہوئے پہاڑ۔ اور سمندر اور دریا وغیرہ نشان بتا رہے ہیں۔ اور جہات
ست اسکی عظمت کو ظاہر کر رہی ہیں۔"

نمبر ۶

यं क्रन्दसी अवसा तस्तभाने अ
भ्यैक्षेतां मनसा रेजमाने। यत्रा
धि सूर उदितो विभाति कस्मै
देवाय हविषा विधेम॥

"ہم اُس آنند سروپ پرماتما کی عبادت کریں۔ جو سورج اور زمین وغیرہ
کا محافظ ہے۔ جسکی آگیا انوسار یہ تمام کُرے گردش کر رہے ہیں۔ جو سورج
کو روشنی دینے والا ہے۔"

نمبر ۷

आपो ह यद् बृहतीर्विश्वमायन् गर्भं
दधाना जनयन्तीरग्निम्। ततो
देवानां समवर्ततासुरेकः कस्मै दे-

वाय हविषा विधेम॥

"ہم اُس آنند سروپ پرماتما کی پرستش کریں۔ جو ہر ایک چیز کے اندر باہر موجود ہے۔ جو سروویاپک ہے۔ جو جگ کو اتپن کرتا ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک پرماتما دیووالوں یا دیوتاؤں کی جان ہے"

نمبر ۸

यश्चिदापो महिना पर्यपश्यद् द-
क्षं दधाना जनयन्तीर्यज्ञम्। यो दे
वेष्वधि देव एक आसीत कस्मै दे
वाय हविषा विधेम॥

"ہم اُس آنند سروپ پرماتما کی عبادت کریں۔ جو اپنی سروویاپکتا سے تمام کائنات کو دیکھ رہا ہے۔ اور اسکا منتظم ہے۔ وہی گوناگون کائنات کا خالق ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ تمام دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔"

نمبر ۹

मा नो हिंसीज्जनिता यः पृ
थिव्या यो वा दिवं सत्यधर्मा जजान।
यश्चापश्चन्द्रा बृहतीर्जजान कस्मै
देवाय हविषा विधेम॥

"ہم اُس آنند سروپ پرماتما کی عبادت کریں۔ جو ہمارا رکھشک ہے۔ جو

ہمکو سچے دہرم کا اُپدیش کرتا ہے۔ جو اس زمین اور روشن کروں اور تمام عمدہ عمدہ کائنات کا خالق ہے۔"

نمبر ۱۰

प्रजापते न त्वदेतान्यन्यो विश्वा जातानि परिता बभूव। यत्कामास्ते जुहुमस्तन्नोऽअस्तु वयं स्याम पतयो रयीणाम्॥

ऋ॰। मं॰ १०। सू॰ १२१। मं॰ १०॥

"اے اس کائنات کے مالک کل پرماتما آپکے سوائے دوسرا کوئی بھی اس تمام کائنات کا مالک نہیں ہے۔ آپ سرو و یاپک ہیں۔ ہے پرماتمن ہم لوگ جس جس اُتم چیز کی خواہش کریں۔ وہ ہمیں پراپت ہو۔ تاکہ ہم لوگ فارغ البال ہو سکیں"

نمبر ۱۱

नद्वितीयो न तृतीयश्चतुर्थो नाप्यु-च्यते॥ अथ॰। कां॰ १३॥ मं॰ १६

"اس پرماتما کے سوائے نہ کوئی دوسرا پرمیشور ہے۔ نہ تیسرا۔ نہ چوتھا"۔

نمبر ۱۲

नपञ्चमो नषष्ठः सप्तमो नाप्युच्यते

अथ० कां१३। मं१७॥

"اُس پرماتما کے سوائے کوئی پانچواں ۔ چھٹا ۔ ساتواں پرمیشور نہیں ہے۔"

نمبر ۱۳

नाष्टमो न नवमो दशमो नाप्युच्यते॥

अथ।कां १३। मं १८॥

"اُس پرماتما کے سوائے کوئی آٹھواں ۔ نواں ۔ دسواں پرمیشور نہیں ہے"

نمبر ۱۴

तमिदं निगतं सहः स एष एक एक

वृदेक एव॥ अथ।कां१३।मं।१०

"حلیم مطلق پرماتما وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ وہ سرو ویاپک ہے۔ حاضر و ناظر ہے۔ اس کے سوائے کوئی دوسرا پرمیشور نہیں ہے۔"

نمبر ۱۵

सर्वे अस्मिनदेवा एकवृतोभवन्ति॥

अथ।कां०१३। मं११॥

"تمام وشو یا گنج کائنات اُسی ایک وحدہ لاشریک لہ قادر مطلق پرماتما کی قدرت سے قائم ہیں۔"

यो भूतंच भव्यंच सर्वं यश्चाधितिष्ठति।
स्वर्यस्य च केवलं तस्मै ज्येष्ठाय ब्रह्मणे
नमः॥ अथर्व० कां० १०। प्र० २३। अनु० ४
मं० १॥

"وہ پرمیشور جو ماضی - حال و استقبال تینوں زمانوں میں یکساں ہی
جو کال رہت ہے - حاکم کل ہے - منور - غیر متغیر - راحت کل ہے - اس سب سے
عظیم الشان پرماتما کو ہمارا نمسکار ہو -"

نمبر ۱۷

न त्वावां अन्यो दिव्यो न पार्थिवो न जातो
न निष्यते। अश्वायन्तो मघवन्निन्द्र वा
जिनो गव्यन्तस्त्वा हवामहे॥
साम०॥ उ०।१॥१॥

"اے پرماتما! تو ہی ہمارا مالک اور سوامی ہے - تیرے سوائے کوئی دوسرا
ہمارا معبود نہیں ہے - تو سب کا پرکاشک ہے - تو پرکاش سروپ ہے - تو غیر
مجسم - و غیر محسوس ہے - نہ کبھی تو اتپن ہوا - نہ ہوگا - تو تمام کائنات میں سرو
ویاپک ہے - تو تمام طاقتوں کی طاقت ہے - تو ہی ہماری شبھ کامناؤں کو پورن
کر سکتا ہے - ہم سب تیری ہی بھگتی کرتے ہیں -"

نمبر ۱۸

अनेजदेकं मनसो जवीयो नैनद्दे-

वाप्नुवन्पूर्वमर्षत्। तद्धावतोऽ
न्यानत्येति तिष्ठत्तस्मिन्नपो मातरिश्वा-
दधाति ॥ यजु । अ । ४ । मं ४

"پرماتما وحدہٗ لاشریک لہ ہے۔ اچل ہے۔ غیر مدرک ہے۔ حاضر و ناظر ہے۔ اُسکو آنکھ وغیرہ سے دیکھا نہیں جا سکتا۔ وہ قایم بالذات ہے۔ اننت ہے۔ جذبات میں چھپا ہوا انسان من۔ بانی۔ اور حواس سے اسکو جان نہیں سکتا۔ اس وجہ سے پرماتما کی سہترتا میں انترکش میں پرانوں کو دھارن کرنیوالا وایو کی مانند جیو کرم کرتا ہے"

نمبر ۱۹

अन्धन्तमः प्रविशन्ति येऽसंभूतिमु-
पासते। भूय इवते तमो य उ सम्भू-
त्यां रताः ॥ अ० ४०। मं ९॥

"وہ لوگ جو پرمیشور کو چھوڑ کر جڑ پدارتھوں کو اپنا معبود بناتے ہیں وہ پاپی اور گمراہ ہیں۔ جو مٹی۔ آگ۔ ہوا۔ پانی وغیرہ جڑ چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ اور بھی پاپی اور گمراہ ہیں"

ہم کہاں تک بیان کریں۔ ویدوں میں خاک پرستی۔ جل پرستی پتھر پرستی۔ آگ پرستی۔ سمات پرستی۔ خیر الماکرین پرستی۔ وغیرہ وغیرہ تمام لغویات پرستی کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن اگر کوئی عقل کا اندھا ان باتوں کے باوجود بھی وہم پرست۔ سمت پرست۔ ماکر پرست۔ خارج پرست ہے

تو اس کے منہ بھاگ !!

حکیم صاحب فرماتے ہیں ،، کاش وید میں کوئی صاف فقرہ ایسا ایک بھی ہوتا۔ تو اتنی مخلوق ناپاک بُت پرستی میں گرفتار نہ ہوتی۔،،

ویدوں میں ایک چھوڑ بیسیوں منتر بُت پرستی کے کھنڈن میں موجود ہیں۔ مگر جس کے سر پر سلیمان کی انگوٹھی چُرانیوالے دیو کی طرح ضد اور تعصب کا بھوت سوار ہو جاوے۔ اُسکو حقیقت نظر نہیں آسکتی۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں ،، تکذیب والے ...... نافہم نے تکذیب کے صفحہ ۲۱۰ میں پیر پرستی سخی سرور پرستی شمس پرستی کو اسلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہا ہے۔ کہ یا جبرئیل کا وظیفہ کرتے ہیں۔،،

اس میں کیا شک ہے۔ کہ مسلمانوں میں پیر پرست۔ گور پرست بھیروں پرست بستلا پرست پائے جاتے ہیں۔ گو وہ ایسا کام کم فہمی سے کرتے ہوں۔ مگر آپکا ایسے شخص کو جسنے امر واقعہ کا اظہار کیا ہو۔ نافہم کہنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ آپ خود ہی نافہم ہیں۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں ،، کعبہ پرستی کے اتہام پر گزارش ہے۔ کہ اہل اسلام کا کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا کعبہ پرستی ہرگز نہیں ہو سکتی۔،،

اگر کعبہ پرستی نہیں ہے۔ تو سمت پرستی سہی۔ اگر آپ اسکو سمت پرستی خیال نہیں کرتے۔ تو ہماری طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔ ہم ہردوار میں رہتے ہیں۔ یا کلجگی کرشن کی طرف منہ کر لیا کرو۔ مگر آپکی کیا طاقت

کہ ایسا کر سکیں۔ اگر طاقت ہے تو آئیے مرد میدان بنئے۔ کعبہ کی طرف مُنہ کرنا چھوڑ دیئے۔ اور دوسری طرف نماز پڑھئے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "اول اس لئے کہ استقبال کعبہ کے صرف اتنے معنے ہیں کہ کعبہ کی طرف منہ ہو۔ اور بُت پرستی کا حاصل یہ ہے۔ کہ بُت معبود ہوں۔"

بُت پرستی کا حاصل یہ ہے کہ گناہ معاف ہوں۔ کعبہ کے طواف کا حاصل یہی ہے۔ کہ گناہ معاف ہوں شیولنگ پر ہاتھ پھیرنے کا حاصل یہ ہے کہ ثواب ملے۔ سنگ اسود کو چومنے یا چھونے کا حاصل یہ ہے کہ گناہ معاف ہوں۔ اگر استقبال کعبہ کا یہی مطلب ہے۔ جو آپنے بیان کیا ہے۔ تو کیوں نہیں شمال کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھتے۔ کعبہ میں کیا خصوصیت ہے۔ ہاں صاحب! یہی تو اللہ میاں کا گھر ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "نماز میں کعبہ کی طرف منہ ہونا چاہئیے اس امر کی نیت بھی شرط نہیں کہ کعبہ کی طرف منہ ہو۔ چہ جاکہ کعبہ کی عبادت کی نیت ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت ضرور ہے۔"

آج کل کے بُت پرستوں کا آپکی طرح یہی دعویٰ ہے کہ وہ پتھر کو نیتاً نہیں پوجتے ہیں۔ نہ ہی پتھر کو پرمیشور خیال کرتے ہیں۔ وہ بزعم خود پوجا تو پرمیشور کی ہی کرتے ہیں۔ مگر اہل قرآن کی طرح کسی خاص چیز کو مدنظر رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ لوگ کعبہ کی طرف مُنہ کرتے ہیں وہ کسی اور چیز کی طرف فرق کیا ہوا؟ اگر آپ کعبہ پرست نہیں ہیں۔ تو وہ بھی مندر پرست نہیں ہیں۔ اگر وہ بُت پرست ہیں۔ تو آپ بھی کعبہ پرست

ہوئے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "ابتدا نماز سے نماز کے آخر تک اسلامی نماز میں تعظیم کعبہ کا کوئی تلفظ نہیں۔"

اگر تعظیم کعبہ کا کوئی لفظ نماز میں نہیں ہے۔ تو مندر یا شوالہ کی تعظیم کا بھی کوئی لفظ آج کل کے بُت پرستوں کی پوجا میں نہیں ہوتا۔ فرق کیا ہوا۔ ہاں اگر آپ یہ کہیں کہ وہ گنیش جی شوجی وغیرہ کے نام لیتے ہیں۔ تو آپ لوگ محمد صاحب اور ابراہیم کے نام لیتے ہو۔ اگر تمہاری نماز مردم پرستی نہیں ہے۔ تو ہندوؤں کی پوجا کیوں بُت پرستی ہوئی۔؟ جیسے تم۔ ویسے وہ۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "چہارم کعبہ کی دیواروں کا نمازی کے مقابل ہونا بالکل شرط نہیں۔"

تو آج کل کے بُت پرست کب کہتے ہیں۔ کہ مندر کی دیواروں کا پوجاری کے سامنے ہونا ضروری شرط ہے۔؟

حکیم صاحب فرماتے ہیں "خانہ کعبہ کو اسلام والے بیت اللہ کہتے ہیں۔ اور بالکل ظاہر ہے۔ کہ کوئی شخص کسی مکان کو جاتا ہے۔ تو اسکا مطلب مکان والا ہوا کرتا ہے۔"

شوجی کے پوجاری شوخانہ کو شوالہ کہتے ہیں۔ اور بالکل ظاہر ہے کہ شوجی کے پوجاری اگر شوالہ میں جاتے ہیں تو اُن کا مطلب شوجی ہوتا ہے۔ نہ کہ شوالہ۔ اگر اللہ کا گھر ہو سکتا ہے۔ تو شوجی کا گھر کیوں نہ ہو؟ بتاؤ۔ فرق کیا ہوا؟

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "بُت پرست بُتوں کو خدا نہیں جانتے

بلکہ جن کے بُت ہوا کرتے ہیں۔ اُن کا مظہر جانتے ہیں،،

یہ تو ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ بزعم خود پتھر وں کی پوجا نہیں کرتے بلکہ کسی اور کی پوجا کرتے ہیں۔ اِس طرح آپ لوگوں کا حال ہے۔ مانا کہ آپ کعبہ پرست نہیں۔ مگر کعبہ کو چھوڑ بھی نہیں سکتے ہو۔ اگر چھوڑ سکتے ہو۔ تو چھوڑ کر دکھاؤ۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں ،، مستحق عبادت اسلام کے نزدیک صرف وہ ہے۔ جو خود بخود موجود کل کے نفع وضرر کا مالک مختار ہو،،

اگر بغیر اعمال کے وہ لوگوں کو نفع وضرر دینے کا مختار ہے تو وہ ظالم ہے۔ اسکی پوجا کرنی پاپ ہے۔ اگر اعمال کے مطابق ونفع وضرر دیتا ہے۔ تو آپکی تحریر غلط ہے۔ دماغ کا تنقیہ کرائیے۔ اور سوچکر لکھئیے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں ،، حکم میں حاکم کو اختیار ہوتا ہے۔ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے حکم کرے۔ محکوم کی مرضی کو اِس میں دخل نہیں۔ محکوم کا فرض ہے۔ کہ حاکم کا حکم سنکر اُس میں چون وچرا نہ کرے۔،،

اگر حاکم پاگل ہے۔ تو اُس کا حکم ماننا پاگلوں کا کام ہے۔ اگر حاکم ظالم ہے۔ تو اُسکی تابعداری کرنا پاپ ہے۔ اگر حاکم لایعنی حکم دیتا ہے تو اُس کا حکم ماننا مومنوں کا کام ہے۔ حاکم کے فضول حکم پر چون وچرا کرنی چاہئے۔ اور عقل سے کام لینا چاہئے۔ نہ کہ مسلمانوں کی طرح مومن بنجانا چاہئے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ اگر وہ حکم ایسے علم واعتقاد پر مبنی ہو۔ جو خلاف واقعہ ہے۔ تو پھر اسکو بڑا ناقل اغواء شیطانی سمجھو

نہ ارشادِ ربانی۔"

جب آپکے نزدیک حاکم کے حکم پر محکوم کو چون وچرا کرنے کا مجال ہی نہیں ہے۔ تو وہ اس حکم کو نیک و بد کیونکر کہہ سکتا ہے۔ نیک و بد تو وہ جب ہی کہیگا۔ جب اُسکو چون وچرا کرنے کا موقعہ دیا گیا ہو۔ مومن ہوکر چون وچرا کرنا چہ معنی۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "استقبال کعبہ میں حکم الٰہی کی تعمیل لازم ہے۔ اس لئے کہ اس حکم کا مدار کسی اعتقاد خلاف واقعہ امر پر نہیں۔ بلکہ کسی واقعی اعتقاد کی بھی ضرورت نہیں۔ فقط حکم کی ضرورت ہے۔"

اس بات کا کیا ثبوت۔ کہ استقبال کعبہ خلاف واقعہ امر پر نہیں ہے ہم کہتے ہیں۔ یہ کعبہ پرستی ہے۔ کیونکہ اگر کعبہ پرستی نہیں ہے۔ تو آپ مشرق کی طرف مُنہ کرکے نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ شمال کی طرف مُنہ کیوں نہیں کرتے۔ کیا ان جانبوں میں اللہ نہیں ہے۔ پھر اگر اللہ مغرب میں بھی ہے۔ اور مشرق میں بھی۔ شمال میں بھی ہے۔ اور جنوب میں بھی تو اس کے لئے ایک خاص جگہ گھر بنا دینا اور اس گھر کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنا صریحاً سمت پرستی ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "اگر اسلام میں استقبال کعبہ میں کعبہ پرستی ہوتی۔ تو بے ریب مثل بُت پرستی کے یہاں بھی اس اعتقاد کی ضرورت ہوتی۔ کہ کعبہ عبادت کا مستحق ہے۔ مگر اسلام میں کعبہ کا مطلب اتنا ہے کہ خدا کی عبادت اسطرف کرو۔"

کیوں جی - اس طرف کیوں کریں - شمال کی طرف کیوں نہیں کرتے؟ وجہ بتاؤ - کہ اللہ کیوں تاکید کر رہا ہے - کہ اینما کنتم فولوا ... الخ جہاں تم ہو - کعبہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھو؟ کیا کعبہ کے اندر اللہ بیٹھا ہے - یا اس کے رسول کی ولادت گاہ ہے؟

حکیم صاحب فرماتے ہیں "جسم کے لئے چونکہ جہت لازمی تھی - اسکے لئے جہت تجویز ہوئی -"

جسم کے لئے جہت لازمی ہے - نہ کہ آتما کے لئے؟ اللہ کی عبادت آتما کرتا ہے - نہ کہ جسم؟ مگر تمہاری بات سے یہی ظاہر ہوتا ہے - کہ جسم کی حرکات کا نام ہی گویا عبادت ہے - ورنہ آتما کے لئے جہت کی ضرورت نہیں کسی طرف بھی منہ کر کے بیٹھ جاؤ - پرمیشور ہر طرف موجود ہے - آتما ہر طرف اس کا دھیان کر سکتا ہے - اگر اللہ نے عبادت کے لئے جہت مقرر کرنی تھی - تو جنوب کی طرف کرتا - مگر نہیں - اسکو تو یہودیوں کی مخالفت اور عربوں کی مطابقت ضروری تھی - یہودی بیت المقدس کی طرف مُنہ کرتے ہیں - تو تم بیت اللہ کی طرف مُنہ کرو - یہ عجیب ضد ہے -

حکیم صاحب فرماتے ہیں "ہاں پورب کو مُنہ کر کے عبادت کرنا سورج پرستی معلوم ہوتی ہے -"

جو لوگ یہ کہتے ہیں - کہ ضرور سورج کی طرف منہ کر کے ہی عبادت کرنی لازمی ہے - اگر ایسا نہ کیا جاوے - تو گناہ ہے - تو وہ آپ کے ہی بھائی کہے جائینگے - ہم تو یہ مانتے ہیں کہ جدھر جی چاہے منہ کر کے بیٹھ جاؤ - اور پرماتما کی عبادت کر لو - پرماتما چھ سمت میں موجود ہے -

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ " اور ہوم کیوقت آگ کی طرف منہ کرکے اہوتی دیتے ہیں۔ جو آگ پرستی ہے۔ "

اتنے بڑے عالم اور ایسے بیہودہ اعتراض۔ آپ کھانا کھاتے وقت دستر خوان کی طرف منہ کرتے ہیں۔ تو یہ دستر خواں پرستی ہوئی۔ قرآن پڑھتے وقت کاغذ کی طرف منہ کرتے ہیں یہ قرآن پرستی ہوئی۔ بیوی سے بات کرتے وقت اُسکی طرف منہ کرتے ہوں گے۔ تو یہ عورت پرستی ہوئی۔ پیشاب کرتے وقت پیشاب کی طرف منہ کرتے ہیں۔ یہ پیشاب پرستی ہوئی۔ قادیاں کو آتے وقت قادیاں کی طرف منہ کرتے ہیں۔ یہ قادیاں پرستی ہوئی۔ کتے کو مارتے وقت کتے کی طرف منہ کرتے ہیں یہ سگ پرستی ہوئی۔ بھینس کا دودھ دوہتے وقت بھینس کے تھنوں کی طرف منہ کرتے ہیں۔ یہ بھینس کا تھن پرستی ہوئی۔ گوبر اٹھاتے وقت گوبر کی طرف منہ ہوتا ہے۔ یہ گوبر پرستی ہوئی۔ روٹی پکاتے وقت چولہے کی طرف منہ ہوتا ہے۔ یہ چولہا پرستی ہوئی۔ چکی پیستے وقت چکی کی طرف منہ ہوتا ہے۔ یہ چکی پرستی ہوئی۔ حضور! ان باتوں کو کعبہ پرستی سے تعلق ہی کیا؟ اگر آپ یا کوئی اور آگ کی طرف پیٹھ کرکے ہوم کر سکتا ہے تو کرے۔ اگر بھینس کے تھنوں کی طرف پیٹھ کرکے دودھ دوہ سکتا ہے تو بیشک دوہے۔ اگر چولہے کی طرف پیٹھ کرکے روٹی پکا سکتا ہے تو بیشک پکائے۔ اگر دستر خوان کیطرف پیٹھ کرکے کھانا کھا سکتا ہے۔ تو بیشک کھالے۔ اس میں ہاں پیش ہے بشرطیکہ وہ ایسا ٹیڑھا کام کر سکے تو کون روکتا ہے۔ مگر مغرب سے مشرق کی طرف منہ موڑ کر اتفاق سے ٹھیک کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ نہ ہی اس میں کسی قسم کی کوئی تکلیف ہے۔ ہاں البتہ اس صورت میں بحر احمد کے گھر کی

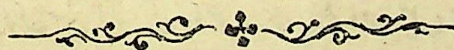
طرف پیٹھ ہو جانیکا اندیشہ ہے۔ اس سے شاید اللہ خفا ہو جاوے۔ خیر آپ جانیں۔ آپ کا اللہ جانے۔ ہمنے سرسری ریمارک کر دیا ہے۔ ورنہ ہماری اعتراض سے اسکو چنداں تعلق نہیں تھا۔

حکیمصاحب فرماتے ہیں "علم اگر معلوم کا تابع ہے۔ تو حکم محکوم کا تابع نہیں۔ حکم ہمیشہ حاکم کا تابع ہوا کرتا ہے۔ جیسا معلوم ہوتا ہے ویسا ہی سچا علم ہوا کرتا ہے۔"

علم معلوم کا تابع ہے۔ یہ بہت سچ فرمایا۔ جیسا معلوم ہوتا ہے۔ ویسا ہی سچا علم ہوتا ہے۔ یہ بھی سچ کہا ہے۔ اگر معلوم نہ ہو۔ تو علم بھی نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اللہ میاں بڑا جاہل مورکھ۔ اور بے علم ہوگا کیونکہ جب چاروں طرف نیستی ہی نیستی تھی۔ تو اس کا علم بھی نیست تھا۔ جب معلوم ہو گیا تو وہ بھی عالم بنگیا۔ اگر کہو۔ کہ اللہ میاں مورکھ نہیں تھا۔ بلکہ اسے علم تھا۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ معلوم کی ہستی اس کے علم کے ساتھ موجود تھی۔ اس صورت میں نیستی سے ہستی ماننا دیوانہ پن ہے۔ غرضیکہ جہاں سے تم لوگ نیستی مانوگے۔ اس سے پہلے وقت میں اللہ میاں کی مورکھتا ثابت ہوگی۔ ایسے اللہ میاں کو ترک کر دینا ہر ایک عقلمند کا فرض ہے قابل پرستش وہی آنند سروپ ہے۔ جو اننت اور انادی ہے۔ جو ازل سے جیو اور پرکرتی کا مالک کُل چلا آتا ہے۔ یہ نہیں ہے۔ کہ وہ کسی وقت میں نیستی کا مارا ہو۔ یا مکھیاں مارتا ہو۔ نیستی کا مارا مکھیاں بھی نہیں مار سکتا کیونکہ اس کے پاس سوائے نیستی کے مکھی تک بھی نہیں ہو سکتی۔ پرماتما اس کائنات کا سوامی ہے۔ جڑ اور چیتن کا مالک ہے۔ حیوان و انسان

کا پیدا کنندہ ہے۔ وہی سبکی پالنا کرتا ہے۔ ایسے عظیم الشان ازل سے مادہ اور جیو پر حکمرانی کرنیوالے مہاراجہ ادھیراج کی ہی عبادت کرنی چاہیے کسی انسان یا محدود دیوتا یا بناوٹی اور فرضی الٰہ کے سامنے ٹُنڈے لیٹے ہونا۔ ناک رگڑنا۔ گھٹنے ٹیکنا بیجا حرکات ہیں۔ جب وہ ہے ہی سرو دیا پک تو اس کے لئے کسی خاص مُلک یا بر اعظم میں بیت اللہ، یا خانہ خدا بناکر اسکو پوجنا نادانی ہے۔ نہ ہی یہ مناسب ہے۔ کہ انسان ایسے پرماتما کو چھوڑ کر پہاڑ درختوں۔ ہواؤں وغیرہ کو پوجتا پھرے۔ یہ تمام چیزیں اُسی مہان ایشور کے تابع ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ جو اس ایشوریہ گیان پر عمل کرتے ہیں کہ:-

यः प्राणतो निमिषतो महित्वैक
इद्राजा जगतो बभूव। य ईशेऽ अ
स्य द्विपद श्चतुष्पदः कस्मै देवा-
य हविषा विधेम॥



ओ३म्

तमिदं निगतं सहः स एष एक एकवृदेक एव ॥ अथर्व० कां० १३ ॥ अनु० ४ ॥ मं० २० ॥

یہ طاقت اسی پرماتما میں ہے۔ وہ واحد لاشریک ہے۔ وہ سرو ویاپک ہے۔ وہ حاضر و ناظر ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا پرمیشور نہیں ہے

آٹھویں فصل

اعتراض ۱۹

قہر نادری

سورج بذات خود روشن ہے۔ چاند بذات خود تاریک ہے۔ چاند جس قدر سورج کے سامنے آتا ہے۔ اتنا ہی وہ روشن ہو جاتا ہے۔ جتنا وہ تاریک زمین کے پیچھے چھپتا ہے۔ اتنا ہی تاریکی میں مبتلا رہتا ہے۔ روشن ہو کر وہ تاریک زمین کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ مگر سورج سے اوجھل ہو کر نہ وہ خود روشن رہتا ہے۔ نہ زمین کو روشنی دے سکتا ہے۔ چاند تاریک۔ زمین تاریک۔ سورج پس پشت۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اماوس کا اندھیرا چھا جاتا ہے ہاتھ پسارا نظر نہیں آتا۔ یہ باہر کا نظارا ہے۔ سورج باہر کی روشنی دیکھتا ہے باہر کی تاریک چیزوں کو روشن کر سکتا ہے۔ مگر آتما کو روشن نہیں کر سکتا۔

آتما کی روشنی آتمک سورج سے ملسکتی ہے۔ آتما چاند ہے۔ اُسکی ذاتی روشنی یا سوبھ گیان اسکی تاریکی کو دُور نہیں کرسکتا۔ یہ بذاتہٖ تاریک ہے۔ پرماتما آتما کا سورج ہے۔ بذات خود روشن ہے۔ آتما چاند کیطرح جسقدر پرماتما کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اُسی قدر روشن ہو جاتا ہے۔ جسقدر مادیات کی اوٹ میں چھپتا پھرتا ہے۔ اسیقدر تاریک ہوتا جاتا ہے۔ اگر چاند کی روشنی سے پودے نشوونما پاسکتے ہیں۔ زمین کی قوت بالیدگی بڑھ سکتی ہے۔ اور زمین پرانی ماتر کے لیئے آرام دہ ثابت ہوسکتی ہے۔ تو مہان سورج سے روشن آتما انسانوں۔ حیوانوں وغیرہ کے لیئے کیونکر آرام دہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں وہ آرام دہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس تاریکی میں بھٹکنے والے انسان دُنیا میں دُکھ پھیلانے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ چاند زمین کے لیئے تاریک رہکر بھی زمین سے ٹکراتا نہیں پھرتا۔ مگر خرمست انسان دولتیاں چلاتا ہے۔ اپنی ٹانگیں تڑواتا ہے۔ دوسروں کا مُنہ توڑتا ہے وہ یہ خیال کرسکتا ہے۔ کہ اُسکی اندھیرے میں چھوڑی ہوئی گولی کسی کے نہیں لگیگی۔ مگر اس کے اس زعم فاسد کا کیا علاج! جبکہ سینکڑوں انسانوں اور حیوانوں کے سینوں کو اُس نے چاند ماری بنا رکھا ہو۔ اُسکے سر پر تاریکی کا بھوت سوار ہے۔ اور وہ باولے کُتے کی طرح سبکو کاٹتا یا مست ہاتھی کی طرح سبکو روندتا چلا جاتا ہے۔ اُس کے اندر جذبات فاسد کا بیگزین جمع ہوتا رہتا ہے۔ باہر سے وہ بھیجے آئی کے پہاڑ کی طرح ہنس مکھ نظر آسکتا ہے۔ مگر خواہشات رذیلہ کی آگ آتش فشاں پہاڑ کی طرح اُسکے اندر سُلگ رہی ہے۔ موقعہ آیا۔ وہ بھڑکی۔ اب وہ ہنس مکھ نہیں ہے۔ پہاڑ کا مُنہ کھلگیا۔ پہاڑ نشین آگ اور لاوے کی لپیٹ میں آگئے۔ آہ وزاری کا بازار گرم ہوگیا۔ انسان تباہ

ہو گئے۔ حیوان مارے گئے۔ سبزی برباد ہو گئی۔ اس بھونچال نے چند گھنٹوں کے اندر انسانی لِزبن کو خاک سیاہ کر دیا۔ کیوں؟ اسلئے کہ وہ جذبات بد کو اپنی عبلی کمزوری کی وجہ سے بھڑکنے سے نہیں روک سکا۔ دُنیا کی تواریخ پر نظر مارنے سے پتہ لگتا ہے۔ کہ ایسے ایسے انسانوں نے کتنا اتیاچار کیا ہے۔ چنگیز خاں۔ ہلاکو تیمور وغیرہ کے قہر کی آگ نے سینکڑوں۔ ہزاروں۔ لاکھوں جانوں کو بھسم کر دیا۔ پرانے شہروں کے کھنڈرات گواہی دیتے ہیں۔ کہ وہ کسی نہ کسی وقت ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ سے تباہ کئے گئے ہونگے۔ لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ دلی دور ہے مگر نادر شاہی قہر کی گواہی دینے کے لئے دلی دور نہیں ہے۔ قہر نادری کی بھٹی میں سے **بزن** کا خوفناک کلمہ شعلہ زن ہوا۔ ہزاروں زن و مرد گاجر مولی کی طرح کاٹ گھروں کے گھر جلا آگ لگا ہنگامہ محشر برپا کر دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ کمزور انسان چند ایک سپاہیوں کے مارے جانے پر جوش میں آگیا۔ جب تک اس موذی آگ پر ہزاروں جانوں کا خون نہ چھڑکا گیا تب تک اُس کا عابد خشم مجسم ہو کر اپنے معبود کے گھر میں شمشیر بکف بیٹھا رہا آخر خونخواری کا مادہ دب گیا۔ اسی بھٹی میں سے **مزن** کی آواز آئی۔ خونریزی بند ہو گئی۔ کھو کھلے آدمی اس زن اور مزن کی فرمانبردار فوج کی تعریف کر سکتے ہیں۔ مگر محب الانسان خونریزی کو چشم حقارت سے ہی دیکھیں گے۔ غرض اس قسم کی بربادی بخش کارروائیاں آئے دن جذبات رذیلہ کے ہاتھوں میں بکے ہوئے انسانوں سے سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ راجپوتانہ کے بہت سے قلعے۔ دکن کے بہت سے کھنڈرات زبان حال سے پکار رہے

ہیں۔ کہ کسی وقت کسی مغلوب الشہوت نے جذبات فاسدہ سے متحرک
ہوکر زن۔ زر۔ زمین کی خاطر ان قطعات پر جانداروں کا خون کیا ہوگا۔
آہ! انسانی جذبات کیسے خوفناک! مغلوب الشہوت، مغلوب الغضب انسان
کیسا موذی جانور! غضب کا دریا ہے۔ جو غضب کی دلدل میں پہنچکر ہوش و
حواس کھوکر درندگی شروع کردے۔ غضب یا غصہ نہایت ہی بری چیز ہے
غصہ تاریک بادل ہے۔ جو عقل کی روشنی پر چھا جاتا ہے۔ غضیل آدمی عموماً کم
عقل ہوتے ہیں۔ وہ حالت غضب میں جو کام کرتے ہیں۔ مورکھتا کا ہی
کرتے ہیں۔ نہ اس سے انکا اپنا بھلا نہ دوسروں کا فائدہ۔ خود جلتے رہتے ہیں
دوسروں کو جلاتے رہتے ہیں۔ کوئی انکی لایعنی بات کی مخالفت کرے۔ تو
وہ کپڑوں سے باہر ہوجاتے ہیں۔ ان کو کسی کی طرف سے رتی بھر دکھ پہنچتا ہے
تو وہ اس کے مقابلے میں من بھر نقصان کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ یہ لباس
میں پہنے ہوئے مغلوب الغضب انسانوں کا شیوہ ہے۔ سچ پوچھو تو مغلوب الغضب
آدمی انسان نہیں ہے۔ وہ انسانیت سے گرا ہوا ہے۔ لوگ اسکو بادشاہ کہیں۔ امیر کہیں
دولت مند سمجھیں۔ دیوتا کہیں۔ اللہ میاں پکاریں۔ کالی دیوی کے نام سے
بلائیں۔ کچھ ہی کہیں۔ مگر جب تک کہ وہ مغلوب الغضب ہے۔ وہ قابل تعریف
نہیں ہے۔ وہ نادان بالک کیا خراب ہے۔ جو دوسرے بچوں کو پیٹ کر گھر
بھاگ جاوے۔ جب مظلوم بچے روتے دھوتے انکی ماں کے پاس شکایت کریں
اور ماں اس بچے سے پوچھے کہ تو نے ان کو کیوں مارا۔ تو وہ بجائے اسکے کہ اپنا قصور
مانے۔ جنت اللہ میاں کی طرح کہنے لگے کہ:۔

فلما اسفونا انتقمنا منهم۔ (آیت ۵۵۔ زخرف)

"اُنھوں نے ہمیں غصہ دلایا۔ تو ہم نے اُنسے بدلہ لے لیا"۔
آہ! ایسی نادان چھوکرے کی حالت کیسی خطرناک ہے۔ جب وہ اتنی چھوٹی سی عمر میں اپنے ہمجولیوں کی سیدھی سادی بات کو نہیں سہار سکتا۔ بلکہ جھٹ تھپڑ نادی سے مجرہ کی اُٹھاتا ہے۔ تو وہ بڑا ہوکر کیا خاک برداشت کرے گا۔ اگر اسکی ماں عقلمند ہو۔ تو گودی میں لگانے کی بجائے اُسکے اُلٹے کان پکڑوا کر دو چار رسید کرے۔ تاکہ وہ آئندہ مارپیٹ سے باز آئے۔ ورنہ ممکن ہے کہ وہ کسی دن بڑے بڑے جرم کرنے لگ جاوے۔ آج تو لڑکوں سے دل لگی کی۔ بڑا ہوکر فرض کرو۔ وہ تختہ جہاز پر نوکر ہو جاوے۔ وہاں ملاحوں سے بگڑ جائے۔ تو ان بیچاروں کو ہی اٹھاکر سمندر میں پھینکدے۔ اور پھر کہدے کہ:-

فاغرقنھم اجمعین (پ ۲۵ - زخرف)

"ہم نے اُن سب کو غرق کر دیا"۔ یا آج کل کے بعض چالبازوں کی طرح دُنیا کو دھوکہ دینے کے لئے پیغمبر بن بیٹھے۔ اور حضرت نوح کی طرح کہتا پھرے:-

یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم (پ - اعراف)

"اے لوگو اللہ میاں کی پرستش کرو۔ اسکے سوائے کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر بڑے دن کا عذاب نہ گر پڑے"۔
اسکی قوم آگے سے کہہ بیٹھے:-

انا لنرٰک فی ضلٰل مبین (پ - اعراف)

"ہم تو تجھے دیکھتے ہیں۔ کہ تو بڑا بہکا ہوا ہے"۔ وہ آگے سے پیغمبری کا دعوٰی کر بیٹھے۔ کہ:-

اِنی رسولٌ من ربِّ العلمین

"میں تو اللہ میاں کا رسول ہوں" قوم بول اُٹھے۔ ارے میاں! تیرے جیسے بہتیرے دیکھے بھالے۔ چل آگے سے ہٹ جا۔ اگر اللہ میاں کو اپنا پیغمبر بھیجنا تھا۔ تو چاہیے تھا کہ وہ

لانزل ملٰئکۃً (پ ۱۸۔ مومنون)

"کسی فرشتے کو ارسال کرتا"

اجی صاحب دیکھنا تو ذرا! یہ الہامی صاحب تو

ان ھو الّا رجلٌ بہٖ جنّۃٌ (پ ۱۸۔ مومنون)

"کچھ پاگل اور مجنون سا آدمی ہے"۔ اسپر اس کرودھی کو کرودھ آجاوے اور ہائے دہائی کرنے لگجاوے۔ کہ :-

ربِّ انصرنی بما کذّبون (پ ۱۸۔ مومنون)

"یا اللہ میری مدد کر۔ یہ لوگ مجھے جھوٹا کہتے ہیں" اس کے اس واویلا کو سُنکر اس کا اللہ میاں اسکی مدد کو دوڑے۔ کہ دیکھ گھبرا مت۔ ایک بات کر وہ یہ کہ :-

ان اصنع الفلک (پ ۱۸۔ مومنون)

"تو ایک کشتی بنالے"۔ اگر اپنے اللہ میاں کی اس دستگیری کو دیکھ کر وہ حیران ہو کر پوچھنے لگے۔ کہ یا اللہ میں کشتی بناؤں۔ کس طرح بناؤں۔ مجھے بنانی نہیں آتی۔ تو اللہ میاں جھٹ کہہ دے کہ :-

ان اصنع الفلک باعیننا و وحینا

(پ ۱۸۔ مومنون)

"تُو ہماری مدد اور ہمارے کہنے کے مطابق کشتی بنا" اللہ میاں کی مدد اور تجویز کے مطابق کشتی بنجاوے۔ تو اسکا اللہ میاں دوسرا پروانہ بھیجدے۔ کہ:۔

فاذا جاء امرنا وفار التنور فاسلک فیہا
من کل زوجین اثنین واہلک الا من
سبق علیہ القول منہم۔

"جب ہمارا حکم آوے۔ اور تنور اُبل پڑے۔ تو کشتی میں ہر ایک چیز کا جوڑا جوڑا رکھ لینا۔ اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لینا۔ مگر (ان کو نہ سوار کرنا) جنکی قسمت میں پہلے سے ہی لکھا جا چکا ہے کہ وہ غرق ہونگے۔"

جب یہ سب کچھ کر چکے۔ تو اسکا اللہ اسکو کہے کہ نہ آگا تاک نہ چھپا جھانک۔ نہ بول نہ چال چپ کر کے کشتی میں بیٹھ جانا۔ اور ہرگز ہرگز:۔

ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا (پ ۱۸ مومنون)
"میرے ساتھ اِن ظالموں کا تذکرہ نہ کرنا کیونکہ یہ سب لوگ اب ضرور بالضرور:۔

انہم مغرقون
"غرق ہی کرد یئے جاویں گے"

آہ! ایسا کرو دھی انسان کیسا گرا ہوا ہے! اس سے بھی بڑھکر وہ کرودھی اللہ میاں ہے۔ جو اپنے کرودہ کا خود ہی اقرار کرتا ہے کہ:۔

من یحلل علیہ غضبی فقد ھویٰ

(پ ۱۶ - طٰہٰ)

"پھر غصہ (کرودھ) جس پر پڑا۔ وہی پٹکا گیا" بجلے آپ [illegible] اللہ کے کرودھ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

ام اردتم ان یحل علیکم غضب

من ربکم (پ ۱۶ - طٰہٰ)

"کیا تم نے یہ چاہا۔ کہ تمہارے اللہ میاں کا غضب (کرودھ) تم پر نازل ہو" کیا میں تمکو بتاؤں کہ:-

من لعنہ اللہ وغضب علیہ وجعل

منھم القردۃ والخنازیر (پ ۶ - مائدہ)

"اللہ نے کن پر اپنی لعنت کی اور کن پر وہ غضبناک ہوا۔ اُن میں سے کتنوں کو بندر اور سؤر بنا دیا ہے۔ پس ایسے اللہ میاں کے ہاتھ سے لوگ کیونکر بچ سکتے تھے۔ جو اس کے سامنے ناک رگڑ بیٹھے وہ تو بچ گئے۔ باقیوں کے لئے کہہ دیا کہ:-

ثم اغرقنا بعد الباقین (پ ۱۹ - شعرا)

"پھر ہم نے باقیوں کو ڈبو دیا" کیوں ڈبو دیا؟ اسلئے کہ لوگ اللہ میاں کے رسول کا حکم نہیں مانتے تھے۔ اس بے حکمی پر تنور اُبل پڑا۔ اور طوفان نوح برپا ہوا جس میں اللہ میاں کے بندوں کے سوائے باقی تمام درند۔ پرند۔ چرند۔ انسان تباہ ہو گئے۔ اللہ میاں کے اس قہرناکی کو دیکھ کر ہم نے طوفان نوح کے متعلق ترک اسلام

میں اُنیسواں اعتراض کیا تھا۔ ہمارے اِس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "اِس بیان میں تو آپ نے کمال ناواقفی قرآن سے بتلائی ہے۔ پیارے دھرم پال دھرم سے کہنا۔ کہ قرآن کی کِس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ طوفانِ نوح تمام دُنیا پر آیا تھا جس میں بے گناہ لوگ بھی تھے۔"

ہم بڑے خوش ہوتے۔ اگر قرآن کی عبارت سے یہ معلوم ہو جاتا کہ طوفان نوح تمام دُنیا پر نہیں آیا تھا۔ اور ہم اپنا اعتراض فوراً واپس لے لیتے۔ مگر اللہ میاں کا کچا چٹھا بتا رہا ہے۔ کہ سوائے اللہ کے چند ایک بھگتوں کے باقی سب غرقاب ہو گئے۔ اگر آپ قرآن سے واقف ہوتے تو فوراً اِس بات کو سمجھ جاتے۔ خیر اب ہم سمجھا دیں گے۔ صبر کیجیے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "بابو صاحب! جھوٹھ بولنا ہر مذہب میں بُرا ہے۔ خصوصاً قرآن شریف میں تو اِس فعل بد پر لعنت آئی ہے۔"

جھوٹ بولنا بُرا ہے۔ مگر اللہ میاں اسکی بُرائی بھلائی سے مستثنےٰ معلوم ہوتا ہے۔ ہم پیچھے کسی اعتراض میں اللہ کے جھوٹھ بولنے اور اس کے بھگتوں کے جھوٹھ بولنے کا ذکر کر آئے ہیں۔ اگر جھوٹوں پر لعنت آئی ہے۔ تو اللہ میاں ملعون ہوا۔ اُسنے یوسف سے جھوٹھ بلوایا۔ حضرت ابراہیم۔ اسحٰق۔ اسمٰعیل۔ یعقوب۔ حضرت یوسف وغیرہ وغیرہ تمام پیغمبر ملعون کیوں نہ ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے وقتاً فوقتاً جھوٹھ بولا ہے۔ ہم نے تو مطلق جھوٹ نہیں بولا۔ حضور تو ٹھہرا

کیوں رہے ہیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "ہمیں یقین ہے۔ کہ آپ اس میں ہرگز کامیاب نہ ہونگے۔ چاہے سوامی دیانند جی کی روح بھی آپ میں آ گھسے۔"

سوامی جی مہاراج کی روح تو ہم میں نہیں گھس سکتی۔ کیونکہ پرماتما کا ایسا قانون ہی نہیں ہے۔ ہاں آپکے اللہ میاں کا قانون ایسا ضرور ہے کہ مسلمانوں کے سر پر جن بھوت سوار ہو جائیں۔ یا اُن کے دلوں میں شیطان گھس جائیں۔ اگر اعتبار نہ ہو۔ تو گواہی لے لو۔ اللہ میاں حکم دیتا ہے۔ کہ:-

قل اعوذ برب الناس ملک الناس

الہ الناس (پ ۳۰)

"تو کہہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو انسانوں کا مالک ہے۔ اور اُن کا اللہ ہے۔"

ارے لالہ! تو کس کے برخلاف پناہ مانگتا ہے۔ تجھے کون دِق کر رہا ہے۔ حضور!

مِن شرّ الوسواس الخناس (پ ۳۰۔ ناس)

"چھپ رہنے والے شیطان کے وسوسہ سے پناہ مانگتا ہوں"

کیوں میاں! وہ کیا کیا کرتا ہے؟ اجی جناب چپ رہیے کہیں مردود پاس کھڑا سُن بھی نہ رہا ہو۔ اجی کرتا کیا ہے۔ ! یہ کرتا ہے کہ:- یوسوس فی صدور الناس (پ ۳۰۔ ناس)

"لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا پھرتا ہے۔"

لاحول ولا شیطان! دلوں میں گھسکر وسوسہ ڈالنا ہی جناب شیطان ہی نہیں۔ بلکہ:۔

من الجنۃ والناس (پ ۳۰۔ ناس)

"از قسم جن اور آدمی بھی"

ہاں ہاں۔ جن تو سر پر سوار ہوگیا۔ آدمی کیسے ہوتا ہوگا؟ آدمی نہ سہی۔ آدمی کی روح سہی بیچارے مولوی لوگ سورۃ الجن پڑھ پڑھکر لوگوں کے سروں پر سے جن بہوت اوتارتے ہونگے۔ خیر یہ وہ جانیں۔ ان کا کام۔ ہم تو یہ دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ طوفان نوح تمام دُنیا پر آیا۔ اسکے لئے ہم مختلف ثبوت دینا چاہتے ہیں۔ پہلے اتنا یاد رکھنا ضروری ہے کہ عربی اور عبرانی اللہ میاں ایک ہی میاں کے نام ہیں۔ میاں صاحب نے پہلے توریت نازل کی۔ پھر اس کے بعد انجیل وہ بھی ناکامیاب! بعد ازاں قرآن جو ہمارے گلے سے بھی آچمٹا۔ اللہ قرآن میں توریت و انجیل کو اپنی کتابیں بتارہے ہیں۔ پس پہلے یہ دیکھ لینا چاہئے۔ کہ توریت میں اللہ صاحب کے کردہ کا کیا ثبوت ہے۔ پیدائش کی کتاب میں اس تنوری اُبال کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ کہ:۔

"خداوند نے دیکھا۔ کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی۔ اور اس کے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا۔ اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا۔ روئے زمین پر

سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان کو اور حیوان کو بھی۔ اور کیڑے مکوڑے اور
آسمان کے پرندوں تک کیونکہ میں اُن کے بنانے سے پچھتاتا ہوں مگر
نوح پر خداوند نے مہربانی سے نظر کی۔ نوح اپنے قرنوں میں کامل
اور صادق تھا۔ اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا۔ اور اس سے تین
بیٹے سم۔ حام اور یافث پیدا ہوئے۔ پر زمین خدا کے آگے بگڑی
ہوئی تھی۔ اور زمین ظلم سے بھری تھی۔ اور خدا نے زمین پر نظر کی۔
اور دیکھا کہ وہ بگڑ گئی۔ کیونکہ ہر ایک بشر نے اپنے اپنے طریق کو زمین
پر بگاڑا تھا۔ اور خداوند نے نوح سے کہا۔ کہ سب بشر کی اجل میرے
سامنے آپہونچی ہے۔ اس لئے کہ اُن کے سبب زمین ظلم سے بھر گئی۔ اور
دیکھ میں اُن کو زمین کے ساتھ نابود کرونگا۔ تو اپنے واسطے گوپھر کی
لکڑی کی ایک کشتی بنا۔ اور اس کشتی میں کوٹھریاں تیار کر۔ اور اسکے
باہر اور بھیتر رال لگا۔ اور اس کو ایسی بنا۔ کہ اسکی لمبائی
تین سو ہاتھ اور اسکی چوڑائی پچاس ہاتھ۔ اور اسکی اونچائی تیس ہاتھ
کی ہو۔ اور اس کشتی میں ایک روشن دان بنا۔ اوپر سے لیکے ہاتھ بھر
میں اسے تمام کر۔ اور کشتی کی طرف دروازہ بنا۔ اور نیچے کا طبقہ اور
دوسرا اور تیسرا بھی بنا۔ اور دیکھ میں ہاں میں ہی زمین پر پانی لاتا
ہوں۔ کہ ہر ایک جسم کو جس میں زندگی کا دم ہے۔ آسمان کے نیچے سے
مٹا ڈالوں۔ اور سب جو زمین پر ہیں مر جائینگے۔ پر میں تجھ سے اپنا
عہد قایم کروں گا۔ اور تو کشتی میں جائیگا۔ تو اور تیرے بیٹے۔ اور
تیری جورو۔ اور تیرے بیٹوں کی جورواں تیرے ساتھ۔ اور سب

جانوروں میں سے ہر ایک جنس کے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے کہ وہ بچ جاویں۔ چاہیئے کہ وہ نر و مادہ ہوں۔ اور پرندوں میں سے ہر ایک جنس کے۔ اور چرندوں میں سے ہر ایک جنس کے اور زمین کے رینگنے والوں میں سے ہر ایک جنس کے دو دو اُن سب میں سے تیرے پاس اپنی اپنی جان بچانے آویں۔ اور تو اپنے پاس ہر طرح کی خوراک کی چیزیں جو کھانے میں آتی ہیں۔ لیکر اپنے پاس جمع کر۔ اور وہ تیری اور ان کی خوراک ہونگی اور نوح نے ایسا ہی کیا۔ جو کچھ خدا نے فرمایا سو وہ سب بجا لایا اور خداوند نے نوح سے کہا۔ کہ تو اپنے سب خاندان سمیت کشتی میں آ۔ کیونکہ میں نے تجھی کو اپنے حضور میں اس زمانہ کے درمیان صادق دیکھا۔ سب پاک جانداروں میں سے سات سات نر اور انکی مادہ اور ان میں جو پاک نہیں ہیں۔ دو دو نر اور انکی مادہ اپنے پاس لے آ۔ اور آسمان کے پرندوں میں سے بھی جو پاک ہیں سات سات نر اور مادہ "تاکہ تمام زمین پر انکی نسل باقی رہے۔ کیونکہ سات دن کے بعد میں زمین پر چالیس دن اور چالیس رات پانی برساؤں گا۔ اور سب جاندار موجودات کو جنہیں میں نے بنایا زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ اور نوح نے اس سب کے مطابق جو خداوند نے اسے فرمایا تھا کیا اور نوح چھ سو برس کا تھا۔ جب طوفان کا پانی زمین پر آیا۔ تب نوح اور اس کے بیٹے اور اسکی جورو۔ اور اُس کے بیٹوں کی جوروئیں اُس کے ساتھ طوفان کے پانی کے سبب کشتی میں گئے۔ اور پاک چارپایوں میں اور اُن چارپاؤں میں سے جو پاک نہیں اور پرندوں میں سے اور زمین پر کے ہر ایک رینگنے والوں میں سے دو دو نر و مادہ نوح کے

پاس کشتی میں جیسا کہ خدا نے نوح کو فرمایا تھا داخل ہوئے اور سات دن کے بعد ایسا ہوا کہ طوفان کا پانی زمین پر آیا۔ جب نوح کی عمر چھ سو برس کی ہوئی دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے۔ اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی۔ اسی دن نوح اور سم اور حام اور یافث نوح کے بیٹے اور نوح کی جورو اور اس کے بیٹوں کی تین جوروئیں کشتی میں داخل ہوئیں۔ وے اور ہر ایک جانور اسکی قسم کے مطابق اور ہر ایک رینگنے والا جو زمین پر رینگتا ہے۔ اسکی قسم کے مطابق اور ہر ایک پرندہ اسکی قسم کے مطابق سب چڑیوں کی ہر ایک قسم کشتی میں داخل ہوئے اور سبھوں میں سے جن میں زندگی کا دم ہے۔ جوڑے جوڑے نوح کے پاس کشتی میں آئے۔ جو اندر آئے سب نر و مادہ تھے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا تھا اور خدا نے اسکو باہر سے بند کیا۔ اور چالیس دن طوفان کی باڑھ زمین پر رہی اور پانی بڑھ گیا۔ اور کشتی کو اوپر اٹھا دیا۔ سو کشتی زمین پر سے اٹھ گئی۔ اور پانی زمین پر بڑھا۔ اور بہت زیادہ ہوا۔ اور کشتی پانی کے اوپر بہتی رہی۔ اور پانی زمین پر بے نہایت بڑھ گیا۔ اور سب اونچے پہاڑ جو آسمان کے نیچے ہیں چھپ گئے۔ پندرہ ہاتھ پانی ان کے اوپر بڑھا۔ اور پہاڑ ڈوب گئے۔ اور سب جاندار جو زمین پر چلتے تھے۔ پرندے اور چرندے اور جنگلی جانور اور کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے تھے۔ اور سب انسان مر گئے۔ سب جن کے نتھنوں میں زندگی کا دم تھا۔ ان میں سے

جو خشکی پر رہے تھے مر گئے۔ بلکہ سب موجودات جو روئے زمین پر جان رکھتی تھیں مٹ گئیں۔ انسان سے لیکر حیوان تک اور کیڑے مکوڑے اور آسمان کے پرندوں تک وے سب زمین سے مٹ گئے۔ فقط نوح اور جو اس کے ساتھ کشتی کے اندر تھے بچ رہے۔ اور پانی کی باڑھ ڈیڑھ سو دن تک زمین پر رہی۔ پھر خدا نے نوح کو اور سب جانداروں کو اور سب مویشیوں کو جو اُس کے ساتھ کشتی میں تھے یاد کیا۔ اور خدا نے زمین پر ایک ہوا چلائی۔ اور پانی ٹھہر گیا۔ اور گہراؤ کے سوتے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوئیں۔ اور آسمان سے مینہہ تھم گیا۔ اور پانی زمین پر سے رفتہ رفتہ گھٹتا جاتا تھا۔ اور ڈیڑھ سو دن کے بعد کم ہوا۔ اور ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کو اراراط کے پہاڑوں پر کشتی ٹک گئی۔ اور پانی دسویں مہینے تک گھٹتا جاتا تھا۔ اور دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں۔ اور چالیس دن کے بعد یوں ہوا۔ کہ نوح نے کشتی کی کھڑکی جو اسنے بنائی تھی کھولدی۔ اور اُسنے ایک کوے کو اُڑا دیا سو وہ نکلا اور جب تک کہ زمین پر سے پانی سوکھ نہ گیا۔ وہ آیا جایا کرتا تھا۔ پھر اُسنے ایک کبوتری اپنے پاس سے اوڑادی۔ کہ دیکھے زمین پر پانی گھٹا ہے یا نہیں۔ پر کبوتری نے پنجہ ٹیکنے کی جگہ نہ پائی اور اس کے پاس کشتی میں پھر آئی۔ کیونکہ تمام روئے زمین پر پانی تھا۔ تب اسنے ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا۔ اور اپنے پاس کشتی میں رکھا۔ پھر اُسنے اور سات روز صبر کیا۔ تب اس کبوتری کو پھر کشتی سے اُڑا دیا۔ اور وہ کبوتری شام کے وقت اس کے پاس پھر آئی۔ اور

دیکھو زیتوں کی ایک تازہ پتی اسکے منہ میں تھی۔ تب نوح نے معلوم کیا
کہ اب پانی زمین پر کم ہوا۔ اور وہ اور بھی سات دن ٹھیرا۔ بعد اس کی
پھر اس کبوتری کو اڑا دیا۔ وہ اس کے پاس پھر کبھی نہ آئی۔ اور چھ سو
ایک برس کے پہلے مہینے کی پہلی تاریخ کو یوں ہوا۔ کہ زمین پر کا پانی سوکھہ
گیا۔ اور نوح نے کشتی کی چھت کھولی۔ اور دیکھا کہ زمین کی سطح سوکھنے
لگی۔ اور دوسرے مہینے اسی مہینے کی ستائیسویں تاریخ زمین سوکھہ
گئی تھی۔ تب خدا نے نوح سے کہا۔ کہ کشتی سے نکل جا۔ اور تیری جورو
اور تیرے بیٹے اور تیرے بیٹوں کی جورواں تیرے ساتھ اور ہر قسم کے
سارے حیوانات جو تیرے ساتھ ہیں۔ کیا پرندے کیا چرندے۔ کیا
کیڑے مکوڑے جو زمین پر رینگتے ہیں۔ اپنے ساتھ لے نکل کہ وے زمین
پر پھیلیں اور پھلیں۔ تب نوح نکلا۔ اور اسکی جورو اور اس کے بیٹے اور
اسکے بیٹوں کی جورواں اس کے ساتھ سب جانور سب کیڑے مکوڑے
اور سب پرندے۔ اور سب جو زمین پر رینگتے ہیں۔ اپنی اپنی جنس کے
ساتھ کشتی سے نکل گئے۔ تب نوح نے خداوند کے لیئے ایک مذبح بنایا۔ اور
سارے پاک چرندوں اور پاک پرندوں میں سے لیکر اس مذبح پر
سوختنی قربانیاں چڑھائیں۔ اور خداوند نے خوشنودی کی بو سونگھی
اور خداوند نے اپنے دل میں کہا۔ کہ انسان کے بدلے میں زمین کو
پھر کبھی لعنتی نہ کروں گا۔ اس لیئے کہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے
برا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے کیا ہے۔ پھر سارے جانداروں کو نہ ماروں گا
بلکہ جب تک زمین ہے۔ بونا اور لونا۔ سردی اور گرمی۔ ربیع اور خریف

دن اور رات موقوف نہ ہونگے۔ اور خدا نے نوح اور اُس کے بیٹوں
کو برکت دی۔ اور اُنہیں کہا۔ کہ پھلو اور بڑھو۔ اور زمین کو معمور کرو
اور تمہارا رُعب اور تمہارا ڈر زمین کے سب چرندوں اور آسمان کے سب
پرندوں اور زمین پر کے سب چلنے والوں اور دریا کی سب مچھلیوں
پر غالب رہیگا۔ ۔ ۔ ۔ اور خداوند نے نوح اور اُس کے بیٹوں کو کہا
تم سے میں اپنا عہد قائم کرتا ہوں۔ کہ کوئی جاندار پانی کے طوفان سے
پھر ہلاک نہ ہوگا۔ اور طوفان کی باڑھ پھر نہ آویگی۔ کہ زمین کو تباہ کرے
اور خدا نے کہا۔ یہ اس عہد کا نشان ہے۔ جو میں اپنے اور تمہارے بیچ
میں اور سب جانداروں کے بیچ میں جو تمہارے ساتھ ہیں پشت در پشت
ہمیشہ کے لئے کرتا ہوں میں اپنی کمان کو بدلی میں رکھتا ہوں
وہ میرے اور زمین کے درمیان عہد کا نشان ہوگی
اور ایسا ہوگا۔ کہ جب میں زمین کے اوپر بادل لاؤں۔ تو
میری کمان بادل میں دکھائی دیگی۔ اور میں اپنے عہد کو
جو میرے اور تمہارے اور ہر طرح کے جانداروں کے درمیان ہے یاد کرونگا
اور طوفان کا پانی پھر نہ ہوگا۔ کہ سب جانداروں کو تباہ کرے۔ اور کمان
بادل میں ہوگی۔ اور میں اس پر نگاہ کرونگا۔ تاکہ اس ہمیشہ کے عہد کو جو خدا
کے اور زمین کے سب طرح کے جانداروں کے درمیان ہے۔ یاد کروں۔
۔ ۔ ۔ نوح کے بیٹے جو کشتی سے نکلے سم۔ حام اور یافث تھے

اور حام کنعان کا باپ تھا۔ نوح کے یہی تین بیٹے تھے۔ اور ان ہی سے تمام زمین آباد ہوئی۔ اور نوح کھیتی باڑی کرنے لگا۔ اسنے ایک انگور کا باغ لگایا۔ اسکی مے پیکر نشے میں آیا۔ اور اپنے ڈیرے کے اندر اپنے آپ کو ننگا کیا۔ اور کنعان کے باپ حام نے اپنے باپ کو ننگا دیکھا۔ اور اپنے دو بھائیوں کو جو باہر تھے خبر دی۔ تب سِم اور یافت نے ایک کپڑا لیا۔ اور اپنے دونوں کندھوں پہ دھرا۔ اور پچھلے پاؤں جا کے اپنے باپ کی برہنگی کو چھپایا۔ پر انکی پیٹھ اُنکی طرف تھی۔ کہ اُنھوں نے اپنے باپ کی برہنگی کو نہ دیکھا۔ جب نوح ہوش میں آیا۔ تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ اسے معلوم کیا۔ تب وہ بولا۔ کہ کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا۔ ...... طوفان کے بعد نوح ساڑھے تین سو برس جیتا رہا۔ اور نوح کی ساری عمر ساڑھے نوسو (۹۵۰) برس کی تھی۔ تب وہ مر گیا۔" (پیدائش کی کتاب)

یہ تو ہوا اللہ میاں کے پہلے الہام کا حال۔ اب دوسرے کا حال سنئے۔ اللہ نوح کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔ کہ :-

واصنع الفلک باعیننا ووحینا ولا تخاطبنی
فی الذین ظلموا انھم مغرقون ۰ ویصنع
الفلک وکلما مر علیہ ملاء من قومہ
سخروا منہ ۰ قال ان تسخروا منا
فانا نسخر منکم کما تسخرون ۰ فسوف
تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ویحل

علیہ عذاب مقیم ۝ حتیٰ اذا جاء امرنا
وفار التنور قلنا احمل فیہا من کلٍّ
زوجین اثنین واھلک الا من سبق
علیہ القول ومن امن وما امن معہ الا قلیل ۝
وقال ارکبوا فیہا بسم اللہ مجریہا و
مرسٰہا۔ ان ربی لغفور الرحیم۔ وھی
تجری بہم فی موج کالجبال ونادیٰ
نوح ابنہ وکان فی معزلٍ یبنی ارکب
معنا ولا تکن مع الکفرین۔ قال ساویٓ
الیٰ جبلٍ یعصمنی من الماء قال لا عاصم
الیوم من امر اللہ الا من رحم وحال بینہما
الموج فکان من المغرقین۔ وقیل
یارض ابلعی ماءک ویسماء اقلعی وغیض
الماء وقضی الامر واستوت علی
الجودی وقیل بعداً للقوم الظلمین ۝

(پ ۱۲۔ ھود)

ترجمہ۔ اور بنا تو ایک کشتی ہماری مدد سے اور ہماری وحی سے۔ اور مت مخاطب کر مجھ سے اُن کو جنہوں نے ظلم کیا۔ وہ ضرور غرق کئے جاویں گے۔ نوح کشتی بناتا تھا۔ اور جب اُسکی قوم کے سردار اُسکے پاس سے گزرتے۔ تو وہ اُن سے مسخری کرتے۔ نوح نے کہا۔ اگر تم ہم سے مسخری

کرتے ہو۔ تو ہم بھی تم سے مسخری کرتے ہیں۔ جیسا کہ تم کرتے ہو۔ اب جان لوگے
کہ کس پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ تا کہ اسکو رسوا کرے۔ اور کس پر ہمیشہ کا عذاب اُترتا
ہے۔ یہاں تک کہ ہمارا حکم آیا۔ اور تنور نے جوش مارا ہم نے کہا۔ کہ کشتی میں ایک
قسم کا ایک ایک جوڑا لادلے۔ اور اپنے گھروالوں کو بھی۔ مگر وہ کہ جسپر پہلے حکم
لگ چکا۔ اور اُن کو بھی جو ایمان لائے۔ اور نہیں ایمان لائے تھے اُسپر مگر بہت
تھوڑے۔ اُسنے کہا۔ کہ اللہ کا نام لیکر کشتی میں چڑھ جاؤ۔ اسکا بہنا اور ٹھیرنا اللہ
کی طرف سے ہے بتحقیق میرا اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ انکو لئے
بہتی تھی لہروں میں۔ جو کہ پہاڑوں کی مانند تھیں۔ اور نوح نے اپنے بیٹے کو
آواز دی۔ کہ اے بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔ اور کافر مت بن۔ اسنے کہا میں
پہاڑ پر چڑھکر سہارا لونگا۔ وہ مجھے پانی سے بچالیگا۔ نوح نے کہا کہ آج کوئی
نہیں بچیگا۔ اللہ کے حکم سے۔ مگر جسپر کہ اسکا رحم ہوا۔ اور حائل ہو گئی اُنکے درمیان
موج اور وہ غرق ہو گیا۔ اور حکم دیا گیا۔ کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا۔ اور اے
آسمان تھم جا۔ اور سوکھا دیا گیا پانی۔ اور کام تمام ہو چکا۔ اور کشتی جودی پہاڑ
پر ٹھیری۔ اور حکم ہوا۔ کہ دوری ہو۔ ظالموں کی قوم کو۔ یہی مضمون قریباً پ ۱۸
میں ہے۔ پ ۱۹ میں نوح کی عمر کا ذکر ہے۔ کہ وہ ۹۵۰ برس تک زندہ رہا۔
پ ۲۳ میں ہے۔

ونجینٰہ واھلہ من الکرب العظیم وجعلنا ذریتہ
ھم الباقین

یعنی ہم نے نوح اور اُسکے گھروالوں کو سخت طوفان سے نجات دی۔
اور اُنکی ہی اولاد باقی رہی۔

مفسرین قرآن تسلیم کرتے ہیں۔ کہ طوفان نوح تمام دنیا پر آیا۔ ملا حسین کہتا ہے۔ کہ " نوح کی کشتی تمام روئے زمین پر پھری۔ نوح اور نوح کے تین بیٹوں کے سوا کوئی آدمی زندہ نہ رہا۔ اہل عالم کا تمام نسب ان ہی تین آدمیوں کی طرف تمام ہوتا ہے۔ سام تو اہل عرب و اہل فارس کے باپ ہیں۔ یافث ترک کے اور حام ہندوستان کے (تفسیر حسینی اردو ترجمہ صہ ۶۴ھ)

مفسر معالم التنزیل نے تو بائیبل کی آیتیں نقل کر دی ہیں۔ اور بڑے زور سے کہتا ہے۔ کہ:۔

" یروی ان الماء علے رؤس الجبال قدرہ
اربعین ذراعاً "

" روائت کیگئی ہے۔ کہ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں پہ بقدر چالیس گز اونچا تھا۔ "

یہی صاحب یہاں پر معرفت کا نکتہ بیان کرتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ جب حضرت نوح جانوروں کا جوڑا جوڑا کشتی میں رکھنے لگے۔ تو سب سے پہلے اُنہوں نے چیونٹی کو رکھا۔ سب سے آخر میں گدھے کو رکھنے لگے۔ گدھے نے اگلی ٹانگیں کشتی میں رکھی ہی تھیں۔ کہ اتنے میں شیطان نے پیچھے سے اُسکی دم پکڑ لی۔ میاں گدھے خاں وہاں ہی اڑ گئے۔ نہ آگے بڑھیں۔ نہ پیچھے ہٹیں حضرت نوح نے کہا۔ اے مردود چل! تو کشتی میں کیوں نہیں بیٹھتا۔ گدھے خاں وہاں پر ہی اکڑے رہے۔ نوح نے پھر کہا۔ کہ چل! مگر خان بہادر چلتے کیسے! پیچھے سے تو شیطان نے دم پکڑ رکھی ہے۔ آخر نوح نے کہا۔ کہ چل! اگر تیرے ساتھ شیطان ہے۔ تو بھی کشتی میں چل! جب یہ کہا۔ تو شیطان نے دم ڈھیلی کر دی

اور گدھے کے ساتھ آپ بھی کشتی میں بیٹھ گیا۔ جب نوح نے دیکھا کہ کشتی میں شیطان گھس آیا ہے۔ تو وہ بڑے خفا ہوئے۔ بولے اے اللہ میاں کے دشمن تو کشتی میں کیوں گھس آیا ہے۔ شیطان بہادر نے کہا۔ کیا تو نے نہیں کہا تھا۔ کہ داخل ہو خواہ تیرے ساتھ شیطان بھی ہو۔ نوح نے کہا۔ نکل مردود یہاں سے۔ شیطان نے کہا۔ اب تو بار آگئے۔ کشتی میں بٹھانا ہی پڑے گا۔ آخر اس جھگڑے کے بعد یا پہلے سانپ اور بچھو نے درخواست کی۔ کہ بھگوان ہمیں بھی کشتی میں بٹھا لیجئے۔ نوح نے کہا۔ کہ میں تمہیں نہیں بٹھاؤں گا۔ تم موذی جانور ہو۔ لوگوں کو دق کرتے ہو۔ انہوں نے کہا۔ کہ ہم دق نہیں کریں گے۔ خیر ان کو بھی بٹھا لیا۔ غرض اسی طرح کشتی کی سواریاں آتی گئیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو مفسرین کی حالت ہے۔ کہ طوفان نوح تمام دنیا پر آیا۔ اب اللہ میاں کے کلام میں سے ثبوت دیکھئے

ثبوت اول

نوح کو حکم ہوا۔ احمل فیہا من کل زوجین اثنین۔ یعنی ہر ایک جاندار کا جوڑا جوڑا کشتی میں اٹھا کر رکھ لے۔ یہ قرآن میں ہرگز ہرگز کہیں نہیں لکھا۔ کہ اپنے ارد گرد کے جانوروں کا جو تیرے کام میں آتے ہیں۔ جوڑا جوڑا اٹھا لے۔ پس تمام جانداروں کا ایک ایک جوڑا اٹھانے کا حکم اسی صورت میں ہوا۔ جبکہ طوفان نوح تمام دنیا پر ہوا تھا۔ ورنہ ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اللہ کو معلوم تھا۔ کہ باقی کے تمام جاندار غرق ہو جاویں گے۔ اس لئے انکی نسل بچانی چاہئے۔ جن کی باقی تمام غرق ہو جاوے۔

ثبوت دوم

قرآن میں توریت اور انجیل کو منجانب اللہ کہا گیا ہے پس قرآن اور بائبل دونوں منجانب اللہ ہوئے۔ دونوں کا ایک ہی اللہ ہے۔ توریت میں تو اللہ نے اراراط کے پہاڑ پر کشتی ٹھہرائی۔ مگر قرآن میں جودی پہاڑ پر۔ کہنا پڑیگا کہ اراراط اور جودی ایک ہی پہاڑ کے مختلف نام ہیں۔ ورنہ اللہ کا الہام غلط ہوگا اور قرآن و بائبل دونوں میں سے ایک کی بات جھوٹی ٹھہرے گی۔ بائبل پہلی کتاب ہے۔ اس کے قصوں کی مختصر نقل قرآن میں درج ہے۔ نقل کی نسبت اصل معتبر ہوتی ہے پس اگر جودی اور اراراط ایک پہاڑ کا نام نہیں۔ تو قرآن غلط ہے۔ غلط کتاب کا کیا بھروسہ۔ مگر قرآن کو غلط نہ مانکر ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اراراط کو ہی جودی پہاڑ کہا گیا ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی سطح سمندر سے ۱۷۲۱۲ فٹ بلند ہے۔ یورپ میں اس سے بلند چوٹی کوئی نہیں۔ اگر پانی اتنا اونچا چڑھ جاوے جتنی اونچی کہ یہ چوٹی۔ تو یورپ تمام غرق ہو جاویگا۔ افریقہ میں دو چوٹیاں اس سے کسی قدر بڑی ہیں۔ ان کے سوائے تمام افریقہ بھی غرقاب ہو جاویگا۔ اس طرح امریکہ میں پانچ چھ چوٹیاں اس سے بڑی ہیں۔ اُن کو چھوڑ باقی تمام امریکہ بھی غرقاب ہو جاویگا ایشیا کی اونچی چوٹیوں کو چھوڑ کر جو شاید چھ سات ہونگی تمام ایشیا غرقاب ہو جاویگا۔ پس اگر نوح کی کشتی مذکورہ بالا پہاڑ پر ٹھہری تھی۔ اور جیسا کہ قرآن و بائبل سے اس کا ٹھہرنا ثابت ہوتا ہے۔ تو فرضی طوفان نوح کے تمام دُنیا پر آنے سے کون مسلمان منکر ہو سکتا ہے۔ ضرور تمام یورپ۔ ایشیا۔ امریکہ افریقہ و اوشینیا وغیرہ غرق ہوئے ہونگے۔ اگر شاہ اللہ کو پتا نہ ہو تو کس کا قصور!!

وہ جغرافیہ پڑھیں۔

ثبوت سوم

نوح نے اپنے بیٹے سے کہا تھا۔ کہ کشتی میں بیٹھ جا۔ مگر بیٹے نے جواب دیا۔

ساوی الی جبل یعصمنی من الماء

یعنی میں پہاڑ پر چڑھ جاؤنگا۔ وہ مجھے پانی میں ڈوبنے سے بچالیگا۔ اس کا جواب نوح نے یہ دیا۔

لاعاصم الیوم من امر اللہ

یعنی آج کوئی چیز کسی کو اللہ کے حکم سے پناہ نہیں دے سکتی۔ گویا پہاڑ یا پہاڑوں کے درختوں پر چڑھنے سے بھی کوئی نہیں بچ سکیگا۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے۔ کہ پانی تمام چیزوں کو ڈبو دیگا۔ اور کوئی پہاڑ بھی ننگا نہیں رہے گا جیسے کہ کوئی شخص چڑھکر بچ جاوے۔ بائیبل میں اس بات کی بخوبی تشریح موجود ہے۔ کہ آسمان تلے کے تمام پہاڑوں پر پندرہ ہاتھ پانی چڑھ گیا تھا مفسرین قرآن بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔

ثبوت چہارم

قرآن میں لکھا ہے۔

یا ارض ابلعی ماءک ویسماء اقلعی وغیض الماء
وقضی الامر واستوت علی الجودی

پس اے زمین تو اپنا پانی نگل جا۔ اور اے آسمان تو تھم جا۔ اور پانی

خشک کر دیا گیا۔ اور کام ہو چکا۔ اور کشتی جودی پہاڑ پر جا لگی،، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ پانی پہاڑوں کے اوپر پھر رہا تھا۔ جب زمین نے اسکو نگل لیا۔ تو بھی پانی اتنا باقی تھا۔ کہ کشتی کو جودی پہاڑ پر ٹھیرنا پڑا۔ اسی مطلب کو بائبل میں جو عبرانی زبان سے ترجمہ کی گئی ہے۔ یوں ادا کیا گیا ہے ،، پانی ٹھیر گیا۔ گہراؤ کے سوتے اور آسمان کی کھڑکیاں بند ہوئیں۔ اور آسمان سے مینہ تھم گیا۔ اور ارارط کے پہاڑوں پر کشتی ٹک گئی ،، کیا اتنا اونچا پانی اپنی سطح کو ہموار رکھنے کی خاطر تمام زمین کو نہیں گھیر لیگا۔ خاصکر مسلمانوں کی چوکسی جیسی زمین کو ڈبو دینے کے لئے تو پانچ چار ھزار فٹ کی اونچائی تک ہی پانی کا پہونچ جانا کافی ہے۔ چہ جائیکہ سولہ سترہ ہزار فیٹ بلند ہو جاوے۔

ثبوت پنجم

قرآن میں نوح کی بابت ارشاد ہے۔

وجعلنا ذریتہم الباقین۔ ثم اغرقنا الاخرین ٥

یعنی نوح کی ہی اولاد باقی رہی۔ باقی سب غرق کر دئے گئے۔ باقیوں سے مراد یہاں پر عرب کے کفار وغیرہ ہی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ تمام جو کشتی میں بیٹھنے سے باقی رہ گئے تھے۔ اسی آیت کی تفسیر میں مفسروں نے بھی یہی خامہ فرسائی کی ہے۔ کہ نوح کے تین بیٹوں سے تمام دنیا آباد ہوئی۔ سام کی اولاد سے عرب۔ توران۔ ایران آباد ہوئے۔ یافث سے ترک۔ یاجوج۔ ماجوج پیدا ہوئے۔ حام سے اہل ہند او حبشی پیدا ہوئے۔

اصل بات تو یہ ہے۔ کہ قرآن نے بائبل کی تقلید کی۔ بائبل کا بابا آدم چھ سات ہزار برس ہوئے پیدا ہوا۔ آدم اور نوح کے درمیان بہت تھوڑا عرصہ گزرا ہوگا آدم کی اولاد اِس حساب سے چند میلوں تک ہی محدود ہوگی۔ اور وہ دریا کے جیحوں یا سیحوں کے پاس رہتے ہونگے۔ نوح ملاحوں کا کام کرتا ہوگا۔ انکے پاس چند کشتیاں ہونگی۔ کہیں اتفاق سے دریا چڑھ گیا۔ تو کنارے والے بہ گئے ہوں گے۔ نوح کشتی میں بیٹھا ہوا بہ گیا ہوگا۔ اور بچ گیا ہوگا۔ وہاں سے یہ قصہ گھڑ لیا ہوگا۔ کہ تمام دُنیا بہ گئی۔ اور صرف ایک شخص اور اس کے لڑکے بالے بچ گئے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ اِس قسم کے اکثر قصے جاہلوں میں اب تک چلے جاتے ہیں۔ برازیل چلی میکسکو وغیرہ کے وحشیوں میں اِس قسم کے طوفان کی کہانی مشہور ہے۔ ہمارے ہندوؤں کے ہاں بھی اس کے لگ بھگ ہی ایک داستان ہے۔ خیر اللہ میاں کی بات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ طوفان نوح تمام دُنیا پر آیا سوائے اِس کے چند ایک نام لیواؤں کے باقی کوئی نہ بچا۔ اگر مولوی صاحب اِس فضول قصہ سے برابر انکار کرتے جاویں۔ تو سمجھنا چاہئے کہ وہ عقل سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِس سے بہتر اور کیا!!۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ ”سُنئے۔ قرآن شریف آپکے اِس باطل دعوے کو دو طرح پر رد کرتا ہے۔ عموم بیان قرآن شریف کا تو یہ ہے۔ کہ ”ہم کسی قوم یا ملک کو عذاب نہیں کرتے۔ جب تک رسول نہ بھیجیں۔ بعد بھیجنے رسول کے یا اُسکی تعلیم کے جب وہ مخالفت کرتے ہیں۔ تو عذاب نازل ہوتا ہے۔“

کیا اللہ میاں کو اپنے جیسے ہی رسول ملتے ہیں۔ کوئی اچھا آدمی اسکے اڈے نہیں چڑھتا۔ ہر رسولوں کی اوٹ پٹانگ لایعنی باتوں کو نہ ماننے والے

اللہ میاں کے قہر کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ تو یقین کرو مسلمانوں پر عذاب الٰہی آنیوالا ہے۔ وہ جلدی ہی تباہ و ہلاک ہو جائینگے۔ کیونکہ وہ اللہ میاں کے رسول حضرت صاحب موعود مسیح موعود کی صریحاً مخالفت کر رہے ہیں وہ بیچارا رات دن چلا رہا ہے۔ سر کھپا رہا ہے۔ اور نوح کی طرح بڑبڑا رہا ہے۔ کہ:۔

ربّ انّی دعوت قومی لیلاً و نہارا

(پ ۲۹ - نوح)

"ہے بھگوں! میں نے اپنی قوم کو رات اور دن بلایا۔"
مگر افسوس کہ:۔

فلم یزدھم دعائی الّا فرارا (پ ۲۹ - نوح)

"جتنا میں نے اُن کو بلایا۔ اُتنا ہی وہ مجھ سے دُور بھاگتے رہے"!
خاصکر ثناءاللہ نے تو میری سخت مخالفت کی ہے۔ ہے بھگون!

انی کلما دعوتھم لتغفرلھم جعلوا اصابعھم
فی اذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا
استکبارا (پ ۲۹ - نوح)

"جب میں ان کو بلاتا ہوں۔ تاکہ ان کے گناہ بخشے جاویں۔ تو وہ کانوں میں اُنگلیاں ڈال لیتے ہیں۔ اور کپڑے لپیٹ لیتے ہیں۔ ضد کرتے ہیں۔ اور سخت غرور کرتے ہیں۔" ہے بھگون! میں نے تیرا رسول ہو کر ایسے ضدیوں کو۔

انّی اعلنت لھم واسررت لھم اسرارا (نوح)

"کھلم کھلا بھی کہہ دیکھا اور چپکے چپکے بھی کہا،" مگر یہ مسلمان کچھ ایسے

بیٹھ ہم کے ضدی ہیں۔ کہ نہ تو مجھے مسیح مانتے ہیں۔ نہ مہدی۔ حالانکہ میں مسیح اور مہدی چھوڑ کرشن کا سوانگ بھر کر بھی لکلا۔ مسلمان الگ جان کھاتے ہیں۔ ہندو الگ ستاتے ہیں۔ میں نے تو بہترا

فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا (نوح)

"ان سے کہا۔ کہ پرماتما سے معافی مانگو۔ وہ معاف کرنیوالا ہے۔"

مگر ہندو لوگ مجھے انگلی دکھاتے ہیں۔ اور یہ بتاتے ہیں۔ کہ چل! چل! آگے سے ہٹ۔ بن بیٹھا کہیں کا۔ ۔ ۔ کیا پرماتما تمہارے اللہ میاں کی طرح ظالم ہے۔ کہ انصاف کو چھوڑ کر پاپ معاف کر دیتا ہے۔ ہے بھگون میں اُن سے کہتا ہوں۔ کہ اگر تم مجھے اوتار مان لو تو پلیگ سے محفوظ رہو گے۔ کیونکہ جو مجھ پر ایمان لایا۔ اُس نے آسمانی ٹیکا لگا لیا۔ دیکھو! دیکھو! اگر تم ایسا کرو۔ تو اللہ میاں!۔ یرسل علیکم السماء مدرارا (نوح)

"تم پر آسمان کی دھاریں چھوڑ دیگا۔"

آہ! بھولے لوگو! اگر تم مجھے کرشن مان لو۔ اور تم میری گوپیوں میں نام لکھا لو۔ تو اللہ بھگوان۔

یمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انھارا۔ (نوح)

"تمکو بہت سا مال دیگا۔ لڑکے دیگا۔ باغ دیگا۔ نہریں دیگا۔"

ہے بھگون! یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ پہلے تم نے جو اپنی بیوی کے ہاتھ اپنے باغات فروخت کر رکھے ہیں۔ اُن کو تو بحال کرالو۔ تم لڑکا مانگتے ہو۔ تو لڑکی ملتی ہے تم مال مانگتے ہو۔ تو تم پر الٹا جرمانہ ہوتا ہے۔ تم نہریں مانگتے ہو۔ تمہارا

کنواں بیچی تمہارے ہاتھ سے نکل گیا۔ تم کیسے پیغمبر ہو۔ ہے بھگون میں ایسے گمراہ اور ضدی لوگوں سے کہتا ہوں۔ کہ:-

مالکم لا ترجون للہ وقاراً وقد خلقکم
اطواراً (النوح)

لوگو! تمہیں کیا ہو گیا۔ تم اللہ سے عزت کی اُمید کیوں نہیں رکھتے ہو۔ حالانکہ اسنے تمکو قسم قسم کے بنایا ہے۔"

اللہ میاں! یہ لوگ اُلٹا جواب دیتے ہیں۔ کہ پہلے تم تو اپنی عزت بنا لو۔ جرمانہ بھر کر۔ اپیل کر کے دامن تو چھڑا لو۔ کچہریوں سے اپنے آپ کو بچا لو۔ میں ان سے کہتا ہوں۔

الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموٰت طباقاً

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ کہ اللہ میاں نے کسطرح سات آسمان طباق کی طرح یا تہ بہ تہ بناتے ہیں۔"

ہے بھگون! یہ ہندو۔ کافر لوگ ہنستے ہیں۔ کہ دیکھو! یہ پاگل کرشن ہونیکا تو دم بھرتا ہے۔ عقل اتنی موٹی۔ کہ سات آسمان بتاتا ہے میں ان سے کہتا ہوں۔ کہ تم سات آسمانوں پر کیوں اُلجھتے ہو۔ دیکھو! دیکھو! میرے اللہ میاں نے تو

جعل القمر فیہن نوراً وجعل الشمس سراجاً

"اِن آسمانوں میں چاند کو روشن بنایا ہے اور سورج کا دیا جلایا ہے۔"

میرے مولا! یہ ہندو میری باتوں پر قہقہہ لگاتے ہیں۔ کہ

دیکھو اس بہروپیے کرشن کو! چاند کو روشن کہتا ہے۔ حالانکہ کرشن جی مہاراج ویدوں کے ماننے والے از روئے وید بخوبی جانتے تھے۔ کہ:۔

"چاند بذاتِ خود روشن نہیں ہے۔ وہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے سورج بذات خود روشن ہے۔
(یجروید۔ ادھیائے ۲۳۔ منتر ۱۰)"

کرشن جی مہاراج جانتے تھے۔ کہ:۔

"سورج کی کرنیں چاند پر پڑتی ہیں۔ اور پھر اس سے منعکس ہوکر زمین پر آکر زمین کی قوت بالیدگی کو بڑھاتی ہیں۔ اس سے پودے بڑھتے ہیں۔ چاند دوسرے نکشتروں کے مقابلہ میں زمین سے بہت قریب ہے۔ (اتھروید۔ کانڈ ۱۴۔ انوواک ۱۔ منتر ۲)"

مگر یہ بہروپیا کرشن کچھ اور ہی کہہ رہا ہے۔ ہے بھگوان۔ میں اِن کافروں سے کہتا ہوں کہ:۔

واللہ انبتکم من الارض نباتًا (نوح)

"اللہ میاں تمہارے لئے زمین سے نباتات پیدا کرتا ہے"۔
یہ ہندو سنکر چپ ہو جاتے ہیں۔ مگر جب میں اِن سے کہتا ہوں۔ کہ:۔

ثم یعیدکم فیھا ویخرجکم اخراجًا۔ (نوح)

"اللہ میاں تمکو زمین میں واپس ملا دیگا۔ پھر اسی میں سے دوبارہ نکالیگا۔"

یہ تو مخول کرنے لگ جاتے ہیں۔ کہ واہ! تمہارے اللہ میاں نے کیا ہم کو جڑی بوٹی سمجھ رکھا ہے۔ کہ زمین میں گاڑ دیگا۔ اور پھر اس میں سے نکال لیگا ہمارا آتما نہ زمین میں گاڑا جا سکتا ہے۔ نہ جلایا جا سکتا ہے نہ زمین سے پیدا کیا جا سکتا ہے۔ چلو! آگے سے دور ہو جاؤ! یہ ہیں ہیں کسی مورکھ کو سناؤ۔ ہم تمہاری باتوں کو صحیح نہیں مان سکتے ہے بھگوان میں پھر کہتا ہوں۔ کہ بھائیو! دیکھو! اللہ میاں نے :-

جعل لکم الارض بساطاً لتسلکوا منہا سبلاً فجاجاً

"زمین تمہارے لیے بچھونا بنا دیا ہے۔ تاکہ تم اس میں سڑکیں بنا کر چلو۔"

مگر یہ پھر بھی نہیں جانتے۔ یا قاہر یا جابر یا ماکر۔

انہم عصونی واتبعوا من لم یزدہ مالہ وولدہ الا خسارا (نوح)

"ان لوگوں نے میرا کہنا نہیں مانا۔ یہ اس کا کہنا مانتے ہیں جو نہ تو ان کے مال کو بڑھاوے۔ نہ اولاد کو۔"

یا خیر الماکرین! تیری دوہائی! اب میں تھک گیا۔ ان لوگوں نے تو اللہ جانے :-

مکروا مکراً کبارا (نوح)

"بڑا ہی جال پھیلا رکھا ہے۔"

اے لوگوں کو گمراہ کرنے والے میرے آقا! میرے سردار۔

بس اب تو ایک بات مان لے۔ وہ یہ کہ:۔

لا تزد الظلمین الا ضلالاً (نوح)

"تو ان ظالموں کو خوب ہی بہکا۔ انکی گمراہی کو خوب بڑھا"
ہے کرودہ وان بھگون! تو ان پر ایسا خفا ہو۔ انکو ایسی سزا
دے کہ ان کا تخم مٹ جاوے۔ اور

لا تذر علی الارض من الکفرین دیاراً (نوح)

"تو زمین پر ایک کافر کو بھی جیتا مت چھوڑ" اگر تو کسی کو
جیتا چھوڑیگا۔ تو یاد رکھنا پچھتائے گا۔ کیونکہ وہ کافر:۔

یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجراً کفاراً

"تیرے لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ اور کافر بچے پیدا کریگا"
بس اب دیر نہ کر۔ مگر ہاں ایک بات یاد رکھنا۔ وہ یہ کہ:۔

اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومناً
وللمومنین والمومنت ——— (نوح)

"مجھے معاف رکھیو! میرے والدین کو بھی نہ چھیڑنا۔ جو میرے
دارالامان میں آگیا (اسکو بھی پلیگ نہ کرنا) جو مرد یا عورت ایمان
لے آیا۔ (اسکو بھی طاعون سے بچا رکھنا)"
اتنی بات کی احتیاط ضروری ہے۔ باقی جتنے کافر ہیں۔ تو
ایسے۔ لا تزد الظلمین الا تباراً۔ (نوح)

"ظالموں کو خوب ہی تباہ کر ڈال"
غرضیکہ تخم باقی نہ چھوڑ! کیوں صاحب! ایسا کیوں! اجی اسلئے

کہ یہ ہندو مسلمان اللہ میاں کے رسول کا حکم جو نہیں مانتے۔ کیا تمنے مذکورہ بالا آیتوں میں ایسے ایسے پیغمبروں کی رام کہانی نہیں سنی؟ اللہ میاں نے رسول بھیجا۔ اب جو اسکی مخالفت کریں گے۔ وہ ضرور تباہ ہونگے؟ کیوں مولوی صاحب ٹھیک ہے نہ! نوح کی طرح کشتی بنا رکھئے آپ نے اللہ میاں کے پیغمبر کی مخالفت کی۔ اب آپکی خیر نہیں! کیا بچوں کی سی باتیں بناتے ہیں حضور ایسے ایسے پیغمبر بہتیرے بھٹکتے مر گئے۔ اگر اللہ میاں ایسے نکمے لوگوں کی خاطر غضبناک ہوکر لوگوں کو غرق کر دینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ تو وہ بڑا غصیل ہے۔ غصیل آدمی عموماً کم عقل ہوتے ہیں۔ اللہ میاں کی عقلمندی تو قرآن کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ پھر طوفان نوح کا تو ذکر ہی کیا!!۔

مولوی صاحب مانتے ہیں۔ "پس آپکے وہ معصوم بچے اور بیگناہ آئے جنکو حضرت نوح کی تبلیغ نہ پہونچی تھی۔ کسی طرح ہلاکت کے مستوجب نہیں۔"

نوح کی تبلیغ تو ہمنے اوپر بیان کر دی ہے۔ اسوقت نہ سہی اب نوح کی اولاد کے ذریعہ تو ہم تک پہونچگئی ہم تو اسکو سراسر بازیچۂ اطفال سمجھتے ہیں۔ اگر اللہ میاں غیرت مند ہے۔ تو اسکو چاہئے دوبارہ تنور کو ابال دے۔ اور آریوں کو غرقاب کرکے دکھلائے۔ ورنہ قرآن کا بچنا محال ہے۔ کیونکہ یہ عاقلان ہند کے لئے سخت جنجال ہے گویا انکی دانست میں آسمانی جال ہے جس سے دور رہنا ضروری ہے مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "خصوص بیان قرآن کا

خاص حضرت نوح کے قصے کے متعلق ہے۔ جس میں صاف ارشاد ہے کہ نوح کی قوم نے جب نوح کو جھٹلایا: تو ہم نے اُن کو غرق کیا۔ اور اُن کو اور لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بنایا"۔ بس اب تیار رہو۔ مرزا کی قوم نے مرزا کو جھٹلایا ہے۔ ضرور غرق ہوگی۔ اگر نوح سچا پیغمبر تھا۔ تو مرزا اللہ میاں کا پیغمبر کیوں نہ ہوا؟ اگر نوح کی خاطر قوم نوح کو غرق کیا گیا۔ تو مرزا کی خاطر مسلمانوں کو اللہ میاں کیوں نہیں غرق کرے گا۔ مرزا چلا رہا ہے کہ میں مسیح موعود ہوں۔ مرزا کا اللہ میاں اسے کہہ رہا ہے کہ تو مسیح موعود ہے۔ مہدی موعود ہے۔ اس سے بھی بڑھکر تو کرشن گوپال ہے واہ! بھلا کبھی مسلمان اللہ میاں کے مسیح کو جھٹلا کر بچ سکیں گے۔!! یہ پیغمبری سلسلہ کچھ ہے ہی آسمانی قسم کا نرالہ! ذرا بات نہ مانی۔ آسمان کے پھاٹک کھولدئے۔ زمین کے سوتے توڑ دئے۔ اور تنور ابل اُٹھا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "دیکھئے بابو صاحب! کیسا ہوں کو غرق کیا۔ یا انہی کو جو ویدک تعلیم کے مطابق بھی کتے۔ بلے۔ بندر۔ سوئر بننے کے قابل تھے۔"

ویدک تعلیم کے مطابق شرابی۔ کبابی۔ ہنسک۔ جھوٹے۔ کرودھی کامی کپٹی ان جونوں میں جانے کے مستحق کہے جاسکتے ہیں۔ اگر نوح کی قوم درحقیقت ایسی ہی خراب تھی۔ تو پھر یہ انصاف نہیں ہے۔ کہ اللہ میاں نوح جیسے شرابی ہنسک اور کرودھی کو تو چھوڑ دے۔ اور دوسروں کو غرق کردے۔ ہم تو خوش ہیں۔ کہ آپنے طوفان نوح کو محدود بالقوم مان کر اسلامی عقل کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ مگر پھر بھی مذکورہ بالا تمام بیان کو مدنظر رکھ کر

ہم آپ سے یہ پوچھنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ اگر آپ توریت اور قرآن کی آیتوں کو نظر انداز کر کے طوفان نوح کو محدود بالقوم مانتے ہیں۔ تو ذرا قرآن سے دکھاؤ۔ کہ یہ طوفان کس ملک میں آیا تھا۔ کب آیا تھا۔ کتنے دن رہا تھا۔ پانی سطح زمین سے کتنا اونچا تھا۔ اگر آپ قرآن میں سے ان باتوں کا جواب نکال دیں۔ تو بہتر۔ ورنہ اگر اہل بائبل نے اللہ میاں پر مال مسروقہ کا دعوی کر دیا۔ اور قرآن کی خانہ تلاشی ہوئی۔ تو بیت القرآن عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ نیلام ہو جائیگا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "میں شکایتاً تو نہیں بلکہ اظہار حقیقت کے طور پر کہتا ہوں۔ کہ آپ نے قرآن شریف کے سمجھنے میں کوئی وقت نہیں لگایا مسٹر سیل کا انگریزی یا معمولی اردو ترجمہ دیکھ کر اور غیر محققین واعظوں اور لیکچراروں کے لیکچر سنکر قرآن شریف کے سر پر تھوپ دئے۔ جو ایک محقق کی شان سے بہت بعید ہے"

ہم شکایتاً تو نہیں بلکہ اظہار حقیقت کے طور پر کہتے ہیں۔ کہ اگر ہم ان پڑھ۔ امی۔ جاہل مطلق۔ کالا اکشر ہاتھی جمع بھینس برابر یا پیغمبر وملہم ہوتے۔ تو حضور کا مذکورہ بالا ریمارک کسی قدر ٹھیک ہو سکتا تھا۔ مگر ہم اس بات کو سخت معیوب سمجھتے ہیں۔ کہ کسی ان پڑھ۔ امی میاں کی طرح دو ادھر سے سُن۔ دو اُدھر سے گھڑ چار اپنے پاس سے ملا۔ اینٹ روڑا جمع کر کے کتاب بنا کر رکھدیں۔ یا پیغمبر و رسول بنکر بیٹھ جائیں ہمارا قاعدہ ہے۔ کہ جب تک کسی بات کے بارے میں بعد از غور و تفتیش اپنا اطمینان نہ ہو جاوے۔ کسی سُنی سُنائی بات پر نہ قلم اُٹھائیں۔ نہ زبان کھولیں

جیسے "ادم تحریر ہم نے نورالدین کے شکایتی تنقیہ کی شکل تک بھی نہیں دیکھی۔ ویسے ہی آپ کے سیل ویل کا انگریزی ترجمہ بھی نہیں دیکھا ہمارے نزدیک قرآن کا کوئی انگریزی ترجمہ مستند نہیں ہے۔ اسلامی مفسروں اور محدثوں کی باتوں کے مقابلہ میں سیل کا حوالہ دینا ایسا ہی لچر اور فضول ہے جیسے کوئی شخص کریم اللغات کا حوالہ صراح و قاموس کے مقابلے میں پیش کرے۔ جو سراسر ظفلانہ بات ہے۔ ہم قرآن کے معمولی اردو ترجموں یا غیر محققین واعظوں اور لیکچراروں کو ہرگز ہرگز وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ایسے لوگوں کا حوالہ دینا ہمارے نزدیک ایسا ہی ہے۔ جیساکہ کوئی آریہ سماج سے بحث کرتے وقت کسی معمولی سنسکرت دان ہندو چھوکرے کا ترجمہ آپکی طرح ویدوں کے متعلق بطور نمونہ ہمارے سامنے پیش کرے۔ ہم نے مدد لی ہے تو ان تفسیروں اور ترجموں سے جنکے مصنفوں کو آپنے اپنا مخدوم سمجھا ہو اور جن کا خادم بننے کے فخر کا آپ نے اپنی اسی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ پس آپکا سارا الزام بے بنیاد۔ غلط اور جھوٹا ہے۔ المدمیاں آپ پر اپنا رحم کریں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "آپ بھی کیا کریں۔ آپکے معنوی باپ دیانندجی کی یہی عادت ہے۔ پس آنچہ استادِ ازل گفتہ ہمہ میگویم"!

مانا کہ رشی عربی کا اڑنگ بڑنگا نقشہ اسکے اصلی روپ میں نہیں جانتا تھا مگر ان کو جو کچھ کہ مترجموں نے بتایا۔ اُنہوں نے اسی کو لتاڑا یہ اور بات ہے۔ کہ ان کو کسی خیر الماکرین کے بندے نے مکر کرکے خیر الماکرین کی کلام کا اصلی مفہوم نہ بتایا ہو۔ مگر اس میں رشی کا کیا قصور! وہ رشی

تھے۔ ہم اُن کو اپنا معنوی باپ نہیں مانتے۔ ہمارا معنوی باپ وہی ہے جس سے کہ ہم :-

स नः पितेव सूनवेऽग्ने सूपा-
यनो भव ॥

کہہ کر علم و عقل کے لیئے پرارتھنا کرتے ہیں۔ وہی ہماری معنوی ماتا ہے۔ ہم مسلمانوں کی طرح کسی آدمی کو معنوی باپ یا گری پڑی عورتوں کو معنوی ماتائیں بنانا معیوب سمجھتے ہیں۔ اُمہات المومنین کا طوق آپ لوگوں کے ہی گلے میں پڑا رہے۔ اصلی بات کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں۔ دُہرانا عبث ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ تمام دُنیا کو غرق کر دینا قرآن کریم میں ہرگز نہیں۔ مگر بتاؤ جل سے سرشٹی کیونکر ہوتی ہے۔ اور کیوں ہوتی ہے۔؟؟

دُنیا کے غرقاب کی بابت کسی قدر اوپر لکھا جا چکا ہے۔ باقی کسی دوسرے نمبر میں لکھا جائیگا۔ حکیم جی کبر اتنی موٹی بات کو بھی نہ سمجھ سکے۔ کہ جل سے سرشٹی کیونکر ہوتی ہے۔ تو اور کیا سمجھو گے۔ سُنیئے۔ جل سے پرتھوی۔ پرتھوی سے نباتات۔ نباتات سے اناج۔ اناج سے نطفہ۔ نطفہ سے پران دھاریوں کے جسم پیدا ہوتے ہیں۔ ستیارتھ پرکاش میں صاف لکھا ہے۔ کہ :-

" جب مہا پرلے ہوتا ہے۔ تب اس کے بعد اکاش وغیرہ کی ترتیب سے۔ اور جب اکاش اور وایو کا پرلے نہیں ہوتا۔ تو اگنی کی ترتیب سے

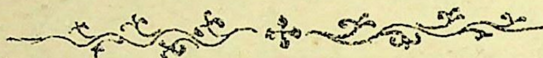
جب اگنی کا بھی ناش نہیں ہوتا۔ تب پانی کی ترتیب سے دُنیا پیدا ہوتی ہو
یعنی جس جس پر ہے ہیں جہاں جہاں تک پرے ہوتا ہے۔ وہاں وہاں سے
دُنیا کی پیدائش ہوتی ہے۔" باقی رہا حضور کا کیوں؟ آپ نے یہ کیوں ہی
کیوں کیا؟ آپ کیوں دیکھتے ہیں۔ کیوں سُنتے ہیں۔ کیوں سونگھتے ہیں؟ کیوں
کھاتے ہیں؟ کیوں پیتے ہیں؟ بھلا آپ پیدا ہی کیوں ہوئے؟ آپ پیٹ خانے
میں کیوں نہ پڑے رہے؟ آپ دُنیا میں کیوں آئے؟ ان سوالوں پر غور کرو گے
تو کیوں کی حقیقت کو خود ہی سمجھ جاؤ گے۔ اگر پھر بھی نہ سمجھو۔ تو ہم بتا دینگے۔

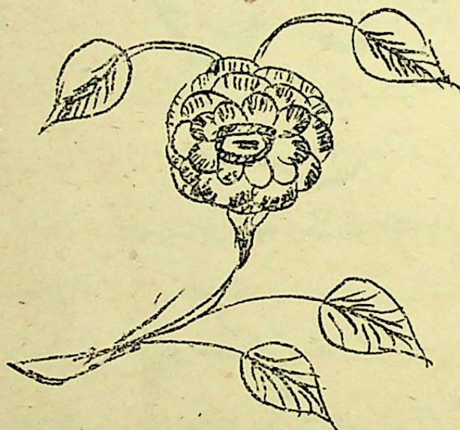
حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "یہاں دیکھ لو! کہ ایک وقت میں تمام
دُنیا پر جل آتا ہے۔ گو ہم ایسی باتوں کے قائل نہیں۔ ستیارتھ ۲۵"

میاں چپ ہو! اگر کہیں لال بجھکڑ نے آپکی یہ بات سُن لی۔ تو نام پر
داغ دیگا۔ کہ دیکھو! نورالدین مجھ سے بڑھکر باتیں بناتا ہے۔ آپکی سمجھ میں
اتنا بھی نہ آیا۔ کہ جب جل پرلے ہوتا ہے۔ اسوقت انسان وحیوان کی آبادی
تو کیا زمین۔ نباتات۔ اناج وغیرہ کا بھی نام ونشان نہیں ہوتا۔ پھر غرق کیا جرم
کا سر ہوگا۔ یہ طوفان نوح تھوڑا ہی ہے۔ کہ کسی گرے پڑے آدمی کی کہنے
سے اللہ میاں نے تمام عقلمندوں پر تنور کا دروازہ کھول دیا۔ اور انسان و
حیوان کو ڈبو دیا۔ ایسا قہر نادری اللہ میاں کو ہی آتا ہے۔ پرماتما اس صفت
رذیلہ سے پاک ہے۔ وہ کرودھی نہیں ہے۔ وہ : सह ہے۔ سہن شیل ہے
کسی کی بری بھلی بات کو سُنکر اللہ میاں کی طرح غضبناک نہیں ہوتا۔ نہ ہی
ایک دو آدمیوں کی خاطر باقی سب کو غرق کر دینے پر امادہ ہو جاتا ہے
جو لوگ پرماتما کے بھگت ہیں۔ وہ کرودھ اور کرودھیوں سے مُنہ

ہو کر اُس پرماتما کی طرف دھیان لگاتے ہیں. جسکی بابت کہا گیا ہے کہ :-

तमिदं निगतं सहः स एष एक
एक वृदेक एव ॥ ॥ ॥





ओ३म्

कस्त्वा युनक्ति स त्वा युनक्ति कस्मै त्वा युनक्ति तस्मै त्वा युनक्ति कर्मणे वां वेषाय वाम् ॥ यजु॰ अ॰ १ मं॰ ६ ॥

اے انسان! وہ کون ہے جو تجھے نیک کاموں میں لگاتا اور اُن کی تعلیم دیتا ہے؟ وہ پرماتما ہے۔ جو تجھے سچے دھرم کی تعلیم دیتا ہے۔ عالم باعمل لوگوں سے وید پڑھ اور نیک کام کر۔

نویں فصل

اعتراض ۲۰

پرکٹے پردار

کبوتر باز دوسرے کے کبوتر کو اڑتا دیکھتا ہے۔ تو جھٹ اپنے اڈے پر جاکر دانہ بکھیرنے اور پر کٹے کبوتر اچھالنے لگ جاتا ہے چاہتا ہے کہ وہ اِن ترکیبوں سے پردار کبوتر کو پکڑ لے۔ وہ اس غریب کو دھوکھ دے رہا ہے۔ بظاہر وہ دانہ بکھیر کر اپنی مہمان نوازی کا ثبوت دیتا ہے۔ مگر پردار کبوتر جہاں اُس کے جھانسے میں آیا۔ اپنی آزادی کھو بیٹھا۔ کیونکہ خود غرض کھلاڑی پکڑنے کے ساتھ ہی اُس کے پر کاٹ ڈالتا ہے۔ یا انکو باندھ دیتا ہے۔

تاکہ وہ پھر اپنے اصلی ٹھکانے پر واپس نہ چلا جاوے ان جانوروں کے کھلاڑیوں سے بڑھ چڑھکر موجودہ زمانہ کے ملکی مدبر انسانی کبوتر بازی کے تماشہ میں مشغول ہیں اس پہلو میں کوئی خاص قوم ہی نہیں بلکہ دنیا کے تمام چال باز ایک دوسرے کے سامنے مکاری وغیرہ کا جال بچھاتے رہتے ہیں بچارے سیدھے سادے لوگ جو چال بازیوں سے بے خبر ہوتے ہیں انکے دام میں پھنس جاتے ہیں اگر وہ نکلنے کی کوشش کریں تو مکار انسان کبوتر بازوں کی طرح ان کی رہائی کے تمام راستے بند کر دیتے ہیں وہ بچارے اندر ہی اندر غٹر غوں کر کر رہ جاتے ہیں اس زبردستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مالک مملوک حاکم و محکوم دونوں ہی ایک دوسرے سے بدظن ہو کر آرام دل کھو بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ جہاں خود غرضی ہوتی ہے۔ وہاں سے راحت حقیقی پر دار کبوتر کی طرح اڑ جاتی ہے خود غرض لوگوں سے حسب دلخواہ چال بازی سیکھی جا سکتی ہے مگر ان سے انسانی بہبودی کی توقع رکھنا بہت مشکل بات ہے اس قسم کا کوئی چال باز پہلوان۔ قانون دان۔ سائینس دان کسی کو پہلوانی یا قانون یا سائینس کیا سکھا سکتا ہے۔ جبکہ اس کی خود غرضی سے بھری ہوئی نظر سیکھنے والوں کی جیب پر لگ رہی ہو اگر ان کی جیب خالی ہے تو وہ ان کو شمال کا راستہ بتا کر خود جنوب کو چل دیگا خود غرض انسان دوسروں کو بہتر بنانا نہیں چاہتا بلکہ حتی المقدور اپنے ڈھنگ کا بنانے کی کوشش کرتا ہے گڈریا بھیڑوں کو اس لئے نہیں پالتا کہ بھیڑوں کا پالنا اور ان کی حفاظت کرنا کوئی دھرم کا کام ہے۔ بلکہ بھیڑوں کی اون اسکے مد نظر ہوتی ہے اگر اسکی بھیڑیں اسکو کافی اون نہ دیں تو وہ شاید انکو مار کر کھا جائے اور ان کی ہڈیوں کو بھی اپنے کھیت میں کھاد ڈالنے کیلئے پسوا ڈالے وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ بھیڑوں کی بہتری کے لئے وہ گڈریا بنا ہے

مگر باریک بین بخوبی جانتے ہیں۔کہ زبانی جمع خرچ سے کسی کا بھلا نہیں ہُوا کرتا جب تک کہ بھلے کیلئے عملی کوشش نہ کی جاوے بھیڑیں گڈریے کی کیونکر مشکور ہوسکتی ہیں۔ جب کہ وہ جانتی ہوں کہ جسدن ہم بیمار ہوئیں یا جسدن ہمارے مالک کے سامنے کسی قسائی نے ذراسا لالچ پیش کیا اسی دن ہماری خیر نہیں یہ بھیڑوں اور بکریوں کا گوشت ہی ہے جس نے قسائی کو مالدار بنادیا ہے پھر بھیڑیں کیونکر کہہ سکتی ہیں کہ ہمارا چرواہا خود غرض نہیں ہے بلکہ ہمارا حقیقی خیرخواہ ہے۔ آہ! خود غرض چرواہے نے ابھی تک خیرخواہی اور سچی ہمدردی کی۔ آپ بھی نہیں پڑھی۔مُورکھ ہے وُہ بھیڑ جو قسائی کے ہاتھ میں سبز باغ کی سبز شاخ دیکھکر بھیں بھیں کرتی ہوئی اسکے پیچھے بھاگتی ہو وہ نہیں جانتی کہ سبز شاخ دکھلانے والا کسی دن چمکدار چھری دکھلائیگا کیونکہ قسائی اسکو اس لئے پال رہاہے کہ ایک دن اسکو کاٹکر اپنے دام وصول کرے ایک قسائی پر ہی کیا منحصر ہے۔ خود غرض انسان جہاں کہیں بھی ہوتا ہے وہاں ہی دوسرے انسانوں کو اپنی خود غرضی کی سیری کیلئے پھانستا پھرتا ہے وہ نہیں چاہتا کہ اسکے ہاتھ لگے ہوئے پرکٹے کبوتر دوسرے کے اڈے پر اُڑکر چلے جاویں بنا بریں وہ انکو ہر طرح سے اپنا غلام ہی بنائے رکھنا چاہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر یہ انسانی گھوڑے اور گدھے اسکے قابو سے نکل گئے تو اسکی باربرداری کا کام کون کریگا وہ ان انسانی گدھوں کو حتی المقدور اوپر اٹھنے کا موقع نہیں دیگا۔ بلکہ جہاں تک ہوگا ان کی آئندہ ترقی کے راستہ میں رکاوٹیں ہی ڈالیگا اس طرح ان کو پرکٹا بناکر خود غرض

انسان اپنی چالاکی پر خوش ہو سکتا ہے۔ اور کہہ سکتا ہے۔ کہ اس کے اڈّے کے تمام کبوتر فارغ البال ہیں۔ مگر اس سے کیا حاصل جبکہ اُسنے اُن کے گلوں میں زنجیریں ڈال رکھی ہوں۔ جو اللہ میاں کی زنجیروں کی طرح اسکی کرتوتوں کی گواہی دے رہی ہوں۔ اور اُسکی طرف سے کہہ رہی ہوں کہ :-

انّا جعلنا فی اعناقھم اغلالاً فھی الی الاذقان فھم مقمحون (پ ۲۲ - یس)

دو ہم نے اُنکی گردنوں میں زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔ جو ٹھوڑیوں تک پہونچتی ہیں۔ پس وہ لوگ سر اُٹھائے آنکھیں بند کئے ہیں۔"

بھلا جس مُلک کے رہنے والوں کو ایسی ایسی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہو۔ وہ کیا خاک ترقی کر سکتا ہے!! قیدیوں کی ہٹی پلید!! وہ شخص بڑا پاگل ہے۔ جو پابہ زنجیر قیدیوں کو عالم و فاضل بننے کے لئے حکم دے رہا ہو۔ حالانکہ وہ نہ گردن موڑ سکتے نہ دیکھ سکتے ہیں اگر وہ بنی نوع انسان کا سچّا دوست ہو۔ تو اُسکو چاہئے۔ کہ پہلے اپنے ہاتھوں سے ڈالی ہوئی زنجیروں کو توڑے۔ غلاموں کو غلامی سے آزاد کرے۔ پھر اُنکی بہتری کی کوشش کرے۔ اگر وہ ایسا کرنے کی بجائے اُنکی تعلیم و تکمیل کے تمام وسایل کو منقطع کر کے اُن کی آئندہ ترقی کے راستے میں سد سکندری بنا رہا ہو۔ اور زبان حال سے اللہ میاں کی طرح بتا رہا ہو۔ کہ :-

جعلنا من بین ایدیھم سدًّا ومن خلفھم سدًّا فاغشینٰھم فھم لا یبصرون (پ ۲۲ یس)

"ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی۔ اور پیچھے بھی دیوار بنا دی اور اوپر سے چھت ڈالدی۔ پس وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے" تو سمجھ لو! کہ ایسا انسان کسی صورت میں قابل عزت نہیں ہے۔ وہ کوئی بادشاہ ہو وزیر ہو۔ دیوتا ہو۔ اللہ میاں ہو۔ گوگا پیر ہو۔ رسول ہو نبی ہو۔ کوئی ہو۔ وہ انسانی زندگی کے مشن کو پورا نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے گمراہ ہو کر لوگوں کی آئندہ ترقی کے راستے میں دیواریں بنا رہا ہے۔ اور اوپر سے بھی ڈھکنا چڑھا رہا ہے۔ تاکہ لوگ کسی بات کو دیکھ ہی نہ سکیں! بھلا یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ ایسے خراب جود کے برخلاف کچھ بھی واویلا نہ کیا جاوے! واویلا کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر وہ اسی طرح انسانوں کے راستے میں دیواریں کھڑی کرتا چلا جاویگا۔ تو انسان دم گھٹ کر مر جاینگے۔ ایسے وجود کو ملعون کرنا چاہئے۔ اور اسکی کرتوتوں کا نقشہ عقلمند۔ دل مضبوط مزاجوں رحمدلوں کے سامنے رکھنا چاہئے۔ یہ کبھی خیال نہیں کرنا چاہئے۔ کہ کوئی شخص بھی اس اپیل کو نہیں سنیگا۔ نہیں نہیں۔ رحمدل۔ نیک نہاد آدمی اسکی طرف ضرور توجہ دیں گے۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ تمام عقلمندوں کے

ختم اللہ علی قلوبھم۔ (پ ۱۔ بقرہ)

دلوں پر اللہ میاں نے مہریں لگا دی" ہوں۔ یا

وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ

(پ ۱۔ بقرہ)

"اُن کے کانوں اور انکی آنکھوں پر پٹی باندھ دی" ہو۔ حاشا وکلا

نہ ہر زن زن است نہ ہر مرد مرد

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

ہاں اگر ان کے دلوں پر درحقیقت حاکمِ اعلیٰ نے خود غرضی کی مُہر لگادی ہے۔ کہ کوئی کتنا جا وبیجا چلائے۔ مگر تمنے ایک نہ سُنی۔ کوئی کتنا ہی حال زار بتاتے۔ مگر تمنے پرواہ نہ کرنی۔ اپنے مطلب سے کام رکھنا۔ تو سمجھ لینا چاہئیے۔ کہ اس محل کا بنیادی پتھر ہی ٹیڑھا ہے۔ اسکا علاج سوائے اسکے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ یا تو اس محل کے نیچے سے نکل بھاگو۔ یا اُسکے نیچے دبکر مرجاؤ۔ ہم نے تو جب دیکھا۔ کہ ہمارا مہربان دوست اللہ میاں اسطرح لوگوں کے دلوں پر غلاف چڑھاتا۔ آنکھوں اور کانوں پر پٹیاں باندھتا اُنکی روحانی ترقی کے راستے میں دیواریں کھڑی کرتا اور اوپر سے چھت ڈالتا پھرتا ہے تو ہم تو جوتی چھوڑ کر اُس کے پاس سے بھاگ نکلے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ایسے ظالم میاں کے پڑوس میں رہنا ہر حالت میں خطرناک ہے۔ کیا معلوم وہ کس دم بھڑک اُٹھے۔ اور مہر لیکر دل پر جڑ دے۔ یا آنکھوں پر پٹی باندھ دے۔ یا کانوں میں روئی ٹھونس دے۔ اور عمر بھر کے لئے بے دُم کے اُلّو بنا کر چھوڑ دے۔ کہ جاؤ۔ اب تمہارا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ کیونکہ جسکو ہمارے جیسا زبردست۔

فان اللہ لا یھدی من یضل

"اللہ میاں گمراہ کر دیتا ہے۔ وہ راہ نہیں پا سکتا"۔ بلکہ اُلٹا ہم

جعلنا قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ (پ انعام)

"اس کے دل میں غلاف چڑھا دیتے ہیں۔ تاکہ وہ بات کو نہ سمجھ سکے" اس طرح اُلّو بنا کر ہم　　وفی اذانھم وقراً (پ۔ انعام)

"اس کے کانوں میں بوجھ بھر دیتے ہیں" اسطرح بہرہ بنا کر ہم

علی ابصارھم غشاوۃ

"اسکی آنکھوں پر پٹی ڈالدیتے ہیں" اور پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ کہ موج کرو۔ ایسی خوفناک حالت کو دیکھ کر ہمنے اس اللہ میاں کو سمجھانے کے لئے ترک اسلام میں بیسواں اعتراض کیا تھا۔ کہ وہ لوگوں کو اس طرح پر گمراہ کرتا ہوا پار نہ کرے۔ کیونکہ جب وہ خود ہی پر دار کے پر باندھتا اور کاٹتا پھرتا ہے۔ تو یہ روحانی کبوتر روحانی پرواز کیونکر کر سکتے ہیں افسوس!۔ اللہ میاں کے بھگتوں کو ہماری ہمدردانہ نصیحت بری لگی اور وہ مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ہماری بات کی مخالفت کرتے ہوئے:۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "قرآن کریم نے صاف صاف بیان فرمایا ہے۔ جہاں ارشاد کیا ہے۔

بل طبع اللہ علیھا بکفرھم

یعنی انکے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگادی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ مہر کا باعث کفر ہے۔ انسان کفر کو چھوڑے۔ تو مہر ٹوٹ جاتی ہے"۔ آنجناب کی یہ بات قرآن سے لاعلمی کا ثبوت ہے۔ اگر آپنے قرآن کو پڑھا ہوتا۔ تو ایسا کفر کا کلمہ ہرگز نہ لکھتے۔ اللہ میاں کی ضد کو اسکا پیغمبر بھی نہیں توڑسکتا۔ پھر مہر کا توڑنا تو ناہی کیا ہے۔ اگر کوئی سادہ مزاج رسول اسکے ہاتھ سے گمراہ کئے ہوئے لوگوں کو راہ ہدایت دکھانے کی کوشش بھی کرے۔ تو آسمانی مہرزن جھٹ للکار اٹھیگا۔ کہ:۔

اِنْ تحرص علے ھداھم فان اللہ لا یھدی
من یضل وما ھم من نٰصرین (پ ۱۴ - نحل)

" اگر تو للچاوے ان کو راہ پر لانے کے لئے۔ تو (خبردار۔ یاد رکھ) اللہ میاں راہ نہیں دکھاتا اُن کو جنکو کہ وہ بچلا دیتا ہے یا گمراہ کر دیتا ہے یا جھٹکا دیتا ہے۔ یا ضلالت میں غرق کر دیتا ہے۔ اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔"

حضور! آپ نہ تو پیغمبر۔ نہ رسول۔ نہ نبی۔ پھر لوگوں کی الٰہی مہریں توڑنے کا دم بھرنا چہ معنی۔! اجی میاں! اللہ بھگوان کے دربار میں حضرت نوح جیسے برگزیدہ قاصد بھی تھر تھر کانپتے تھے۔ میاں نوح کروڑوں جانوں کو غرقاب کرانے کے لئے تو اللہ میاں سے دعائیں مانگتے رہے مگر جب اُن کا بیٹا ڈوبنے لگا۔ تو ممتا بھڑک اُٹھی۔ موہ کے بندھنوں نے ان کے دلکو گھونٹ کر یہ آواز نکالنے پر مجبور کیا۔ کہ:-

رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق
وانت احکم الحاکمین (پ ۱۲ - ھود)

" ہے بھگوان۔ میرا بیٹا میرے کنبہ میں سے ہے۔ تیرا وعدہ بھی سچا ہے۔ تو حاکموں کا حاکم ہے۔" مطلب یہ کہ میرے لڑکے کو کفر کی سزا مت دینا۔ اللہ میاں تو شائد پہلے سے ہی چڑے بیٹھے تھے۔ جھٹ ڈانٹ بتائی۔ کہ:-

یٰنوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح
" اے نوح وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔ بتحقیق وہ کام برا۔"

اللہ میاں کی اس گھڑکی کا مطلب تفسیر معالم التنزیل جلد دوم صفحہ ۱۳۳ پر بقول مجاہد و حسن یہ لکھا ہے۔ کہ نوح کا لڑکا نوح کے نطفہ سے نہیں تھا۔ بلکہ وہ ۔۔۔ بچہ تھا۔ اور میاں نوح کو اس بات کا علم نہیں تھا۔ آخر اللہ میاں کو اس راز سے آگاہی دینی پڑی۔ کہ اے نوح:۔

فلا تسئلن ما لیس لک بہ علم انی اعظک
ان تکون من الجاہلین (پ ۱۲۔ ہود)

"جس بات کا تجھے کچھ پتہ نہیں ہے۔ تو وہ مجھ سے مت پوچھ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تو جاہل مت بن۔"

میاں نوح بقول شخصے نماز بخشوانے گئے۔ روزے گلے پڑے۔ اس الٰہی بھید کو سنکر انگشت بدنداں رہ گئے ہونگے۔ آخر ان کو معافی مانگنی پڑی۔ کہ ہے بھگوان:۔

انی اعوذ بک ان اسئلک ما لیس لی
بہ علم و الا تغفرلی و ترحمنی اکن من
الخاسرین (پ ۱۲۔ ہود)

"دوہائی تیری۔ میں پھر ایسی بات ہرگز نہیں پوچھونگا۔ جسکا مجھ کو علم نہیں ہے۔ ہے بھگوان۔ اگر آپ مجھے معاف نہیں کریں گے۔ اور مجھپر رحم نہیں کریں گے۔ تو میرا کوئی ٹھکانا نہیں!"

خیر جو ہوا سو ہوا۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ میاں کی مُہروں کو توڑنا اور کسی کو ڈوبنے سے بچانا آسان کام نہیں ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے۔ کہ الٰہی مُہر ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ اللہ میاں کی گستاخی کرتا ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "یاد رکھو۔ کہ کفر کرنا انسان کا اپنا فعل ہے۔ جیسے قرآن کریم نے بتایا۔ اور یہ پہلی بات ہے۔ جو کافر سے سرزد ہوئی۔"

حضور کی بات تو ٹھیک ہے۔ مگر اللہ میاں معلوم نہیں کیوں ضد کر رہا ہے۔ کہ وہ خواہ مخواہ بہ چاہ رہا ہے۔ کہ لوگ ایسے کاموں سے باز نہ آئیں۔ دیکھو اِس ضد کی شہادت:۔

ولو شاء الله ما اشرکوا وما جعلنک

علیھم حفیظاً (پ۔ انعام)

"اگر اللہ میاں چاہتا۔ تو لوگ ہرگز شرک نہ کرتے۔ اور تو اُن پر نگہبان نہیں ہے۔"

واہ! صاحب اگر اللہ میاں نہ چاہتا تو شرک کفر کیوں ہوتا اُسنے چاہا۔ تو یہ سب کچھ ہوا۔ اگر مسلمان بیچارہ اللہ میاں کا مارا اللہ میاں کی چاہ کی چاہ میں نہ گرے۔ تو اور کیا کرے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "یہ کفر خداداد روحانی قوتوں۔ طاقتوں سے کام نہ لینے سے شروع ہوا۔ جو دلکی خرابی کا نشان ہے۔"

اللہ جانے! آپ تو بڑی عقلمندی کی باتیں کرنے لگ گئے ہیں۔ میں سمجھا تھا۔ کہ آپنے اللہ میاں کی دی ہوئی روحانی پھونک اور اُس کے پھولکاروں کو ردی میں پھینک چھوڑا ہے یا بدکلامی وغصہ۔ دشنام دہی کے پاس گردی کر دیا ہے۔ مگر آپ

تولقبول ۶

از پرنیاں سر بروں زدہ پلاس

چھپے حکیم نکلے۔ اگر روحانی قوتوں اور طاقتوں سے کام نہ لینے سے کفر کا بنیادی پتھر رکھا جاتا ہے۔ تو دُنیا میں سب سے بڑے کافر وہ لوگ ہوئے۔ جو اپنی روحانی طاقتوں سے کام نہ لے کر ہر کہ شک آرد کافر گردد کے مطابق کسی بات کو اندھا دُھند اپنے اللہ میاں کا نادر شاہی پروانہ سمجھ کر مان لیں۔ مثلاً ہم نے ابھی لکھا ہے کہ میاں نوح نے اللہ میاں سے ایک بات پوچھی۔ اللہ میاں نے اسکو ڈپٹ دیا۔ کہ چپ جس بات کا تجھے علم نہیں وہ مجھ سے مت پوچھ۔ تیرا بیٹا یہ ہے وہ ہے مطلب یہ کہ مجھ سے نئی بات کا سوال مت کرو۔ جیسا میں کہتا ہوں۔ مانتے جاؤ میاں صاحب سے کوئی پوچھے۔ کہ جس بات کا ہمیں علم ہے۔ ہم اسکی بابت تجھ سے کیوں پوچھنے لگے۔ پوچھیں گے تو وہی بات۔ جس میں کہ ہمیں شک ہو۔ مگر اللہ میاں شنکا سمادھان کرنے کو جہالت بتاتا ہے۔ پھر اللہ میاں کے وہ بندے جو لقبول قرآن۔

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل
من قبلک اولیک علی ھدی من ربھم واولیک
ھم المفلحون (پ۱۔ بقرہ)

"ایمان لاتے ہیں اس پر جو ہم نے تجھ پر نازل کیا۔ اور جو تجھ سے پہلے۔ وہی لوگ اللہ میاں کی طرف سے راہ راست پر ہیں۔ اور وہی نجات پاویں گے۔"

کافر کیوں نہ ہوئے؟ کیونکہ وہ قرآن اور بائیبل یا دیگر صحف انبیاء پر اندھا دُھند ایمان لانے کے لئے مجبور کئے گئے ہیں۔ کیا وہ شخص جو قرآن اور بائیبل کی تمام باتوں کو ڈکارتا جاتا ہے۔ کبھی بھی روحانی طاقتوں یا عقل و فکر سے کام لینے والا کہا جاسکتا ہے۔؟ ہرگز نہیں پس بقول حضور قرآن کی مذکورہ بالا آیت کی درستی یوں کردینی چاہئے۔ کہ:۔

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل

من قبلک اولیک علے ضلالتہ من ربھم

واولیک ھم الخاسرون۔

"وہ لوگ جو ایمان لے آتے ہیں اسپر جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے اور جو تجھ سے پہلے اوتارا گیا۔ وہی لوگ گمراہ ہیں اللہ میاں کی طرف سے اور وہ نقصان اوٹھانے والے ہیں۔"

ورنہ یہ کہنا کہ روحانی طاقتوں سے کام نہ لینے سے کُفر شروع ہو جاتا ہے۔ کسی اللہ میاں کے بھگت مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ ہاں اگر کوئی کرشن کا بھگت ایسا کہے۔ تو مناسب ہے۔ کیونکہ شری کرشن جی مہاراج تو اندھا دُھند ایمان لانیوالوں میں سے نہیں تھے۔ وہ عقل و فکر سے کام لیتے تھے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔" یہ دوسرا فعل کافران کا ہے کہ اسنے اپنی عقل و فکر سے اتنا کام بھی نہیں لیا۔"

اللہ کرے! کہ آپ عقل و فکر سے کام لینے کی کوشش کریں!

ڈبل آمین!! ⁂

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "اگر اس میں یہ خوبی نہیں تھی۔ کہ ایمان کے لئے خود فکر کرتا۔ سوچتا۔ عقل سے آپ کام لیتا۔ تو کم سے کم رسول کریم کے بیانات کو ہی سنتا۔ کہ کفر کا نتیجہ کیسا بُرا اور کفر کا انجام کیسا بُرا ہے۔"

رسول کریم کی باتوں کو تو وہ تب سنے۔ اگر رسول صاحب عقل کی بوجھیں! رسول میاں تو آسمانوں میں اُڑتے پھریں۔ آسمانوں کے کواڑ توڑیں علے الکپ کہانیاں سنائیں۔ اور عاقل ان پر ہنسی اُڑائے۔ ایسی ایسی ہوائی باتوں کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ کہ

کفر بڑھتا گیا جوں جوں دعا کی

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "لا یومنون! یہ تیسرا فعل کافر انسان کا ہے۔ اول تو ضرور تھا۔ کہ قلب سے کام لیتا۔ جو روحانی قوت کا مرکز ہے۔ اگر اس مضغہ کو ضائع کر چکا تھا۔ تو مناسب یہ تھا۔ کہ نبی کریم کی باتیں سنتا پس کان ہی اسکے لئے ذریعہ ہو جاتے۔ کہ ایماندار بنجاتا۔"

ایماندار بنجاتا۔ حلال خور بنجاتا۔ حواری بنجاتا۔ سب کچھ بنجاتا۔ بشرطیکہ پہلے اللہ میاں سے سر منڈواتا۔ یا مومن بنجاتا۔ مگر معلوم نہیں۔ دلوں پر غلاف چڑھانیکا پیشہ اللہ میاں نے کب سے سیکھا ہے۔ کہ ذرا کسی نے اسکی بات سے منہ پھیرا۔ جھٹ پٹ نئے فیشن کا سوٹ پہنا کر کہدیا۔ کہ:۔

جعلنا فی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ (پ۔ انعام)

ہم نے ڈال دیئے ہیں۔ اُن کے دلوں پر غلاف تاکہ اسکی بات کو نہ سمجھیں"

واہ صاحب! کیا کہنا ہے۔ اس کالی وردی کا!! دل پر غلاف

چڑھ گیا۔ اب ذرا اُچھلو! کودو!! مگر دیکھنا ذرا کانوں کا خیال رکھنا کیونکہ ان میں بھی اللہ میاں نے عورتوں کے کرن پھول کی طرح کچھ نہ کچھ ٹھونس ہی دیا ہے۔ تبھی تو کہہ رہا ہے کہ:۔

وفی اذانھم وقراً (پ۷ - انعام)

"اُن کے کانوں پر بوجھ رکھ دیا ہے۔" آخا! دل پر آسمانی وردی کا غلاف۔ کانوں میں بوجھ!! اب کسر کس چیز کی ہے۔ آنکھوں پر تو اللہ میاں نے شُکھ سے عین شروع میں ہی۔

وعلی ابصارھم غشاوۃ (پ۱ - بقرہ)

پٹی باندھ دی تھی۔ یا پردہ ڈال دیا تھا۔ اب تو خاصے پردہ نشین بن گئے۔ ایسی پردہ نشیں رہیں۔

ان یروا کل آیۃ لا یومنوا بھا

"اگر تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں۔ تو بھی اُن کو نہ مانیں" کیونکہ اُن پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ بات کو ماننے کی بجائے وہ اللہ کے رسول کے پاس آکر جھگڑا کریں گے۔ اور کہہ دیں گے۔ کہ ارے میاں جو باتیں تم سُناتے ہو۔ وہ تو محض۔

ان ھذا الا اساطیر الاولین (پ۷ - انعام)

"پورانے لوگوں کے پُرانے قصے ہیں۔" یہ کئی بار رگڑے۔ پیسے گئے۔ اب تمہارے اللہ میاں کا تلوا کیوں کھُجلایا۔ اور اُسے دوبارہ الہام دینے کا چسکا کیوں چرایا۔ غرضیکہ ایسی ایسی باتوں کو دیکھ کر نہ تو وہ لوگ رسول کی بات کو ہی مان سکتے ہیں۔ نہ ہی مومن بن سکتے ہیں۔ اللہ میاں

خواہ ایک چھوڑ ہزار غلاف چڑھاتا پھرے۔ وہ کسی کا کیا بگاڑ سکتا ہے کیونکہ وہ خود ہی

من وہائی حجاب

پردہ کے پیچھے چھپ رہا ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے کئی جگہ دکھا آئے ہیں۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "اگر یہ بھی کھو بیٹھا۔ تو مناسب تھا۔ کہ پکے ایمانداروں کے چال و چلن کو دیکھتا۔ جو ایسے موقعہ پر اسی کے شہر میں موجود تھے۔ اور یہ بات اس کافر کو آنکھ سے حاصل ہو سکتی تھی۔ مگر اسنے یہ تیسرا موقعہ بھی ضایع کر دیا۔"

ایمانداروں کے چال چلن کو دیکھ کر وہ کبھی اسلامی جال میں نہیں پھنس سکتا۔ کیونکہ اس کا دل قول ان کی تائید کرتا ہے۔ کہ:۔

کب حق پرست مومن ہو جنت پرست ہے
حوروں پہ مر رہا ہے شہوت پرست ہے

اسکی نماز۔ اس کے روزے۔ اس کا حج۔ اسکی زکوۃ۔ اسکی دعا۔ اسکی ثنا۔ اسکی حمد۔ اسکی تسبیح۔ غرضیکہ تمام کی جڑ میں جنت کی خواہش موجود ہو وہ جنت کیا ہے؟ سر سید سے پوچھو گے۔ تو وہ بتاویگا۔ کہ اس جنت سے اچھے ہمارے ہاں کے چکلے ہیں۔ ایسی چیز کے خواہشمند مومنوں کے چال چلن دھرم ابھلاشی کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ نہ ہی وہ کسی شخص کے اچھے یا بُری چال چلن کو دیکھ کر دھوکا کھا سکتا ہے۔ وہ سب سے پہلے دھرم کے اصولوں کو پرکھتا ہے۔ اگر اصول ٹھیک ہیں۔ تو آدمی جہنم میں جائیں۔ اسکو انکی پرواہ نہیں۔ اگر

دہرم کے اصول ہی غلط ہیں۔ تو وہ مومنوں سے ملکر تسلی نہیں پا سکتا تم کیا کہتے ہو!!۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "غور کرو۔ اگر کوئی دانا حاکم کسی کو مختلف عہدے سپرد کردے۔ لاکن وہ عہدہ دار کہیں بھی اپنی طاقت سے کام نہ لے۔ تو کیا حاکم کو مناسب نہیں۔ کہ ایسے نکمے شخص کو عہدے سے اسوقت تک معزول کردے۔ جبتک وہ خاص تبدیلی نہ کرے۔"

اگر اللہ میاں عقلمند ہوتا۔ تو وہ تمام پیغمبروں کو پیغمبری سے یکقلم موقوف کردیتا۔ کیونکہ ان لوگوں نے سوائے چند ایک موقعوں کے کہیں بھی عقل و فکر سے کام نہیں لیا۔ محض سُنی سُنائی باتوں کا ہی تبنگڑ اور لوگوں کو اُلّو بناتے رہے۔ جیساکہ آجکل بھی آکے۔ دُگتے اللہ میاں کے الہامی شیر بعض جاہلوں۔ ان پڑھوں۔ یا کمزور دلوں کو لقمہ ایمان بنا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال کم وبیش اس گیدڑ کی سی ہوتی ہے۔ کہ جس کو کہیں سے گرا پڑا کاغذ کا پرزہ مل گیا تھا۔ وہ دوسرے گیدڑوں کو دکھا کر ع

من سلطانم و پدرم سلطان بود

کی چیخیں مارنے لگا۔ کتے پیچھے پڑے۔ تو دم ہلا کر بھاگ نکلے۔ یاردوستوں نے سمجھایا۔ کہ شاہی پروانہ دکھا دو۔ ہم گیدڑ بولا۔ ارے میاں! بھاگ بھی چلو۔ یہ لوگ ان پڑھ ہیں۔ پیغمبروں کے ہاتھ گرا پڑا پرزہ آگیا۔ لوگوں نے اُنکی حکومت سے منہ پھیرا۔ تو جھٹ بتکارا اُٹھے۔ کہ:۔

اضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ
وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوہ (پ ۲۵ - جاثیہ)

"اللہ میاں نے جان بوجھ کر اسکو گمراہ کیا ہے۔ اور اُس کے کان اور دل پر مُہر جڑ دی ہے۔ اور اُسکی آنکھ پر پٹی باندھ دی ہے۔" میاں جی! اگر اللہ میاں نے ہی یہ کرتوت کر رکھی ہے۔ تو تم مغز کھپائی کیوں کر رہے ہو۔ جاؤ! گھر میں آرام سے بیٹھو!!۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "اب اس ترتیب سے دوسری آیت پر غور کرو۔ ختم اللہ علے قلوبھم۔ مُہر لگا دی اللہ نے اُن کے دلوں پر۔ اس لئے کہ پہلے اُنہوں نے دل کا ستیاناس خود کیا۔ اور کفر کیا۔"

دیکھنا میاں! کہیں لال بجھکڑ گردنہ ہو جاوے۔ دل کا ستیاناس تو ہو چکا تھا۔ اللہ میاں نے اسپر مُہر لگا کر اور بھی اُلو بلا دیا۔ حضور! اللہ کی کلام اور اللہ کے نبی لوگوں کے خراب اور ستیاناس شدہ دلوں کو درست کرنے کے لئے آیا کرتے ہیں۔ یا ہرکاروں کی طرح صرف مُہر لگا کر ہی چلتے بھئے!! لوگوں نے کُفر کیا۔ اللہ میاں نے مُہر لگا کر اِس کُفر کو رجسٹری چھوڑ پٹینٹ کر دیا۔ اب اگر کوئی اِس رجسٹری کو کھونے کی جُرات کرے گا۔ تو اسکو وہی ڈانٹ بتائی جاویگی۔ جسکا اوپر ذکر ہو چکا۔ چلو صاحب! تم اپنے گھر۔ ہم اپنے گھر۔ اللہ میاں کی مُہر نہ ٹوٹے نہ کُفر جائے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "وعلے سمعھم اور ان کے کانوں پر۔ یہ دوسری سزا ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے اپنے کانوں سے کام نہ لیا۔"

کانوں سے تو کام لیا۔ مگر اُن کو کن رس کی بیماری نہیں تھی۔ کہ سندباد جہازی جیسے پیغمبروں کی ہوائی باتوں کو سچ مان لیتے۔ مگر افسوس! اللہ میاں کو ان لوگوں کے کان مونڈنے کی سوجھی!! بھلے میاں! کیا تیرے پاس اِن طفلانہ باتوں کے سوائے کوئی اچھا شغل نہیں ہے۔!! ہمیں یہ کان مونڈائی بُری لگتی ہے۔ جانے دو۔ اِس خراب پیشہ کو!!۔

حکیم صاحب لکھتے ہیں۔ ” وعلےٰ ابصارہم غشاوہ یہ تیسری سزا ہے۔ کہ اُنکی آنکھوں پر پٹی ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے آنکھ سے کام نہ لیا۔“

آنکھ سے تو کام لیا تھا۔ ہاں! شاید انکو چاند کے دو ٹکڑے نظر نہیں آئے ہونگے۔ یا اللہ میاں کسی درخت پر جگنوں کی طرح ٹمٹاتا نظر نہیں پڑا ہوگا۔ یا وہ ست بچنیوں کی طرح ہاتھی کو بھینس یا بھینس کو ہاتھی نہیں کہتے ہونگے یا بقول عاقل۔ ؎

اگر شاہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین

ان لوگوں نے رسول میاں کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی ہوگی۔ بس پھر کیا تھا! اللہ میاں جھٹ پٹی باندھنے دوڑ پڑے۔ کوئی پوچھے! کہ یا اللہ! تو جو اِن بھلے مانسوں کی آنکھوں پر پٹی باندھتا پھرتا ہے۔ کیا تو نے ان کا موتیا بند کاٹا ہے۔ یا آنکھ پر جراحی عمل کیا ہے۔ یا کیا!! نہ صاحب! یہ لوگ آنکھ سے کام نہیں لیتے تھے۔ اِس لئے ہم نے مناسب سمجھا۔ کہ چلو ان سوراخوں کو ہی بند کر دو۔ بھئی! ایسی آنکھ مچائی کی کھیل تو کبھی چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو کھیلتے

دیکھا تھا۔ یہ تو بات ہی کچھ اور ہے!!

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "ظاہری مثال آپنے قرآن کریم کے فہم میں دل سے اب تک کچھ کام نہ لیا۔ اور یہ بات مجھے تمہارے سوالوں سے ظاہر ہوئی ہے۔ اور نہ یہ کوشش کی۔ کہ پہلے ان سوالات کے جوابات کسی متکلم سے سنتے۔"

آخا! آخر اللہ میاں کی طرح اپنی کھونٹی پر آ گئے نہ! ہم نے تو حضور ذرا دل سے کام لیا۔ دماغ سے کام لیا۔ عقل سے کام لیا۔ فکر سے کام لیا۔ سوچ سے کام لیا۔ وچار سے کام لیا۔ صبر سے کام لیا۔ تحمل سے کام لیا۔ قرآن سے کام لیا۔ قرآن کی تفسیر سے کام لیا۔ حدیثوں سے کام لیا۔ لغاتوں سے کام لیا۔ مگر خیر الماکرین کی مکاری اور تمسخر ہمیں کچھ پسند نہ آئے۔ نہ ہی اس گمراہ کنندہ کی باتیں بھلی نظر آئیں۔ اللہ میاں کے کلام شریف کو بار بار پڑھا۔ اسے بتفسیر اُلٹا پلٹا بھی کیا۔ ٹیڑھا ترچھا بھی کر دیکھا۔ مگر مرے ہوئے مُلّا دو پیازہ کے گھٹنوں کی طرح ہمارے لئے یہ کچھ مسخروں کی سی بات ہی رہی۔ ممکن ہے اللہ میاں نے لوگوں سے دل لگی کرنے کی خاطر یہ نکمہ بنایا ہو۔ کیونکہ دل لگی کرنا اور مکر بنانا تو اس کے لئے گویا گلفند ہمیشہ ہے۔ ایسے اللہ میاں کے بھگت ہو کر اور کلجگی کرشن کے اوپاسک بنکر اگر آپ ہمارے سوالوں کو سمجھ جاتے۔ تو آنکھوں سے پٹی۔ کانوں سے بوجھ دل سے غلاف ہی نہ اُتر جاتا۔ ہمیں اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ مگر ہمیں ضرورت ہے۔ کہ ایسے لوگوں کو جواب دیتے وقت اپنے کانوں میں تو اُنگلیاں ٹھونس لیں۔ اور دوسروں کو اللہ کا نام سناتے جائیں

یہ سمجھائیں۔ کہ وہ اگر اللہ میاں کا نام نہیں سننا چاہتے۔ تو دوسروں کو کیوں سناتے ہیں۔ یا کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے سے آواز زیادہ تیز ہو جاتی ہے؟

حکیم صاحب فرماتے ہیں "اب میں آپکے آگے۔ آپکی آنکھ کے آگے یہ رسالہ رکھتا ہوں۔ دیکھئے۔ آپ روحانی آنکھ سے کام لیتے ہیں یا نہیں اگر توجہ کی اور کفر چھوڑا۔ تو دیکھ لینا مُہر ٹوٹ جائے گی۔"

اب ہم آپکے آگے آپ کی آنکھ کے آگے یہ کتاب رکھتے ہیں۔ دیکھئے آپ روحانی آنکھ سے کام لیتے ہیں یا نہیں۔ اگر توجہ کی۔ اور اسلام چھوڑا تو دیکھ لینا بہشت کا ایک محل تو ضرور ٹوٹ جائیگا۔ ہاں اللہ میاں اپنی مُہر ضرور جڑ دیگا۔ ہم نے تو آپ کے رسالہ کو اول سے آخر تک پڑھا مگر ہمیں اس میں کوئی بات ایسی نظر نہیں آئی۔ جس سے اللہ میاں کی مہر ٹوٹ سکتی۔ ہم تو آپکو دل زور سے کہہ رہے ہیں۔ کہ اللہ میاں کی مُہر ڈاک خانہ کی مُہر کی طرح کمزور نہیں ہے۔ کہ جھٹ ٹوٹ جائے۔ اجی میاں! یہ آسمانی جنرل پوسٹماسٹر صاحب کی مہر ہے۔ آپ ناحق چون وچرا کر رہے ہیں۔ بھلا کبھی ان باتوں سے تمہارا اللہ میاں اپنی مُہر زنی چھوڑ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ پھر آپ لوگ آستین چڑھا کر اور پائینچہ اُٹھا کر کیوں زن۔ بزن کر رہے ہو۔ آرام سے گھر میں بیٹھے رہو۔ نہ تمہیں کوئی چھیڑے۔ نہ بلا ئے۔ مُفت میں اللہ میاں کی طرح دل لگی کر رہے ہو۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "بات یہ ہے۔ کہ ایک عام قانون جناب الٰہی نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ جس سے

یہ تمام سوال حل ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ فلمّا زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم۔ جب وہ کج ہوئے۔ خدا نے اُن کے دلوں کو کج کر دیا۔" کج ہی نہیں بلکہ اوپر سے ٹھپہ لگا کر غلاف بھی چڑھا دیا۔ تاکہ اُن کو ہدایت کی ہوا تک بھی نہ لگ سکے۔ کیا کج باتیں بنا رہے ہیں اللہ نہ ہوا معلم الملکوت کا خانہ زاد بھائی ہوا۔ کہ گمراہ لوگوں کو ڈبل گمراہ کر دے۔ ٹیڑھوں کو اور بھی ٹیڑھا کر دے۔ اگر یہی بات ہے۔ تو وہ شیطان کو کیوں بُرا کہتا ہے۔ وہ حضرت بھی تو کچھ ایسی قسم کی دلالی کرتے ہیں۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "مہریں اسلام کی رو سے ٹوٹ بھی جاتی ہیں۔"

جن کو آپ ٹوٹنا سمجھتے ہیں۔ ان پہ اللہ میاں نے پہلے ہی مُہر نہیں لگائی ہوتی۔ ورنہ اللہ میاں کی مُہر ہرگز ہرگز پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اللہ کے رسول نے بہتیرا چاہا۔ کہ ابوجہل کی مُہر توڑ دیں۔ مگر یہ بڑے سیدہ کی گنٹھی آخری دم تک اُن کے گلے کا ہار بنی رہی بہتیرا کانا پھوسی بھی کی۔ مگر لاحاصل!!۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "ہاں تمہارے مذہب کی رو سے مہر کا ٹوٹنا ضرور محال ہے۔"

ہمارا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ دھرم ہے۔ مذہب بھیڑ چال کا نام ہے۔ کہ جدھر ایک بھیڑ نے مُنہ اُٹھایا۔ سب اسی طرف کھینچیں۔ "بھیں بھیں" کا کلمہ پڑھتی چل پڑیں۔ نہ عقل نہ تمیز۔ دھرم میں ایسی بھیڑ چال

نہیں ہے۔ یہاں عقل و فکر ہوش و حواس سے کام لیا جاتا ہے۔ ان چیزوں کو ایمان کی منڈی میں نیلام کر کے انسان مذہبی بن سکتا ہے دھارمک نہیں بن سکتا۔ ستیہ دھرم۔ وید وکت دھرم میں کوئی مہر لگانیوالا مہاراج نہیں ہے۔ اگر آپ کو کوئی اس قسم کا مہرزن شخص ملے۔ تو اس کو اللہ میاں ہی سمجھنا۔ ورنہ کوئی وید منتر دکھاؤ۔ جس میں پرماتما اللہ میاں کی طرح لوگوں کو گمراہ کرنے کا دم بھرتا ہو۔ یا ان کے دلوں پر غلاف چڑھاتا پھرتا ہو۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "اگر مہروں کا ٹوٹنا محال نہیں تو آپ کم سے کم اپنی گئو ماتا کو اس کے بھرشٹ جنم سے چھڑاتے ہمیں اسے پنڈتانی بنا کر دکھاؤ تو سہی۔ اس بیچاری کا جنم صرف سزا ہی بھوگ رہا ہے۔ کاش اسکی مہر ٹوٹتی۔ تو نہ انگریز اسے مارتے۔ اور نہ ہم پر اتنے مقدمات قائم ہوتے۔"

یہ تو آپ نے اللہ میاں کی طرح خوب مخول اڑایا ہے۔ گائے کا جنم اتنا بھرشٹ نہیں ہے۔ جتنا کہ سوئر اور بندر کا۔ مگر اللہ میاں نے مچھلی خوروں کو حکم دیا۔ کہ:۔

کونوا قردۃ خاسئین

"تم بندر بنجاؤ ذلیل" ساری کی ساری قوم اسی جنم میں بندر بن گئی۔ دوسری جگہ پر اللہ میاں نے لوگوں کو اسی جنم میں سوئر بنا دیا ہم مانتے ہیں کہ پرماتما اسی جنم میں ایک وجود کو گائے سے عورت نہیں بنا سکتا مگر آپکے اللہ میاں نے اسی جنم میں مچھلی خوروں کو بندر یا سوئر

بنادیا۔ آپ ذرا اپنے اللہ سے کہئے۔ کہ کسی مچھلی خور میرزائی کو اسی
جنم میں سوئیر یا بندر بنا کر دکھائے۔ تاکہ ہم لوگ بھی اللہ میاں کا کراماتی
ہاتھ دیکھ لیں۔ ورنہ اسی جنم میں جیسے کسی مچھلی خور میرزائی کا یا کسی اور
قوم کا بندر یا سوئیر بنا دیوالوں کی بڑ ہے۔ ویسے ہی اسی جنم میں گائے
کو پنڈتانی بنانے کی درخواست کرنیوالوں کی بات بھی سراسر جاہلانہ
ابلہانہ۔ احمقانہ۔ طفلانہ۔ کورانہ۔ جمع تمام خراب آنہ ہے۔ ہاں اپنے
منذ کرموں کی بدولت گائے کے جنم میں اس سے اچھا مرتبہ پاسکتا ہے
بشرطیکہ اس کے اعمال اس لائق ہوں۔ مگر اللہ میاں کا مارا ہوا نہ اس
جنم میں گمراہ کنندہ اللہ میاں کے ہاتھ سے نکلکر راہ راست پر آسکتا
ہے۔ نہ مرنے کے بعد۔ اگر شبہ ہو۔ تو ہمارے کسی پچھلے نمبر کو دیکھو۔ اور
لوگوں کو بہکانیوالے۔ گمراہ کرنیوالے اللہ میاں کیطرح فضول ٹھٹھہ بازی
مت کرو۔ چلو! آگے سے ہٹو! اب مولوی صاحب کی حجامت بنیگی۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ ع "بلا سے کوئی ادا انکی
بدنما ہو جا + کسی طرح سے تو مٹ جائے ولولہ دل کا۔"

پچھلے زمانہ کے ڈوموں کا قاعدہ ہوتا تھا۔ کہ جب وہ کسی بڑے
آدمی کی ملاقات کے لئے جاتے تھے۔ تو پہلے جا و بیجا تُکیں سنا لیا
کرتے تھے۔ بعدازاں اصلی مطلب بتاتے تھے۔ ہاں صاحب!
آپکی تُک تو سن لی۔ اب اصلی بات کہئے۔ سنئے مہاراج!

مولوی صاحب فرماتے ہیں "افسوس بابو صاحب!
مجھے آپکے حال پر بڑا ہی ترس آتا ہے۔"

اجی میاں ! آپ سیاپے کی نین کی طرح افسوس ذرا بس بھی کیجئے ہیں آپکا یہ پوربی لہجہ نہیں بھاتا۔ سیہ بھی سنائے۔ اور سیاپا بھی سنئے۔ افسوس کسی فرصت کے وقت کرلینا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں " یہ تحقیق اور یہ جرات۔ کہ ایک ایسی کتاب کا رد لکھنے بیٹھے۔ کہ جس کے فدائی اسوقت ۴۹ کروڑ دنیا میں آباد ہیں۔ "

بھلے آدمی!! یہ ڈوموں کی سی گپیں تو مت ہانکو ہیں ذرا کسی مردم شماری کے رجسٹر یا اللہ میاں کے بہی کھاتہ میں دکھاتو دو کہ قرآن کے فدائیوں کی تعداد اسوقت ۴۹ کروڑ ہے۔

اللہ رکھے!! چار گنا نہیں تو تگنا جھوٹ بولکر مسلمانوں کی آبادی بڑھنے سے رہی۔ ہاں اگر آپنے مردہ مسلمانوں کو بھی جیمیں شمار کرلیا ہے تو زہے قسمت۔ !!

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ جن میں ہر قسم کے لوگ عالم۔ فاضل منطقی۔ فلاسفر، حکیم، طبیب، ہئیت کے استاد۔ ریاضی کے موجد وغیرہ وغیرہ "

دم کیوں چڑھ رہا ہے۔ فقرہ تو پورا کیا ہوتا۔ یا صرف انگلیاں ہی چٹخانی تھیں۔ کیا یہ تمام مسلمانوں میں موجود تھے " یا ہیں یا " ہونگے " یا کیا ہے ؟ خیر کاتب غلط کردہ قلم بگیر و درست کن میاں جی اول تو یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ چونکہ کسی قوم میں عالم۔ فاضل ریاضی دان ہیں۔ اس لئے اس قوم کی دہرم پستک بھی معقول ہوگی۔ اگر ایسا

مکمون ہو۔ تو مسلمانوں کے عالموں۔ فاضلوں ہیئت دانوں۔ ریاضی کے موجدوں کو سالوں تک سبق دینے والے ہندوؤں کے پران بھی معقول سمجھے جاسکتے ہیں۔ دوسرے جو اصلی عالم فاضل ہوتے ہیں۔ وہ علم فضل کی بدولت اس مذہب یا کتاب کو فوراً الوداع کہہ دیا کرتے ہیں جو سچے علم وعقل کے برخلاف ہو۔ جیسا کہ عیسائیوں میں عالمان یورپ اور مسلمانوں میں نئی روشنی سے خبردار اہل اسلام اور ہندوؤں میں ویدوکت دھرم سے واقف ہندوؤں کا حال ہو رہا ہے۔ اسی طرح دنیا میں جس قدر سچے عالم فاضل پیدا ہوتے جائینگے۔ وہ بناوٹی اور جھوٹی باتوں کو ترک کر کے سچائی کو ہی اختیار کریں گے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "مزید براں یہ افسوس کہ اپنے روحانی باپ سوامی دیانندجی کا قول بھی بھول گئے۔"

ہیں ہیں!! یہ اور سیاپہ!!! سوال گندم جواب چنا۔ اچھا میاں پہلے تم سیاپہ ختم کرلو۔ پھر سوامی جی کا قول سنانا!

مولوی صاحب فرماتے ہیں "کہ جو مذہب دوسرے مذہبوں کو جن کے ہزاروں۔ کروڑوں آدمی معتقد ہوں۔ جھوٹا بتلاوے اور اپنے کو سچا ظاہر کرے۔ اس سے بڑھکر جھوٹا اور مذہب کون ہوسکتا ہے۔ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۶۹۷ یہ سوامی جی کا قول ہے جو کچھ اسپر اعتراض ہوگا۔ وہ انہی پر ہوگا۔ دیانندیو! اتنا سوچ لینا"

ہا ہا! مشکل سے سر تال کا پتہ لگا۔ اتنی دیر تک میاں صاحب بھیگی بلی کی میاؤں میاؤں کی طرح مفت کا سیاپہ اور افسوس ہی کرتے

ہے۔ آخر ٹھکانے پہ آہی گئے۔ آپ نے اللہ میاں کی طرح آدھی بات اُڑا کر ہی رنگ پلٹ دیا۔ ہمارے مہربان اللہ میاں کا بھی کچھ ایسا ہی خاصہ ہے۔ کہ وہ بائیبل میں سے ایک دو قصے کہانیاں ادھوری پدھوری اُڑا کر اپنی عربی رعایا کا دل بہلانے لگ جاتا ہے۔ آپ نے شاید مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے اللہ میاں کی یہ نقل کی ہوگی۔ خیر آپ جانیں آپ کا ایمان ہم اصلی بات ستیارتھ پرکاش میں سے یہاں لکھ دیتے ہیں۔ دیکھ لیجئے۔

ستیارتھ پرکاش صفحہ ۶۹۷

"(۷۳) پس ہم نے اُن پر مینہ کا طوفان بھیجا۔ ٹیڑی چیچڑ۔ مینڈک۔ اور لہو۔ پس ان سے ہم نے بدلا لیا۔ اور اُن کو ڈبو دیا دریا میں اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ تحقیق وہ دین جھوٹھا ہے کہ جس میں ہیں۔ اور اُن کا کام بھی جھوٹا ہے۔ (منزل دوم سیپارہ نہم سورۃ ہفتم۔ آیت ۱۱۹۔ ۱۲۲/۱۲۳/۱۲۴۔ ۱۲۵)

(محقق) دیکھئے۔ جیسے کوئی پاکھنڈی کسی کو ڈرائے۔ کہ ہم تجھ پر سانپوں کو مارنے کے لئے چھوڑیں گے۔ ویسی ہی یہ بات ہے۔ بھلا جو ایسا متعصب ہے کہ ایک قوم کو غرق کر دے۔ اور دوسری کو پار اتار دے۔ وہ خدا ادھرمی کیوں نہیں۔ جو مذہب دوسرے مذہبوں کو کہ جن کے ہزاروں کروڑوں آدمی معتقد ہوں جھوٹھا بتلاوے۔ اور اپنے کو سچا ظاہر کرے اس سے بڑھکر جھوٹا اور مذہب کون ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کسی مذہب میں سب آدمی برے یا بھلے نہیں ہو سکتے۔ یک طرفہ ڈگری

دینا سخت جاہلوں کا ہی مذہب ہے۔ کیا توریت زبور کا دین
جو کہ اُن کا تھا۔ جھوٹھا ہو گیا۔ یا اُن کا کوئی اور مذہب تھا۔ کہ جسکو جھوٹھا
کہا۔ اور اگر وہ مذہب کوئی اور تھا۔ تو کونسا تھا۔ بتلاؤ اگر اس کا نام
قرآن میں ہے ؟،،

مذکورہ بالا عبارت میں موٹے الفاظ کو بار بار نظر سے دیکھیے۔
اور پھر اللہ میاں کی قسم کھاکر بتائیے۔ کہ آیا آپکی سے بھیج عبارت اور یہ
عبارت ایکہی مطلب کو ظاہر کرتی ہے۔ یا کچھ اور۔ افسوس آپنے
یکطرفہ ڈگری دی۔ اور اتنا نہ سوچا کہ ایک فقرہ کا دوسرے سے
خاص تعلق ہے۔ جب تک اسکو مائی حوا کے ساتھ بابا آدم کی طرح نہیں
دکھایا جاویگا۔ تب تک اللہ میاں کا کارخانہ نہیں چلیگا۔ خواہ کوئی
اللہ کا بھگت اللہ کی طرح ہزار مکاری کرے۔ مگر تابہ کے ۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ " اب میں آپ کو جھول موضوعہ
نمبر ا کی طرف توجہ دلاکر سفارش کرتا ہوں۔ کہ نمبر ۱۳ اور ۱۱ اور ۱۲
کو ملاحظہ کریں۔"

آپکا جھول موضوعہ نمبر ا تو گیا گزرا۔ باقی رہے نمبر ۱۱ و ۱۲
و ۱۳ وہ یہ ہیں :-

نمبر ۱۱

جس طرح بعض غذائیں جسم کو مضر ہوتی ہیں۔ اسی طرح بعض
غذائیں روحانی طاقت کو بھی مخل ہوں۔"

نمبر ۱۲۔ بعض اوقات سلسلہ روحانی سلسلہ جسمانی

پر موثر ہوتا ہے۔ ""

نمبر ۱۳

"الہامی کتاب کی مثال طبیب اور ڈاکٹر کی سی ہے۔ جہاں ڈاکٹر بہت سی مفید چیزیں کھانیکا حکم کرتا ہے۔ ایسے ہی بہت سے مضرات سے بچنے کی بھی رائے دیتا ہے۔ اسی طرح الہی کتاب یا خود خدا تعالے بہت سے مفید امور کا حکم کرتے ہیں۔ اور بہت سی مضر باتوں سے منع کرتے ہیں۔ خواہ وہ افعال ہوں۔ یا غذائیں۔ ""

آپ فرمائے۔ کہ اللہ میاں کی مہر زنی۔ پردہ اندازی وغیرہ افعال رذیلہ کا دفاع نمبر ۱۱ سے کیونکر ہوسکتا ہے۔ ہاں صاحب اللہ میاں کی یہ کرتوتیں روحانی طاقت کے لئے سخت نقصان دہ جو ہیں!!! پھر نمبر ۱۲ کو ہمارے اعتراض سے کیا تعلق۔ کیا کہیں یہ مطلب تو نہیں ہے کہ اللہ میاں روح پر پردہ ڈالکر جسم کے کان۔ آنکھ وغیرہ میں رکھی ہوئی دیتا ہے۔ اگر یہ ہو تو آپکی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں۔ باقی رہا نمبر ۱۳ بتاؤ اسکو ہمارے اعتراض سے کیا نسبت۔ کیا اللہ میاں نے جو مذکورہ بالا اتنا سیاپہ اور رگڑا جھگڑا کیا ہے۔ وہ محض بیمار کافروں کی بھلائی کے لئے کیا ہے؟ اگر ہاں۔ تب تو اللہ میاں اچھا علاف دوز ہے۔ ورنہ آپ اپنے اصول موضوعہ کو مسجد میں بند کر چھوڑئیے۔ کسی دوسرے موقعہ پر نکالنا ابھی ان کا وقت نہیں آیا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "نبیوں کا بھیجنا بھی انہی اسباب سے ایک سبب ہے۔ جو خدا نے دنیا میں سلسلہ اسباب بنا رکھا

ہے۔ چاہے کوئی اس سے کامیاب ہو۔ یا اپنی نادانی سے نہ ہو۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس "

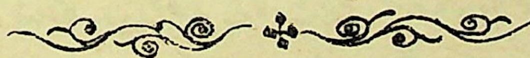
جسکو اللہ میاں گمراہ کر دیتا ہے۔ اسکو نبی چھوڑ نبی کا دادا بھی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اس کا جواب اوپر ہو چکا۔

اب ہم آپ سے اور آپکے اللہ میاں سے اگر وہ کہیں عرش سے اُتر کر نچلے آسمان پر آ بیٹھے۔ یہ پوچھیں گے۔ کہ آپنے ہماری سوال کا جواب کیا دیا۔ اور اس میاں نے قرآن میں اس قسم کی فلاسفی بھر کر کن جنگلیوں کو پھانسنا چاہا تھا؟ ہم نے آپ کا تمام جواب لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے۔ اللہ میاں کا کوئی بھگت کانوں پر انگلی رکھ کر اور اللہ اکبر کہہ کر یہ بتائے۔ کہ کیا اس قسم کے حیلے بہانوں اور چالبازیوں سے قرآن کی عزت رہ سکتی ہے۔ یا اللہ میاں کی خراب باتیں اچھی دکھائی دے سکتی ہیں۔ تعجب ہے۔ کہ اللہ میاں تو لوگوں کے کانوں کو مُوندتا۔ آنکھوں پر پٹی باندھتا۔ دلوں پر غلاف چڑھاتا پھرے۔ اور اس کے بھگت اس مورچہ بندی کو توڑنے کی فضول کوشش کریں۔ کیا یہ بچوں کی سی بات نہیں ہے۔ ایک بچہ تو یہ کہے "وے للہ! دیکھ! میں نے مٹھی بند کر لی ہے۔ اب تو ذرا اسے کھولکر دکھا"۔ دوسرا لڑکا خوب زور لگائے۔ آخر کار ہار کر بیٹھ جائے۔ کہہ دے جا! میاں مجھسے تیری مٹھی نہیں کھلتی۔ پہلا ہنس پڑے۔ "وے للہ! کتنا زور لگا۔ مٹھی تو کھلنے سے رہی۔" رسول

کتنا زور لگا ہیں۔ مگر جن کو اللہ میاں نے گمراہ کر دیا ہے۔ یا جنکے دلوں پر اس نے گمراہی کے تو بڑے چڑھا دئے ہیں۔ وہ تو سیدھے راستہ پر آنے سے رہے۔ افسوس ہے اس الٹرپن پر!! معلوم نہیں۔ ہمارے علماء اسلام کی نظروں پر اللہ میاں نے کیسی پٹی باندھ رکھی ہے۔ کہ وہ ان موٹی موٹی باتوں کو بھی نہیں دیکھتے معلوم نہیں اللہ میاں نے ان کے کانوں میں کیا ٹھونس رکھا ہے۔ کہ وہ ایک حق پسند کی بات کو بغور سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے معلوم نہیں اللہ میاں نے ان کے دلوں پر کیسے غلاف چڑھا رکھے ہیں۔ کہ وہ اسلام کے دائرے سے منہ باہر نکال کر کسی بات پر آزاد آنہ سوچنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ کاش! اے اسلام کے بیڑے کی ملاحو! تمہیں خبر ہوتی۔ کہ تم کتنے آتماؤں کی ذمہ داری کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے بھنور کی طرف جا رہے ہو۔ پڑھے لکھے مسلمان تمسے متنفر ہو کر الگ ہوتے جاتے ہیں۔ اور دن بدن الگ ہونیکی کوشش کر رہے ہیں۔ ان پڑھ بیچارے اپنے دین و ایمان کو تمہاری آواز فروخت کئے بیٹھے ہیں۔ اگر تم راہ راست پر آجاؤ۔ تو وہ بھی بچ سکتے ہیں۔ میں تمہارا ادنےٰ خدمتگار ویدک دھرم کے لائیٹ ہوس "Light House" پر کھڑا ہو کر تمہارے منجدھار کی طرف جانیوالے بیڑے کو ویدک دہرم کی روشنی پیش کر کے ایکدفعہ تو شور مچا کر تمہیں سنانا چاہتا ہوں۔ کہ جس اللہ میاں کے پنجے میں تم پھنس رہے ہو۔ وہ ہرگز ہرگز کوئی وجود نہیں ہے اگر بفرض محال اس کا وجود مان بھی لیا جاوے۔ تو وہ از سر تا پا قابل نفرت

ہے۔ وہ خود گمراہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ کسی کو راہ راست نہیں دکھا سکتا۔ الٹا گمراہ کرتا ہے۔ اور اس گمراہی کا خود ہی معترف ہے۔ میں التماس کروں گا۔ کہ ایسے گمراہ کنندہ کا پیچھا چھوڑ کر اس پرم پوتر پرماتما کی طرف منہ کرو جو کسی کے دل و دماغ پر مہریں نہیں لگاتا پھرتا بلکہ وہ بنی نوع انسان کو ستیہ دھرم کا اُپدیش کرتا ہے ستیہ کے پالن کی تاکید کرتا ہے۔ وہ ہمیں عقل سے کام لینے اور عقلمندوں کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے لئے حکم دے رہا ہے۔ ہم اُمّی۔ ان پڑھ۔ کالا اکھشر بھینس برابر رہ کر نہ اپنا بھلا کر سکتے ہیں۔ نہ کسی بیوقوف کے پیچھے بھٹک کر کسی دوسرے کا بھلا کر سکتے ہیں۔ ایسا ہو۔ کہ آپ خیر الماکرین کے پنجے سے نکلکر اس مہان پربھو کی شرن لے سکو۔ جسکی بابت رہبر کامل بتاتا ہے۔ کہ:-

कस्त्वा युनक्ति स त्वा युनक्ति क-
स्मै त्वा युनक्ति तस्मै त्वा युनक्ति
कर्मण वांवेषाय वाम्॥



ओ३म्

जातवेदसे सुनवाम सोममरातीयतो नि दहाति वेदः। स नः पर्षदति दुर्गाणि विश्वा नावेव सिन्धुं दुरितात्यग्निः॥ ऋ० १।९९।१

[illegible] جس طرح ملاح کشتی کے ذریعہ دریا کو عبور کرسکتے ہیں [illegible] سے سمندر کو عبور کر سکے [illegible]

مکتی کا سکھ حاصل کرسکیں ۔

دسویں فصل

اعتراض ۲۱

اندھیر نگری

راجہ گھوڑا ہے۔ پرجا گاڑی ہے۔ چلتے وقت گھوڑا آگے ہوتا ہے۔ گاڑی پیچھے ہوتی ہے۔ گھوڑا گاڑی کو کھینچا کرتا ہے۔ گاڑی گھوڑے کو نہیں کھینچا کرتی۔ وہ گھوڑا بڑا مورکھ ہے۔ جو گاڑی پر سوار ہوکر یہ تمنا کرتا ہے۔ کہ گاڑی آگے بڑھے۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جہاں کھڑی ہے۔ کھڑی رہیگی۔ بلکہ کھڑی کھڑی

گل سڑ جائے گی۔ دنیا میں جتنی سلطنتوں کی گاڑیاں تباہ ہوئی
ہیں۔ ہو رہی ہے۔ اور آئندہ ہونگی۔ وہ زیادہ تر اسوجہ سے تباہ
ہوئی یا ہوتی ہیں۔ یا ہونگی۔ کہ اُن کو چلانے والے اپنی اصلی جگہ
کو بھول گئے۔ اُن کے دماغ میں یہ فاسد خیال گھس گیا۔ کہ ہم
رعایا کے لئے نہیں ہیں۔ بلکہ رعایا ہمارے لئے ہے۔ وہ خادم کی
بجائے مخدوم۔ نوکر کی بجائے آقا۔ کھینچنے والوں کی بجائے کھینچے جانے
والے بن گئے۔ نتیجہ وہی ہوا۔ جو ہونا چاہئیے تھا۔ وہ خود تباہ
ہو گئے۔ رعایا کو تباہ کر گئے۔ دنیا میں کسی ملک۔ کسی قوم کی گزشتہ
تواریخ پر نظر مارو۔ اگر وہ تباہ ہوگئی ہے۔ تو اس کے کھنڈرات پر
مذکورہ بالا اصول کی خلاف ورزی کی خاک اُڑ رہی ہوگی۔ اہل روم
کی شکستہ گاڑی۔ اہل یونان کا ٹوٹا چھکڑا۔ اہل فارس کا بگڑا ہوا چھکڑا
اہل ہند کا بوسیدہ رتھ وغیرہ وغیرہ تمام الابلا ایسے ہی گھوڑوں کے
دولتوں سے ٹوٹی ہوئی یادگاریں ہیں۔ گو اب یہ محض تواریخی
کھنڈرات ہیں۔ مگر پھر بھی عقلمندوں کو غضب کا سبق دے
سکتے ہیں۔ یہ تمام سلطنتیں خاک میں مل گئیں۔ مگر جس اصول کی
مخالفت نے اُن کو خاک میں ملایا۔ وہ اصول اب بھی برابر اپنا
کام کر رہا ہے۔ اور کرتا رہیگا۔ جن بادشاہوں یا راجاؤں نے اس
اصول کو سمجھا۔ اُنہوں نے رعایا پروری میں راتدن کوشش کی
لوگ اپنے گھروں میں میٹھی نیند سوتے ہیں۔ مگر اُن کا رتھ اپنا کام
کر رہا ہے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں مست ہیں۔ مگر اُن کا بادشاہ

تھیں بلکہ اپنی رعایا کا حال معلوم کرنے کے لیے محلوں کو چھوڑ کر گاؤں
میں گھومتا پھرتا ہے۔ بھلا جس پرجا کی پاسبانی کرنیوالا راجہ ہو۔ اُسکو چور
کیونکر لوٹ سکتے ہیں جس رعایا کا پرساں حال بادشاہ ہو۔ وہ کبھی
مبتلا نہیں رہ سکتی۔ وقت تھا۔ کہ زار روس اور کسان ایک ہی
جھونپڑی میں خس و خاشاک کے بسترے پہ سویا کئے۔ وقت تھا کہ زار
کی حالت زار پر اُسکی رعایا زار زار ہمدردی کے آنسو بہاتی تھی۔ وقت
تھا۔ کہ زار اپنی رعایا کی بہبودی کے لئے ترکھانوں اور ملاحوں کا
شاگرد بنا پھرتا تھا۔ مگر وقت ہے کہ زار کو جان کے لالے پڑے ہیں
کسان کی جھونپڑی میں تنہا سوتا تو درکنار وہ اپنے محلوں سے باہر بھی
تنہا نہیں نکل سکتا۔ رعایا کی پاسبانی تو ایک طرف اُسکی اپنی پاسبانی کے
لئے ہزاروں سپاہیوں کی ضرورت ہے۔ وہ زار زار رو رہا ہے۔ مگر
اپنی تمام سلطنت میں سوائے اپنی بیوی کے کسی کو تسلی دینے والا نہیں
دیکھتا۔ وہ درد سے بھر رہا ہے۔ مگر اُس کا ہمدرد کون !! لوگ اُسکے
ملک کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ جو باقی ہیں۔ وہ فساد پر تلے بیٹھے
ہیں۔ یہ وہی نقشہ ہے۔ جو کسی وقت فرانس کا تھا۔ فرانس کے بادشاہ
رعایا کی گردن پر سوار ہو گئے۔ آخر ٹپکے گئے۔ ایسا ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ
رعایا خور راجہ آدمی نہیں گدھ ہے۔ گدھ کا انسانوں سے کیا تعلق۔
زار کو کہا جاتا ہے۔ کہ وہ رعایا کی آواز سنے۔ انسے مشورہ لیکر کام کرے
مگر اُس کے دماغ میں ابھی تک وہی جنگلی خیال سمایا ہوا ہے۔ جو کسی
وقت میں تقریباً تمام ملکوں کے بادشاہوں کے دماغ میں گھسا رہتا

تھا۔ وہ یہ کہ بادشاہ دیوتاؤں کی اولاد ہوتے ہیں۔ انسانوں کو اُن کے سامنے چون وچرا نہیں کرنی چاہئے۔ وہ اپنے شاہی حقوق کو سمجھتے ہیں مگر کروڑہا انسانوں کے حقوق اسکو دکھائی نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چاروں طرف آہ وزاری ہے۔ شور وشر ہے۔ زار پر ہی کیا منحصر ہے دُنیا میں جتنے بھی ایسے رعایا خور راجہ ہیں۔ ان سبکا یہی حال ہے۔ وہ خود ترساں ولرزاں ہیں۔ اُنکی رعایا خستہ حال ہے۔ مُلک تباہ ہو رہا ہے ٹرکی۔ ایران وغیرہ کے بادشاہ بھی ابھی تک اپنے آپکو آسمانی دیوتا کا مظہر سمجھے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ اُن کو رعایا کا مظہر بننے کی سخت ضرورت ہے۔ ایسے بادشاہ اگر راہ راست پر آنا بھی چاہیں۔ تو نہیں آسکتے۔ کیونکہ اُن کے بانی امرا و وزرا اُن کے کان بھرتے رہتے ہیں۔ کہ اگر ایسا کروگے تو پچتاؤ گے۔ حضور کے شاہی حقوق مارے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ افسوس! امیروں۔ وزیروں اور خوشامدیوں کا سیاہ بادل رعایا کی اصلی حالت کو بادشاہ پر منکشف نہیں ہونے دیتا۔ اُنکی آہ وزاری بادل سے اودھر ہی رہجاتی ہیں۔ خوشامدی اور خود غرض لوگوں سے اگر محل نشین بادشاہ رعایا کا حال پوچھتا بھی ہے۔ تو وہ جھٹ ہاتھ جوڑ کر کہہ دیتے ہیں۔ کہ حضور! سب فارغ البال ہیں۔ دن عید اور رات شبرات منا رہے ہیں۔ بھلا ایسی صورت میں دادرسی کہاں!! اس قسم کے بادشاہوں کی تعداد آئے دن کم ہوتی جاتی ہے۔ ایسا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ انسان ظلم کرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ عدل وانصاف ہی اس کا دھرم ہے۔ عادل راجہ رعایا کی پکار کو سنتا ہے۔ اُنکی تکالیف کو دور

کرتا ہے۔ پہلے زمانہ کے بعض راجہ مہاراجہ بھیس بدلکر رعایا کا حال دریافت کرنے کے علاوہ دربار عام بھی کیا کرتے تھے۔ مظلوم بذات خود اپنا حال سناتے اور وہ سنتے تھے۔ بعض بادشاہوں نے امیروں وزیروں کی مداخلت بیجا کو برطرف کرنے کے لئے برسر بازار گھڑیال لگا رکھے تھے مظلوم نے اسے بلایا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ فوراً شاہی آدمی دوڑ آیا۔ دادخواہ کو داور کے پاس لے گیا۔ اسطرح براہ راست اس کے دُکھ کا علاج ہوگیا۔ مگر ان راجاؤں پہ افسوس ہے۔ جو عدل و انصاف کا دم بھرنیوالے ہوکر رعایا کی اصلی حالت سے کچھ اندھیرے میں رہتے ہیں۔ مانا کہ وہ زار روس کی طرح رعایا خور نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی عام لوگوں کی اصلی حالت ان پر کما حقہ ظاہر نہیں ہوتی۔ اُن کا اپنا قصور نہ ہو۔ مگر ان دلالوں کا قصور ضرور ہے۔ جو بیچ میں بطور پردہ کے حائل رہتے ہیں مظلوم ان تک براہ راست نہیں جا سکتا۔ راستے میں دربان اور چوبدار کھڑے ہیں۔ پہلے ان کا مُنہ میٹھا کرے۔ تو اسکی عرضداشت آگے پہنچ جا سکتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ دیہاتی لوگ عدل و انصاف کی خاطر کچہریوں اور عدالتوں میں جاتے ہیں۔ انکو پورا یقین ہے۔ کہ حاکم عادل ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ مگر کچہری کے دوسرے بھلے مانسوں کا کیا علاج۔!! ادھر عرضی نویس بیٹھا ہے۔ دو انگلیاں اُٹھا کر اشارہ کر رہا ہے۔ کہ اتنا دلواؤ۔ ورنہ جاؤ۔ اُدھر نقل نویس ہے۔ کہ سکندر کیطرح ایک آنکھ سے تو حاکم کی طرف دیکھ رہا ہے دوسری آنکھ سے سائل کو گھور رہا ہے۔ انگلیاں دکھا رہا ہے۔ کہ دلواؤ۔ دلواؤ۔ ورنہ نقل نہیں ملیگی۔ سائل بیچارہ قسمت کا مارا ہاتھ جوڑ کر

اٹھنی سامنے رکھتا ہے۔ تو میاں صاحب منہ موڑ کر لکھنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ سائل پوچھتا ہے۔ حضور! نقل!! جواب ملتا ہے۔ چل! چل! ذرا آرام کر! ابھی ہم کام کر رہے ہیں۔ دیہاتی پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ چند گھنٹوں کے بعد پھر یہی سر ہو جاتا ہے۔ لالہ صاحب دفتر بند کر کے چلدیتے ہیں۔ کہ کل آنا۔ وہ کل آتا ہے۔ پھر وہی حالت! آخر لالہ جی کا منہ بھرتا ہے۔ تو چھٹکارا ہوتا ہے۔ راستہ میں چپڑاسی نے الگ دق کیا۔ دوسرے کلرکوں وغیرہ نے الگ جان کھائی۔ بڑے حاکم نے تو چھوڑ دیا۔ مگر یہ چھوٹے حاکم چھوڑنے میں نہیں آتے۔ ان دکھوں سے بچنے کے لئے تجربہ کار مقدمہ باز دیہاتی لوگ بجائے چھوٹے حاکموں کے پنجے میں پھنسنے کے سیدھے اپنے وکیل کے پاس چلے جاتے ہیں۔ مگر وکیل صاحب کے خودغرضی سے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھ قلم پکڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ جب تک کہ سائل ان کو روپیہ کی گرمی پہونچا کر گرم نہیں کر دیتا۔ جب اسکو کچھ نذرانہ مل جاتی ہے۔ تب تو وہ فوراً اسد میاں کی طرح قائل یا سائل کا بیان لکھنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ کہ ہاں! ہاں اب تو:-

کلا سنکتب ما یقول ونمد له من عذاب
مدا (پ ۱۶ - مریم)

"ہم ضرور لکھیں گے۔ جو کچھ کہ وہ کہتا ہے۔ اور اسکو (سائل کو یا فریق ثانی کو؟) خوب لمبا چوڑا عذاب دیں گے۔" درحقیقت وہ دونوں فریقوں کو ہی عذاب دینے کا باعث ہوتا ہے۔ جسکی وہ طرفداری کرتا ہے اسکی تو جیب خالی کرا ہی لیتا ہے۔ جسکے برخلاف بولتا ہے۔ اسکو تو زبان

حال سے دھمکی دے رہا ہے۔ کہ اچھا میاں!

ونرثہ مایقول ویاتینا فردا (پ ۱۶ - مریم)

"ہم کبھی تو اسکی باتوں کا بدلا نکالیں گے۔ کبھی تو وہ ہمارے پاس اکیلا آوے گا۔" دکیلوں کی ایں قسم کی جھپٹ اور گیدڑ بھبکی مخالف کا خون خشک کردیتی ہے۔ خاصکر اس صورت میں جبکہ مجرم لوگوں کو حاکم کی طرف سے یہ بھی دھمکی دی جاتی ہو۔ کہ ارے فسادی لوگو! تم باز نہیں آتے ہو۔ اب

نسوق المجرمین الی جہنم وردا (پ ۱۶ مریم)

"ہم مجرموں کو جہنم کی طرف ہانک لیجائیں گے۔ تم نہ تو راضی نامہ کرتے ہو۔ نہ اپنے وکیلوں کا کہنا مانتے ہو۔ دیکھو اب کسی کی

لایملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمن عہدا

"وکالت نہیں سنی جاویگی۔ مگر اس شخص کی کہ جس کے پاس مہربان حاکم کا عہدنامہ موجود ہے۔" مہربان حاکم اسی واسطے تو وکیل لوگوں کو وکالت کی سند دیدیتے ہیں۔ کہ آڑے وقت پر کام آویں بلاسند کا وکیل کس مصرف کا! مگر سند یافتہ وکلاء کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اناپ شناپ بولتے جاویں۔ بلکہ وہ اللہ میاں کے فرشتوں کیطرح۔

یقوم الروح والملٰئکۃ صفا (پ ۳۰ - نبا)

"قطاریں کھڑے رہتے ہیں۔" اور وہ

لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمٰن (پ ۳۰ - نبا)

"بول نہیں سکتے۔ جب تک کہ ان کو مہربان حاکم بولنے کا حکم نہیں دیتا۔"

بولنے کا حکم ملجاتا ہے۔ تو بحث شروع ہو جاتی ہے۔ مگر یہ نہیں ہوتا۔ کہ وہ بعید از معقولیت باتیں بنانے لگ جاویں نہیں بلکہ

وقال صواباً (پ ۳۰۔ ۲)

"اُن کو مہذبانہ پیرایہ میں بات چیت کرنی چاہیئے" خاص کر جبکہ اُن کو یہ معلوم ہو جاوے۔ کہ

ذالک الیوم الحق (پ ۳۰۔ ۲)

"آج فیصلے کا دن ہے" فیصلہ سُنا دیا جاتا ہے۔ جس کے حق میں فیصلہ ہوتا ہے۔ وہ تو خوب ناچتا کودتا خوشیاں مناتا ہے۔ مگر جس کے برخلاف ہوتا ہے۔ وہ یہ کہتا پھرتا ہے۔

یالیتنی کنت ترابا (پ ۳۰۔ ۲)

"کاش میں مٹی ہوتا۔" اور وہ اکثر مرنے کی آرزو کیا کرتا ہے۔ وکیل کو بھی گالیاں سُناتا ہے۔ اور حاکم کو بھی۔ مگر فتحیاب انسان کے لیے وکیل صاحب رحم مجسم۔ عدل مجسم۔ حق مجسم ہیں۔ وہ جانتا ہے۔ کہ ان لالہ کی بدولت میں اپنے مطلب میں کامیاب ہو گیا۔ اس لیے وہ انکی ہر طرح سیوا کرنے کے لیے تیار ہے۔ مگر یہاں غلطی یہ ہے۔ وکیل عدل مجسم نہیں ہے نہ ہی وہ عدل و انصاف کی خاطر فریق مخالف سے جھگڑتا ہے۔ نہیں نہیں وہ اپنے روپیہ کی خاطر جنگ کرتا ہے۔ کیونکہ سائل نے نصف کا وعدہ مقدمہ جیتنے پر ملتوی کر رکھا ہے۔ اس میں مطلق شک نہیں

کہ مدعی اور مدعا علیہ میں سے ایک سچا اور دوسرا جھوٹا ہے۔ ایک مظلوم دوسرا ظالم ہے۔ مگر وکیل دونوں طرف سے جھگڑ رہے ہیں۔ اور دونوں ہی بزعم خود سچائی پر مر رہے ہیں۔ حق پسند مانتے ہیں۔ کہ ان میں سے ایک تو ضرور ظالم کی حمایت کر رہا ہے۔ جھوٹے کے لئے لڑ رہا ہے کوئی مقدمہ لو سب میں یہی حال پاؤ گے۔ جو دھرم دوست وکیل ہوتے ہیں۔ وہ جھوٹے آدمی کو فوراً تاڑ جاتے ہیں۔ اور کبھی اس کا مقدمہ نہیں لیتے مگر جو زر دوست ہوتے ہیں۔ وہ سچ اور جھوٹ کو نہیں دیکھا کرتے۔ انکے سامنے روپیہ ہوتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ بیچارہ سچا آدمی اپنے وکیل کی کمزوری کیوجہ سے ہار جاتا ہے۔ اور جھوٹا جیت جاتا ہے۔ حاکم اعلیٰ وکیلوں کی بحث سے نتیجہ نکالکر فیصلہ دیدیتا ہے۔ وہ علیم کل نہیں ہے۔ نہ ہی وہ غیب داں ہے۔ کہ بلا مدد غیرے سچ جھوٹ کو تاڑ جائے اگر وہ علیم کل ہو۔ تو اسکو وکیلوں اور گواہوں کی ضرورت ہی نہیں پڑ سکتی وکیلوں کی وکالت بعض اوقات مجرموں کو رہا۔ اور معصوموں کو گرفتار کرا دیتی ہے۔ مگر انسان کیا کرے۔ ایک طرف تو وہ ظالم یا مظلوم ہے دوسری طرف اسکو یہ یقین ہے۔ کہ حاکم غیب داں نہیں۔ نہ ہی اسکو یہ بھروسہ ہے۔ کہ بڑے صاحب کا فیصلہ ضرور سچے کے حق میں ہی ہوگا۔ لاچار وکیلوں کے پیچھے بھاگتا ہے۔ غرضیکہ مقدمہ بازی کے ساتھ ساتھ وکیلوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ وکالت کا یہ سلسلہ زمین سے لیکر آسمان تک پھیل رہا ہے۔ دنیا کی اندھیر نگری کا حال تو دیکھ لیا۔ اگر کسی کو آسمانوں کی عدالت میں جانے کی ضرورت پڑے۔ تو وہاں بھی

وکیل کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہاں عیسائیوں کی طرف سے جھگڑنے والا الگ بیرسٹر ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے الگ مختار ہے۔ آسمانی لاٹ صاحب نے ایسے ایسے لوگوں کو وکالت کی سندیں دے رکھی ہیں۔ سند یافتہ وکیلوں کے سوائے وہاں کوئی کسی کی طرف سے وکالت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ گو:-

وکم من ملک فی السموات لا تغنی شفاعتھم
شیئاً (پ۲۷ - نجم)

آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں۔ مگر انکی وکالت کسی کام کی نہیں ہے۔" الا اس صورت میں۔ کہ:-

ان یاذن اللہ لمن یشاء و یرضی (پ۲۷ - نجم)

" اللہ میاں ان کو حکم دیدے۔ جس کے حق میں چاہے اور راضی ہو۔" تب وہ بیشک وکالت کرسکتے ہیں۔ مگر اللہ میاں کے رسول کی بات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سوائے ایک شخص کے کوئی دوسرا وہاں کسی کی شفاعت نہیں کرسکیگا۔ چنانچہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے:-

" انس بن مالک سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن سب مومن اکٹھے ہونگے۔ پھر اللہ۔ ان کے دلوں میں ڈال دیگا۔ کہ کاش ہم کسی کی سفارش اپنے مالک کے پاس پہنچائیں تاکہ اس تکلیف سے راحت حاصل کریں۔ وہ سب حضرت آدم کی خدمت میں آویں گے۔ اور کہیں گے۔ آپ آدم ہیں۔ سارے آدمیوں کے باپ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اور اپنے فرشتوں سے آپکو سجدہ کروایا

اب آپ ہماری سفارش کیجئے ہمارے مالک سے۔ وہ ہمیں اس جگہ سے نکالکر کہیں آرام دیوے۔ وہ کہیں گے۔ میں اس لائق نہیں۔ اور وہ اپنے گناہ کو یاد کرکے لوگوں سے کہیں گے۔ اور انکو شرم آویگی۔ وہ کہیں گے البتہ تم نوح کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں جنکو اللہ تعالےٰ نے زمین والوں کے پاس بھیجا۔ یہ سب لوگ حضرت نوح کے پاس آوینگے۔ وہ کہیں گے۔ میں اس لائق نہیں۔ کہ خدا کے سامنے جاؤں۔ اور وہ اپنے اس سوال کو یاد کریں گے۔ جو انہوں نے اللہ تعالےٰ سے دنیا میں کیا تھا جسکا انہیں علم نہ تھا۔ اور شرم کریں گے (یہ خدا کی ڈانٹ میں اوپر بتا چکا ہوں) وہ انکو کہیں گے۔ کہ تم حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ۔ جو اللہ کے دوست تھے۔ وہ ان کے پاس آویں گے۔ وہ کہیں گے میں اس لائق نہیں (کیونکہ انہوں نے تین بار سفید جھوٹ بولا تھا جسکا اوپر ذکر ہو چکا ہے) وہ بولیں گے تم حضرت موسےٰ کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں۔ جنسے اس نے بات کی اور ان کو توریت شریف عنایت کی۔ یہ سب لوگ حضرت موسےٰ کے پاس آویں گے۔ وہ کہیں گے میں اس لائق نہیں۔ اور وہ اس قتل ناحق کو جو انہوں نے کیا تھا یاد کریں گے (اس خون کا بھی اوپر ذکر ہو چکا ہے) تم حضرت عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ خدا کا کلمہ اور روح ہیں۔ جب وے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آویں گے۔ وہ ان سے کہیں گے کہ میں اس لائق نہیں۔ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے اگلے اور پچھلے سب قصور معاف کردئے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا۔ آخر یہ سب لوگ میرے پاس آویں گے۔ میں چلونگا۔ دو صفوں

کے درمیان میں اپنے مالک سے اجازت مانگونگا۔ مجھہ کو اجازت ملیگی
میں جب اپنے مالک کو دیکھوں گا۔ اُسیوقت سجدے میں گر پڑونگا۔ وہ جب
تک اس کو منظور ہے مجُھ کو سجدے میں ہی رہنے دیگا۔ پھر مجھے حکم ہوگا۔ اے
محمد سر اُٹھا۔ اور کہ جو تو کہیگا۔ ہم اُسکو سُنیں گے۔ اور مانگ کیا مانگتا ہے
ہم وہی دیں گے۔ اور جسکی تو سفارش کریگا۔ ہم منظور کریں گے۔ میں اس کی
تعریف شروع کرونگا۔ لیکن میری شفاعت کے لئے ایک حد مقرر کردیجاویگی
پروردگار اُن کو جنت میں داخل کردیگا۔ بعد اس کے میں دوبارہ لوٹ کر اپنے
مالک کے پاس آونگا۔ اور اسکو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑونگا۔ وہ
جب تک مُجھکو منظور ہے۔ مجھہ کو سجدے میں ہی رہنے دیگا۔ پھر مجھ سے کہا
جاویگا۔ اے محمد سر اوٹھا۔ اور کہ تیری بات سُنی جاویگی اور مانگ جو کچھہ مانگتا
ہے۔ تجھکو دیا جاوے گا۔ اور شفاعت کر تیری شفاعت قبول ہوگی۔ میں
اسکی تعریف کروں گا۔ جسطرح وہ مُجھہ کو خود سکھلاویگا۔ بعد اس کے شفاعت
کرونگا۔ لیکن ایک حد مقرر کردیجاویگی۔ مالک اُن لوگوں کو بھی جنت
میں داخل کردیگا۔ پھر میں تیسری بار مالک کے پاس لوٹ کر آونگا۔ اور
اُسکو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑونگا۔ وہ جب تک اُسکو منظور ہے مجُھ کو
سجدہ میں پڑا رہنے دیگا۔ پھر مجُھ کو حُکم ہوگا۔ اے محمد سر اُٹھا۔ کہو تمہاری
بات سُنی جاویگی۔ مانگو تمکو دیا جاویگا۔ اور شفاعت کرو۔ تمہاری شفاعت
قبول ہوگی۔ میں اپنا سر اوٹھاؤں گا۔ اور اپنے مالک کی تعریف کروں گا
جسطرح سے وہ خود مجُھہ کو تعلیم کرے گا۔ پھر میں شفاعت کرونگا۔ لیکن
ایک حد مقرر کردیجاوے گی۔ اللہ میاں اُن کو بھی جنت میں داخل کردیگا

پھر میں چوتھی بار لوٹ کر آؤنگا۔ اور عرض کروں گا۔ اے مالک اب تو کوئی باقی نہ رہا۔ صرف وہ لوگ باقی ہیں۔ جو قرآن کی رو سے دوزخ میں رہنے کے لائق ہیں۔ سنن ابن ماجہ صہ ۴۲۳ - ۴۲۵ "

غرضیکہ بڑے میاں کے حضور میں وکیلوں اور شفیعوں کی خوب سُنی جاویگی۔ قرآن و حدیث کی اس قسم کی باتوں سے ہمیں شُبہ پڑتا ہے۔ کہ اللہ میاں اندھیر نگری کا راجہ ہے۔ اگر وہ علیم کُل ہو۔ تو اُسکو وکیلوں کی ضرورت نہیں پڑسکتی۔ اس اندھیر کھاتے کو دیکھ کر ہمنے ترک اسلام میں اکیسواں اعتراض اللہ میاں کے وکیلوں کے متعلق کیا تھا ہمارے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "اصول موضوعہ نمبر ۶ اور دیباچہ ستیارتھ پرکاش صہ دیکھ لیتے۔ تو کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے۔"

حضور کا اصول موضوعہ نمبر ۶ یہ ہے۔

"ہر ایک کلام کے صحیح معنے وہی ہونگے۔ جو متکلم آپ بیان کرے یا اس کے منشا اور مشن کے مطابق ہوں۔ متنازعہ کلام کے متصل ہی متکلم کا بیان ہو۔ یا آگے پیچھے۔ بیان حالی ہو۔ یا مقالی یعنی وہ اپنے کلام کا مطلب لفظوں میں بتلاوے۔ یا اسکی وضع اور طریق برتاؤ سے ظاہر ہو اس اصول کو سوامی دیانند جی نے بھی دیباچہ ستیارتھ میں منظور بلکہ خود تجویز کیا ہے۔ صفحہ ۷ "

بتاؤ تمہارے اس اصول کو ہمارے اس اعتراض سے کیا تعلق؟ کیا ہمنے اللہ میاں کیطرح قرآن کی آیتیں بدل دی ہیں۔ یا ان کو منسوخ کردیا ہے

کے درمیان میں اپنے مالک سے اجازت مانگونگا۔ مجھہ کو اجازت ملیگی میں جب اپنے مالک کو دیکھوں گا۔ اسیوقت سجدے میں گر پڑونگا۔ وہ جب تک اس کو منظور ہے مجھ کو سجدے میں ہی رہنے دیگا۔ پھر مجھے حکم ہوگا۔ اے محمد سر اٹھا۔ اور کہ جو تو کہیگا ہم اسکو سنیں گے۔ اور مانگ کیا مانگتا ہے ہم وہی دیں گے۔ اور جسکی تو سفارش کریگا۔ ہم منظور کریں گے۔ میں اس کی تعریف شروع کرونگا۔ لیکن میری شفاعت کے لیئے ایک حد مقرر کردیجاویگی پروردگار ان کو جنت میں داخل کردیگا۔ بعد اس کے میں دوبارہ لوٹ کر اپنے مالک کے پاس آؤنگا۔ اور اسکو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑونگا۔ وہ جب تک مجھکو منظور ہے۔ مجھہ کو سجدے میں ہی رہنے دیگا۔ پھر مجھ سے کہا جاویگا۔ اے محمد سر اوٹھا۔ اور کہ تیری بات سنی جاویگی اور مانگ جو کچھہ مانگتا ہے۔ تجھکو دیا جاوے گا۔ اور شفاعت کر تیری شفاعت قبول ہوگی۔ میں اسکی تعریف کروں گا۔ جسطرح وہ مجھہ کو خود سکھلادیگا۔ بعد اس کے شفاعت کرونگا۔ لیکن ایک حد مقرر کردیجاویگی۔ مالک ان لوگوں کو بھی جنت میں داخل کردیگا۔ پھر میں تیسری بار مالک کے پاس لوٹ کر آؤنگا۔ اور اسکو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑونگا۔ وہ جب تک اسکو منظور ہے مجھ کو سجدہ میں پڑا رہنے دیگا۔ پھر مجھ کو حکم ہوگا۔ اے محمد سر اٹھا۔ کہو تمہاری بات سنی جاویگی۔ مانگو تمکو دیا جاویگا۔ اور شفاعت کرو۔ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ میں اپنا سر اوٹھاؤں گا۔ اور اپنے مالک کی تعریف کروں گا جسطرح سے وہ خود مجھہ کو تعلیم کرے گا۔ پھر میں شفاعت کرونگا۔ لیکن ایک حد مقرر کردیجاوے گی۔ اللہ میاں ان کو بھی جنت میں داخل کردیگا

پھر میں چوتھی بار لوٹ کر آؤنگا۔ اور عرض کروں گا۔ اے مالک اب تو کوئی باقی نہ رہا۔ صرف وہ لوگ باقی ہیں۔ جو قرآن کی رو سے دوزخ میں رہنے کے لائق ہیں۔ سنن ابن ماجہ ص ۴۲۳ - ۴۲۵"

غرضیکہ بڑے میاں کے حضور میں وکیلوں اور شفیعوں کی خوب سنی جاویگی۔ قرآن و حدیث کی اس قسم کی باتوں سے ہمیں شبہ پڑتا ہے۔ کہ اللہ میاں اندھیر نگری کا راجہ ہے۔ اگر وہ علیم کل ہو۔ تو اُنکو وکیلوں کی ضرورت نہیں پڑسکتی۔ اس اندھیر کھاتے کو دیکھ کر ہمنے ترک اسلام میں اکیسواں اعتراض اللہ میاں کے وکیلوں کے متعلق کیا تھا ہمارے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "اصول موضوعہ نمبر ۶ اور دیباچہ ستیارتھ پرکاش ص ۷ دیکھ لیتے۔ تو کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے۔"

حضور کا اصول موضوعہ نمبر ۶ یہ ہے۔

"ہر ایک کلام کے صحیح معنے وہی ہونگے۔ جو متکلم آپ بیان کرے یا اس کے منشا اور مشن کے مطابق ہوں۔ متنازعہ کلام کے متصل ہی متکلم کا بیان ہو۔ یا آگے پیچھے۔ بیان حالی ہو۔ یا مقالی یعنی وہ اپنے کلام کا مطلب لفظوں میں بتلاوے۔ یا اسکی وضع اور طریق برتاؤ سے ظاہر ہو اس اصول کو سوامی دیانند جی نے بھی دیباچہ ستیارتھ میں منظور بلکہ خود تجویز کیا ہے۔ صفحہ ۷"

بتاؤ تمہارے اس اصول کو ہمارے اس اعتراض سے کیا تعلق؟ کیا ہمنے اللہ میاں کیطرح قرآن کی آیتیں بدل دی ہیں۔ یا ان کو منسوخ کردیا ہے

پھر اس اصول موضوعہ کا یہ کونسا موقعہ !!۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "قرآن شریف جب اپنا مطلب خود بتلاتا ہے۔ تو آپکے حاشیہ لگانے کی حاجت ہی کیا ہے۔ سُنیے لا یتکلمون ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ۔ دربار رب العالمین میں کوئی چوں نہیں کرسکتا۔ لیکن جسکو عرض کرنے کی اجازت ملے۔ اور وہ بہت درست بات کہے۔ یعنی کسی مشرک۔ اگنی پرست۔ مسیح پرست۔ صلیب پرست۔ قبر پرست وغیرہ کی سفارش نہ کرے۔"

کسی مشرک یا اگنی پرست وغیرہ کی سفارش تو نہ کرے۔ ہاں شرابی۔ کبابی۔ زانی۔ بدمعاش۔ لُچے۔ گُنڈے کی سفارش کردے۔ تو شاید اللہ میاں اُن کو بہشت میں دھکیل دیگا۔ کیونکہ سفارش کے لئے شرط تو محض لا الہ الا اللہ کی ہے۔ نہ کہ اعمال کی۔ اگر ہم اللہ میاں کے دربار میں چلے جاویں۔ تو وہ شاید ہمیں بھی بہشت میں دھکیل دے۔ کیونکہ شفاعت کی شرط میں ہم بھی آسکتے ہیں۔ مگر ہم تو اللہ میاں سے فوراً شاستراتھ شروع کردیں۔ اور اسکو اس اندھیر نگری سے نکال لائیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "سفارش بھی انہیں گناہوں پر ہوگی۔ جو قابل معافی ہونگے۔"

قابل معافی گناہوں کا فیصلہ پہلے کیا جاچکا ہے۔ مشرک کے سوائے اللہ میاں تمام گناہ معاف کرسکتا ہے۔ چوری۔ ڈاکہ۔ خون۔ زنا وغیرہ تمام اس میں آگئے ہمارے پچھلے نمبروں کا مطالعہ کیجئے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "ہاں یاد آیا! اکو پرمیشور کی سلطنت

تو اتنی بڑی ہے۔ کہ تینتیس ۳۳ دیوتا اس پرماتما کے تقسیم کئے ہوئے فرائض کو پورا کر رہے ہیں (اتھرووید کانڈ ۱۰۔ منتر ۲۷) کسی بڑے راجہ بکرماجیت کا سا دربار ہوگا۔ نہیں نہیں۔ ہمارے شاہِ انگلستان کا۔"

دیوتا کی تشریح پیچھے درج کی جا چکی ہے۔ آپکو اللہ میاں کی طرح تکرار کا عارضہ ہے۔ وہ بھی فضول! ہمنے اللہ میاں کے ٹھاٹھ کو اورنگزیبی دربار سے تشبیہ دی تھی۔ آپنے راجہ بکرماجیت یا شاہِ انگلستان کا دربار بتادیا۔ لاحول ولا! بکرماجیت یا شاہِ انگلستان کو اللہ میاں سے تشبیہ دینا ان راجاؤں کی ہتک کرنا ہے۔ اللہ میاں اول درجہ کا مکار۔ دھوکہ دینے والا۔ فریب دینے والا۔ چالباز۔ خادع۔ جھوٹ بلوانیوالا۔ مخول اوڑانیوالا۔ اور جو نہیں کیا کیا۔ مہاراجہ بکرماجیت یا شاہِ انگلستان۔ جہاں تک ہمارا علم ہے۔ اس پایہ کے آدمی نہیں ہیں۔ ہاں اورنگزیب اللہ میاں کے لگ بھگ ضرور تھا۔ دیکھو کس مکاری سے اُسنے سیواجی کو دربار میں بلاکر قید کیا۔ کس چالبازی سے اُسنے اپنے بھائیوں کو پکڑ پکڑ کر جہنم رسید کیا۔ کس ظلم سے اُسنے اپنے باپ کو تا دمِ آخر قید میں رکھا۔ کس طرح خلقِ خدا کا طوفانِ نوح کی طرح ستیاناس کیا۔ دکن کی ریاستوں کو کس طرح تہ و بالا کیا حالانکہ تاناشاہ جیسے عالی حوصلہ شخصوں نے روپیہ دیکر بھی اس سے پیچھا چھڑانا چاہا۔ مگر شیعوں یا کافروں کا ایسا ہی دشمن تھا۔ جیسا کہ اللہ میاں ہے۔ اس سے بڑھکر مقابلہ کیا!!

مولوی صاحب فرماتے ہیں "بابو صاحب! ہر ایک شے ہر پر

سفارش قبول نہ ہوگی۔ اور نہ ہر ایک مجرم کے حق میں ہوگی۔ بلکہ خاص اُن لوگوں کے حق میں ہوگی۔ جن کا اخلاص اور دلی محبت خدا تعالےٰ کی جناب میں ثابت ہوگی۔ مگر کسی نفسانی خواہش سے گناہ میں مبتلا ہو کر بے توبہ مر گئے ہونگے۔"

میاں صاحب! ہر ایک جُرم پر سفارش قبول ہوگی بشرط صرف کلمہ شریف کی ہے۔ اگر اعتبار نہ ہو۔ تو سُن لو "انس بن مالک نے حدیث بیان کی۔ کہ آنحضرت نے فرمایا۔ وہ شخص بھی دوزخ سے نکالا جاویگا جو لا الہ الا اللہ کہتا ہوگا۔ اور اس کے دل میں ایک جو برابر بھی نیکی ہوگی۔ اور وہ بھی دوزخ سے نکالا جاویگا۔ جو لا الہ الا اللہ کہتا ہوگا۔ اور اس کے دل میں ایک جو برابر بھی نیکی ہوگی۔ اور وہ بھی دوزخ سے نکالا جاویگا۔ جو لا الہ الا اللہ کہتا ہوگا۔ اور اُس کے دل میں رتی برابر بھی نیکی ہوگی۔ سنن ابن ماجہ۔" دُنیا میں کونسا پاپی ہے۔ جسکے دل میں رتی بھر نیکی بھی نہو۔ اللہ میاں بڑا فیاض ہے۔ سب کلمہ گوؤں کو دوزخ سے نکال دیگا۔ مگر مشرک خواہ کتنے بھی نیک ہوں۔ انکی ہرگز ہرگز داد و فریاد نہیں سُنیگا۔ یہ اچھا انصاف ہے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "چونکہ آپنے بھی اس بیان میں کوئی دلیل عقلی ایسی نہیں لکھی۔ جس سے سفارش کا ہونا محال ثابت ہو۔ اس لئے ہم بھی سردست اسی پر قناعت کرتے ہیں۔"

اللہ میاں کے ہاں تو کوئی بات بھی محال نہیں۔ سفارش کیونکر محال ہونے لگی۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ سفارش یا وکالت کی وہاں ضرورت

پڑسکتی ہے۔ جہاں حاکم اعلیٰ سائل کے حال سے بے علم ہو۔ جب وہ سائل کے تمام نیک و بد کو جانتا ہے۔ تو پھر سفارش کی ضرورت کیا۔ اگر اللہ میاں لوگوں کو دوزخ سے بچانا چاہتا ہے۔ تو سفارش کی کیوں تلاش کرتا ہے خود ہی حکم دیدے کہ جاؤ۔ دوزخ سے نکلجاؤ۔ مگر وہ خوشامد پسند ہے۔ کوئی آگے ناک رگڑے۔ سر گھسائے۔ اور وہ آگے سے بولے۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ پھر اللہ میاں اسکو وردان دے۔ کیا بچوں کی سی کہانیاں گھڑ رکھی ہیں۔ اے محمد۔ تو مانگ جو مانگتا ہے۔ میں تجھے دونگا۔ بھلے میاں کیا تو محمد کی بات کو نہیں جانتا۔ کہ خواہ مخواہ پوچھ رہا ہے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "ہاں! ہم بھی آپکو بتلائے دیتے ہیں۔ کہ مسلمانوں میں بعض فرقے ایسے بھی ہیں۔ جو شفاعت سے بالکل منکر ہیں۔ میں سفارش کرتا ہوں۔ کہ اگر یہ سفارش کا مسئلہ آپ کو ترک اسلام کا سبب ہوا ہے۔ تو آپ کو مسلمان رہکر بھی ان فرقوں میں جگہ مل جانے کی گنجائش ہے۔ بہرحال علیحدگی اچھی نہیں۔"

حضور! ہم آپ کے اللہ میاں تھوڑا ہی ہیں۔ کہ آپکی سفارش منظور کریں۔ آپ اگر ہمارے سامنے ناک بھی رگڑیں۔ کہے مہاراج ہماری سفارش منظور کیجئے۔ تو بھی منظور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ شفاعت کا مسئلہ ہی ہمارے ترک اسلام کا باعث نہیں ہے۔ بلکہ اور بھی سینکڑوں ہی باتیں اللہ میاں کی ایسی ہیں۔ کہ جنکو ہم کسی صورت میں بھی معقول نہیں کہہ سکتے۔ خواہ اللہ میاں بھی سفارش کرے۔ لہذا آپکی سفارش نامنظور!

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "میں اپنے فن طبابت میں

دیکھتا ہوں۔ کہ میری کوشش کی سپارش میری دی ہوئی دواؤں کی سپارش کہیں منظور ہے۔ کہیں نامنظور۔"

دوائی کو پیغمبروں کی سفارش سے کیا تعلق! اگر اللہ میاں آپکی طرح گنہگاروں کو گناہ دور کرنیکی گولی دوائی یا سزا دیدیا کرے۔ تو اچھی بات ہے۔ مگر وہاں تو کسی سردار صاحب کے سر گڑنے کی دیر ہے چلو! اپنے قیدی آزاد! ﴿

حکیم صاحب فرماتے ہیں "بادشاہوں کے وزرا۔ امرا سپہ سالاروں کی سپارشیں کہیں منظور ہیں کہیں نامنظور۔"

مگر اللہ میاں کے وزیر اعظم کی سفارش کہیں بھی نامنظور نہیں ہوتی۔ اوپر کی حدیث کو پڑھئے۔ جیسے انسانی بادشاہوں کے پاس سفارش کنندہ ہوتے ہیں۔ ویسے ہی اللہ میاں کے ہاں بھی ہیں۔ فرق صرف باجے گاجے کا ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "سپارش اور گناہ کا یہ تعلق ہے۔ کہ گناہ اخذ کا موجب ہے۔ اور سفارش کنندہ کی سفارش اُسکے نیک اعمال کے باعث الٰہی عفو کو حاصل کرکے ایک قسم کے گنہگار کے لئے توبہ کا موجب ہوتی ہے۔ اور سپارش کنندہ کے واسطے باعث اعزاز و امتیاز۔"

اول تو گناہ کا بلا سزا بھگتے دور ہوجانا ہی نا اچھی بات ہے پھر سفارش کے ذریعہ اس کا معاف ہونا تو اور بھی ذلیل تر ہے۔ پاپی کو پاپ کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔ جو لوگ پاپی کو بلا سزا دئے کسی کی سفارش

کرنے پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ بیرحم ہیں۔ یا ظالم ہیں۔ کیونکہ وہ پاپ کو بڑھاتے ہیں مددگار ہوتے ہیں۔ اگر قاتل کو قتل کی سزا نہ ملتی تو وہ دوسرا خون کرے گا۔ اس طرح وہ بجائے انسان کے موذی درندہ بنجائیگا۔ [illegible] سے گناہوں کی معافی سراسر ظلم ہے۔ جو اللہ میاں یا کسی کوتاہ اندیش انسان کے سوائے کوئی پسند نہیں کرے گا۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "دعائیں ایک دعا بلکہ دعا سے بڑھکر ایک درجہ کی پیرا اقتضا ہے۔ پس اسپر انکار کیا۔"

ایسی دعائیں تو مسلمان لوگ رات دن کرتے ہیں کہ :-

ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا (پ۳۔ البقرہ)

"اے اللہ اگر ہم بھول جائیں۔ یا خطا کر بیٹھیں۔ تو تو نے ہم کو مت پکڑنا۔" مگر پاپ اور پن کی فلاسفی سے ماہر لوگ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ یہ سراسر طفلانہ باتیں ہیں۔ طفل تو اپنی ماں کو کہہ سکتا ہے۔ کہ اے ماں اگر میں بھول کر تیرے پیسہ چرا لوں۔ تو تو نے مجھے کچھ نہ کہنا۔ آنکھیں بند کر بیٹھ۔ مجھے چوری کرتے مت پکڑنا۔ طالب علم اپنے استاد سے کہہ سکتا ہے ہے مہاراج اگر میں سبق بھول جاؤں۔ یا کوئی شرارت کر بیٹھوں۔ تو آپنے مجھے سزا مت دینا۔ کوئی بھلا مانس بتائے کہ بچے اور طالب علم کی بات کیا قابل سماعت ہے۔؟ ہرگز نہیں۔ اگر استاد کاٹھ کا اُلو نہیں ہے۔ تو سبق یاد نہ کرنیوالے یا شرارتی لڑکے کو شرارت کی سزا دینے کے بغیر نہیں رہیگا ہاں اگر وہ اللہ میاں کی طرح کوئی پنتخوار۔ خوشامد پسند ہے۔ تو شاید شرارت کو دیکھکر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرے۔ دعا یا پرارتھنا سے آیندہ کے لئے

سبق حاصل ہو سکتا ہے۔ گذشتہ اعمال کو دعا سے دھونا احمقوں کا کام ہے۔ عقلمند ہرگز ہرگز اس بیہودہ فلاسفی کو نہیں مان سکتے۔ پس سفارش سے پاپ معاف ہو سکتے ہیں۔ نہ پاپی مناسب سزا سے بچ سکتا ہے۔ پرماتما علیم کل ہیں۔ وہ ہر ایک کے پاپ پُن کو جانتے ہیں۔ وہ پُن کی جزا اور پاپ کی سزا دیتے ہیں۔ ایسے نیاءکاری پرمیشور کو حاصل کر کے ہی ہم دُکھوں کے سمندر سے پار ہو سکتے ہیں۔ آؤ ہم سب ملکر یہ پرارتھنا کریں۔ کہ:-

जातोवेदसे सुनवान सोममरातीयतो नि
दहाति वेदः। सनः पर्षदति दुर्गाणि विश्वा
नविव सिन्धुं दुरितात्यग्निः॥



नासतो विद्यते भावो नाभावो विद्यते सतः । उभयोरपि दृष्टोऽन्तस्त्वनयोस्तत्त्वदर्शिभिः ॥ भगवद्गीता । अ० २ । १६

نیستی کی ہستی اور ہستی کی نیستی نہیں ہوتی۔ ان دونوں کی تحقیق باریک بین لوگوں نے کی ہے۔ یعنی تعصب اور جہالت کو ترک کر اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ گیتا

باب سوم

پہلی فصل

اعتراض ۲۲

موٹی بات

کتاب ہذا کے گزشتہ دو بابوں میں ہم نے یہ دکھایا ہے۔ کہ اللہ میاں اور شیطان کس طرح ہاتھ دھو کر انسانوں کی تباہی۔ گمراہی اور ہلاکت کے پیچھے پڑے ہیں کیسی کیسی دل لگی۔ تمسخر۔ مکاری۔ فریب۔ کر رہے ہیں

کس طرح ان دونوں وجودوں نے لوگوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے سچ پوچھو۔ تو اس کتاب میں ہمارا تمام جھگڑا رگڑا ان ہی دو گمراہ کنندوں کے ساتھ ہے۔ گو یہ دونوں میاں کاغذی پہلوان ہیں۔ مگر کثیر التعداد لوگ ان کے پنجے میں مبتلا ہیں۔ اس لئے ان وہمی شکلوں کو دور کرنے کے لئے جتنی کوشش کیجاوے تھوڑی ہے۔ ہم آیندہ بھی انکا وقتاً فوقتاً نوٹس لیں گے۔ مگر یہاں ہم ایک موٹی بات پر بحث کرنا چاہتے ہیں ہم نے ترک اسلام میں بائیسواں[22] اعتراض بابا آدم کی پیدائش پر کرتے ہوئے یہ پوچھا تھا۔ کہ بابا آدم کی روح کہاں سے آئی۔ آیا وہ اللہ میاں کی روح کا ٹکڑا تھی۔ یا نیستی سے ہست کی گئی تھی۔ یا غیر مخلوق تھی یا کیا بلا تھی۔ ہمارا یہ اعتراض نہایت ہی موٹا اعتراض تھا۔ مگر ہمارے دوستوں کی عقل ہمارے اعتراض سے بھی زیادہ موٹی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اپنی موٹی عقل کا ثبوت دیتے ہوئے ہماری پہلی بات کے جواب ہیں۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "ناداں انسان !!۔۔۔۔ تمکو ایک بابا آدم کی پیدائش سے یہ دکھ پہونچا۔ کہ ترک اسلام کیا۔ اور یہاں تمکو آریہ مہاراج بننے کے لئے کئی آدم ماننے پڑے۔

ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۹۴ "

کیوں صاحب! کیا ہمنے نہیں کہا تھا۔ کہ ہمارے دوستوں کی عقل ہمارے موٹے اعتراض سے بھی موٹی ہے ؟

اے حضور!! ہم ناداں ہی سہی۔ مگر آپنے ذرا ہمارے اعتراض کو تو سمجھ لیا ہوتا ہم اس بات پہ اعتراض نہیں کرتے۔ کہ بابا آدم جیسے پیدا ہوا تھا

بلکہ ہمارا اعتراض تو باباجی کی جان پر ہے۔ کہ وہ آئی کہاں سے ؟ اور وہ ہے کیا ؟ مگر آپنے ہمیں وہی ڈانٹ بتائی۔ جو اللہ میاں نے نوح کو بتائی تھی۔ کہ چپ رہو۔ جاہل مت بنو !! جس بات کا تمہیں علم نہیں وہ مت پوچھو! ہم آپ کو اپنا دوست کہتے ہیں۔ آپ ہمیں نادان بتاتے ہیں۔ سچ ہے۔ ع

دشمنِ دانا بہ از دوستِ ناداں

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ میں نے قرآن کریم کے مخالفوں اسلام کے مخالفوں کی نسبت یہ تجربہ کیا ہے۔ کہ جو کوئی وہمی طور پر قرآن و اسلام پر اعتراض کرتا ہے۔ اس نادان کو بڑھ چڑھ کر اعتراضوں کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ جو وہمی طور پہ کئے تھے۔"

آپ کا یہ خیال بھی وہم اور نادانی پر مبنی ہے۔ کیونکہ جب آپنے ہمارے اعتراض کو ہی نہیں سمجھا۔ تو آپ جواب کیا خاک دے سکتے ہیں ہم آپکے اعتراضوں کا نشانہ نہیں بن سکتے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک آپکی تمام نشانہ بازی اس نادان کمانچی کی طرح از سرتا پا پر از خطا ہے۔ کہ جو تیراندازی تو کر رہا تھا۔ مگر نشانہ پر تیر نہیں مار سکتا تھا۔ کوئی تیر تو دائیں سے نکل جاتا۔ کوئی بائیں سے۔ کوئی اوپر سے۔ کوئی نیچے سے۔ کسی عقلمند نے اس نادان کمانچی کو تاڑا۔ وہ چاندماری پر جا کر بیٹھ گیا نادان چلایا۔ کہ آگے سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ مارے جاؤ گے۔ عقلمند بولا کہ مضائقہ نہیں۔ آپ شوق سے نشانہ لگائیے۔ میں محفوظ ہوں۔ کیونکہ چاندماری پر آپ کا کوئی تیر نہیں آتا۔ اے حضور! آپ نشانہ لگائے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "مثلاً آریہ نے ہماری توحید
پر اعتراض کئے۔ تو اُن کو ماننا پڑا۔ ازلی ہستیاں تین ہیں۔"
نہ تو تین کو ازلی مان کر توحید میں کوئی فرق آسکتا ہے۔ نہ
اللہ میاں کو اکیلا ازلی مانکر توحید قائم رہ سکتی ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک
توحید یہ نہیں ہے۔ کہ کسی کتاب میں کسی وجود کو اکیلا یا یکتا۔ یا فرد واحد کہا گیا
ہے۔ اگر توحید اس بات کا نام ہو تو کتنے ہی چور۔ بدمعاش۔ مکار۔ بھنگڑ
ٹھٹھول۔ مسافر مار یا گمراہ کنندگان خلائق اپنے اپنے پیشے میں فرد واحد
یا یکتا ہوتے ہیں بعض تو اللہ میاں سے بھی بڑھکر گمراہ کنندہ ہوتے
ہیں۔ اس صورت میں اُنکو بھی وحدہ لاشریک لہٗ کہا جاسکتا ہے۔ علے
ہذا القیاس شیطان کو بھی وحدہٗ لاشریک لہ کہا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ پہلے
اس بات کا فیصلہ ہو جاوے کہ گمراہ کرنے میں اللہ میاں کا ہاتھ اونچا
ہے۔ یا شیطان میاں کا۔ مگر ہم جانتے ہیں۔ کہ کسی چیز کا اکیلا ہونا اسکے
قابل پرستش یا اعلے ہونیکی دلیل نہیں ہے۔ جبتک کہ اسمیں حقیقت
اعلے گُن نہ پائے جائیں۔ ہم مانتے ہیں۔ کہ ایشور۔ جیو۔ پرکرتی تینوں
ازلی ابدی ہیں۔ ایشور حاکم ہے جیو اور پرکرتی محکوم ہیں۔ جیو اور
پرکرتی کا ازلی ابدی ہونا۔ ایشور کی صفات میں قباحت نہیں لگاتا۔ بلکہ
عین مناسب ہے۔ کیونکہ اگر یہ دونوں ازلی ابدی نہ ہوں۔ تو نتیجہ یہ
ہوگا۔ کہ کبھی اللہ میاں لوگوں کے دلوں میں گھس جائیگا۔ جس کا تمام
علم ایک وقت میں نیست تھا۔ کیونکہ علم کے لئے کوئی معلوم موجود نہیں تھا
جو سرتا پا معطل تھا۔ کیونکہ حکم کے لئے کوئی محکوم نہیں تھا۔ بغیر محکوم کے

حکومت نہیں ہو سکتی۔ اگر اس طرح اللہ میاں کی تمام صفات کو خلقت کی بنیتی کے ساتھ ساتھ گھٹاتے جاویں۔ تو اللہ میاں کا ہی خاتمہ ہو جائیگا یا اگر کچھ بچا کھچا رہ بھی جائیگا۔ تو وہ سراسر جاہل مطلق معطل۔ نکما نیستی کا مارا ہوا رہیگا۔ کسی نکمے میاں سے دل لگانا ہمارے نزدیک معیوب ہے۔ کیونکہ اس قسم کا نکما آدمی خیالات فاسد کا شکار ہوتا ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "اورنگ زیب کو اپنے رسالہ میں بہت یاد کیا ہے۔ مگر تمہاری قوم نے جہاں جہاں کچھ طاقت پائی ہے۔ کیا کیا ماتحت مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکیاں کیں اور کر رہے ہیں پیر اگلا آینو الا جنم یاد کرو۔"

موٹی عقل کے میاں! ہمنے تو اس اعتراض میں اورنگزیب کا نام تک بھی نہیں لکھا۔ پھر اس نا مبارک نام پر آپ کا سر کیوں کھجلایا اور آپ نے یہ طعنہ زنی کیوں کی؟ کیا اس بات کو ہمارے اعتراض سے اتنا بھی تعلق ہے۔ جتنا کہ آپ کو معقولیت سے؟ مطلق نہیں۔ پھر آئیں۔ بائیں۔ شائیں کر کے اصلی بات کو ٹالنے سے کیا حاصل۔ یہ کلجگی ترشن کا جرمانہ تھوڑا ہی ہے۔ کہ پانو ٹھکے۔ تو جھٹ لوگوں کی توجہ کو اسطرف سے ہٹانے کی خاطر وہ مہ اسوانگ بھر لیا۔ کیوں نہیں صاف صاف لکھ دیتے۔ کہ اس اعتراض کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اللہ میاں کی طرح فریب اور دھو کہ دہی سے کیا حاصل! اگلا جنم کیوں یاد دلاتے ہو ہم کہیں شراب و کباب یا شہوت پرستی کے چنگلے میں تو نہیں پھنسنے لگے کیونکہ ایسی چیزوں میں وہی پھنسا کرتا ہے۔ جو انکی خواہش رکھتا ہو ہم کو

ان گندی چیزوں کی مطلق خواہش نہیں ہے۔ ہاں حضور اپنا آئیوالا جسم یاد کریں۔ کہ کیا دُرگتی ہوگی۔ افسوس! آپ لنگوٹی بچا گئے۔ ہم نے تو چاہا تھا۔ کہ بھاگتے میاں کچھ تو ٹھکانے کی سُنا جائیں۔ مگر وہاں پہلے ہی فاتحہ پڑھ چکے!

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔"اس سوال کا اصل جواب نومبر ۶ میں ادا ہو چکا ہے۔ اور ہم بتلا آئے ہیں۔ کہ اضافت کئی قسم پر ہوتی ہے۔ یہاں بھی اضافت مصنوع کی صانع کی طرف ہے"

پچھلا اعمالنامہ دیکھا جا چکا۔ اب آئندہ کی بات کرو۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔" رہی یہ بحث کہ روح کہاں سے پیدا ہوئی سو یہ سوال قرآن شریف پر نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف نے روح کی پیدائش کا یہاں پر ذکر نہیں کیا۔"

یہی تو ہمارا اعتراض ہے جسکو آپ ڈکارنا چاہتے ہیں۔ اگر یہاں پر روح کی پیدائش کا ذکر نہیں کیا۔ تو کیا کسی اور جگہ بھی نہیں کیا؟ اگر روح کی پیدائش کا ذکر ہی نہ دارد ہے۔ تو کہنا پڑے گا۔ کہ قرآن نے روح کو غیر مخلوق مانا ہے۔ کیونکہ روح کھلی بنولے کی طرح کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ کہ جس کا ذکر نہ کیا جاوے۔ ہم تو اللہ میاں کا دامن نہیں چھوڑینگے۔ وہ کتنا ہی چلائے۔ کہ روح امر ربی ہے۔ وہ امر ربی کا ذرا مطلب سمجھائے۔ یہ عرب کے جنگلی لوگ ہونگے۔ جو امر ربی سُنکر خوش ہو گئے ہوں۔ ہم تو اسپر سر توڑ بحث کریں گے۔ یہی تو ہمارا اصلی اعتراض ہے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "البتہ ہم دلائل عقلیہ سے اتنا تو یقیناً جانتے ہیں کہ اگر روح مخلوق نہ ہوتی۔ تو خداوند تعالے جو بڑا ہی منصف۔ نیائے کاری۔ دیالو۔ رحیم ہے۔ ممکن نہ تھا۔ کہ اُنپر حکومت کرتا۔"

اللہ میاں کی حکومت کا حال پوشیدہ ہی بھلا۔ وہ بیچارہ روحوں کو مخلوق کہہ کر بھی اُنپر حکومت نہیں کرسکتا۔ اگر اس میں حکمرانی کا مادہ ہوتا۔ تو شیطان اور اُسکی اولاد کو جو اسی کی مخلوق کہنا چاہئے۔ ہرگز ہرگز باغی نہ ہونے دیتا۔ مگر اللہ میاں اپنے پیدا کردہ معلم الملکوت پر بھی تو حکومت نہ کرسکا۔ یہ کہنا کہ خالق و مخلوق ہی حاکم و محکوم ہوسکتے ہیں۔ ابلہانہ بات ہے۔ حاکم و محکوم بننے کے لئے لازمی شرط مہتر و کہتر کی ہے۔ مہتر۔ کہتر پر حکومت کرتا ہے۔ تاکہ کہتر کی حفاظت کرے۔ اگر ممکن ہو۔ تو اسکو بہتر بنادے۔ گورمنٹ انگلشیہ ہمپر حکومت کرتی ہے ہم گورمنٹ کے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ آپکے کہنے کے مطابق تو ضروری ہے۔ کہ وہ ہمپر سے حکومت اُٹھالیں۔ ورنہ وہ ظالم کہے جائینگے۔

ہم جانتے ہیں کہ پرماتما نیائے کاری۔ دیالو۔ رحیم ہے۔ وہ مہتر ہے ہم کہتر ہیں۔ وہ ہمپر حکومت کرتا ہے۔ تاکہ ہمیں بہتر بنادے۔ نہ کہ کسی اور مطلب کے لئے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "بھلا اگر ارواح اسکی مخلوق نہیں۔ تو وہ اُن پر حکومت کا کیا حق رکھتا ہے۔ کیوں انکو بے وجہ دبا بیٹھا ہے۔ کیوں انکو نہیں چھوڑ دیتا۔"

بھلا اگر شیطان اللہ میاں کا مخلوق ہے۔ تو وہ اسپر حکومت

ان گندی چیزوں کی مطلق" خواہش نہیں ہے۔ ہاں حضور اپنا آئیوالا جسم یاد کریں۔ کہ کیا درگتی ہوگی۔ افسوس! آپ لنگوٹی بچا گئے ہم نے تو چاہا تھا۔ کہ بھاگتے میاں کچھ تو ٹھکانے کی سُنا جائیں۔ مگر وہاں پہلے ہی فاتحہ پڑھ چکے!

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔" اِس سوال کا اصل جواب تو نمبر ۹ میں ادا ہو چکا ہے۔ اور ہم بتلا آتے ہیں۔ کہ اضافت کئی قسم پر ہوتی ہے۔ یہاں بھی اضافت مصنوع کی صانع کی طرف ہے۔"

پچھلا اعمالنامہ دیکھا جا چکا۔ اب آیندہ کی بات کرو۔"

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔" رہی یہ بحث کہ روح کہاں سے پیدا ہوئی سو یہ سوال قرآن شریف پر نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف نے روح کی پیدائش کا یہاں پر ذکر نہیں کیا۔"

یہی تو ہمارا اعتراض ہے۔ جسکو آپ ڈکارنا چاہتے ہیں۔ اگر یہاں پر روح کی پیدائش کا ذکر نہیں کیا۔ تو کیا کسی اور جگہ بھی نہیں کیا؟ اگر روح کی پیدائش کا ذکر ہی ندارد ہے۔ تو کہنا پڑے گا۔ کہ قرآن نے روح کو غیر مخلوق مانا ہے۔ کیونکہ روح کھلی بنولے کی طرح کوئی معمولی چیز نہیں ہے کہ جس کا ذکر نہ کیا جاوے ہم تو اللہ میاں کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ وہ کتنا ہی چلائے۔ کہ روح امر ربی ہے۔ وہ امر ربی کا ذرا مطلب سمجھائے۔ یہ عرب کے جنگلی لوگ ہونگے۔ جو امر ربی سُنکر خوش ہو گئے ہوں۔ ہم تو اسپر سر توڑ بحث کریں گے۔ یہی تو ہمارا اصلی اعتراض ہے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "البتہ ہم دلائل عقلیہ سے اتنا تو یقیناً جانتے ہیں کہ اگر روح مخلوق نہ ہوتی۔ تو خداوند تعالے جو بڑا ہی منصف۔ نیاء کاری۔ دیالو۔ رحیم ہے۔ ممکن نہ تھا۔ کہ اُنپر حکومت کرتا۔"

اللہ میاں کی حکومت کا حال پوشیدہ ہی بھلا۔ وہ بیچارہ روحوں کو مخلوق کہہ کر بھی اُنپر حکومت نہیں کرسکتا۔ اگر اسمیں حکمرانی کا مادہ ہوتا۔ تو شیطان اور اُسکی اولاد کو جو اسی کی مخلوق کہنا چاہئے۔ ہرگز ہرگز باغی نہ ہونے دیتا۔ مگر اللہ میاں اپنے پیدا کردہ معلم الملکوت پر بھی تو حکومت نہ کرسکا۔ یہ کہنا کہ خالق و مخلوق ہی حاکم و محکوم ہوسکتے ہیں۔ ابلہانہ بات ہے۔ حاکم و محکوم بننے کے لئے لازمی شرط مہتر و کہتر کی ہے۔ مہتر۔ کہتر پر حکومت کرتا ہے۔ تاکہ کہتر کی حفاظت کرے۔ اگر ممکن ہو۔ تو اسکو بہتر بنادے۔ گورنمنٹ انگلشیہ ہمپر حکومت کرتی ہے ہم گورنمنٹ کے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ آپکے کہنے کے مطابق تو ضروری ہے۔ کہ وہ ہمپر سے حکومت اُٹھالیں۔ ورنہ وہ ظالم کہے جائینگے۔

ہم جانتے ہیں کہ پرماتما نیاءکاری۔ دیالو۔ رحیم ہے۔ وہ مہتر ہے ہم کہتر ہیں۔ وہ ہمپر حکومت کرتا ہے۔ تاکہ ہمیں بہتر بنادے۔ نہ کہ کسی اور مطلب کے لئے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "بھلا اگر ارواح اسکی مخلوق نہیں۔ تو وہ اُن پر حکومت کا کیا حق رکھتا ہے۔ کیوں انکو بے وجہ دبا سے بیٹھا ہے۔ کیوں انکو نہیں چھوڑ دیتا۔"

بھلا اگر شیطان اللہ میاں کا مخلوق ہے۔ تو وہ اسپر حکومت

کیوں نہیں کرتا. کیوں اسکو بغاوت کرنے دیتا ہے۔ لوگونکو گمراہ کرنے کے لئے کیوں چھوڑ رکھا ہے۔؟ مگر شیطان نے باوجود مخلوق الٰہی ہونے کے ابھی اللہ میاں کا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ پر اتاہم پر حکومت کا حق رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ہم سے بہتر ہے۔ بہتر ہے وہ ہمیں چھوڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ سرو ویاپک ہے۔ تم کوئی ایسی جگہ بتادو۔ جہاں وہ نہ ہو۔ تاکہ ہم بابا آدم کی طرح وہاں بھاگ جائیں ہاں اللہ میاں لوگوں کو ضرور چھوڑ سکتا ہے۔ دیکھو اللہ میاں کہہ رہا ہے۔ کہ:-

فالیوم ننسٰھم کما نسوا لقاء یومھم

ھذا (پ - اعراف)

آج ہم اُن کو ترک کر دیں گے۔ چھوڑ دینگے۔ جیسا کہ انہوں نے اُس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔''

ہمنے ننسٰھم کا ترجمہ بموجب صراح وقاموس ترک کردینا یا چھوڑ دینا کیا ہے۔ مگر ہمارے علمائے اسلام اسکا ترجمہ ''بھولجانا'' کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں۔

''آج ہم انکو بھلا دینگے۔ جیسے وہ بھولے اُسدن کا ملنا''

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔ '' امروز فراموش کنیم ایشانرا۔ چنانکہ فراموش کردند ملاقات ایں روز را'' علمائے اسلام کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ میاں کو مرض نسیان بھی

ستا رہا ہے۔ شاید ان لوگوں نے عربی لغاتوں کو نہ دیکھکر اللہ میاں پر اس خبط کا الزام لگایا ہو۔ بہرصورت یا تو اللہ میاں لوگوں کو بھول جائیگا۔ یا اُن کو چھوڑ دیگا۔ کہ جاؤ موج کرو۔ دونوں باتوں میں سے جو تمہاری سمجھ میں گھس سکے۔ اُسے اختیار کرلو۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ ”کیا روح بغیر اُسکی مدد اور سہارے کے جی نہیں سکتی۔ کیا اگر وہ اسکو اپنی پناہ میں نہ لے۔ تو یہ فنا ہو جائے گی۔“

کیا تمہاری عورت اور تمہارے بچے بغیر تمہارے سہارے کے جی نہیں سکتے۔ کیا اگر تم ان کو اپنی پناہ میں نہ لو۔ تو وہ فنا ہو جائینگے! تم اُن کو کھلا کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ اس لئے کہ اگر تم ان کو کھُلی چھٹی دیدوگے۔ تو وہ کسی اور کی پناہ میں جاکر بدچلن ہو جائینگے کوئی شیطان کی طرح اُن کو خراب کردیگا۔ جینے تو وہ بدچلنی کی حالت میں بھی رہ سکتے ہیں۔ مگر بدچلن عورت یا بچوں کی زندگی خراب زندگی ہے۔ گو تم اپنی عورت کے خالق نہیں ہو۔ مگر ضرورت ہے کہ تم اسکی حفاظت کرو۔ یا وہ تمہاری حفاظت میں رہے۔ تاکہ شیطانوں کے ہاتھ سے محفوظ رہے۔ گو پرماتما ہماری روح کا خالق نہیں ہے مگر ضرورت ہے۔ کہ وہ ہمپر حکومت کرے۔ یا ہم اُسکی حفاظت میں رہیں۔ تاکہ کسی خیر الماکرین یا کسی شیطان کے پنجے میں پھنسکر گمراہ نہ ہو جائیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جو لوگ پرماتما کو بھول جاتے ہیں وہ کسی ایسے ویسے کے ہاتھ میں جا پھنستے ہیں۔ جس کے برخلاف کہ ہم

جنگ کر رہے ہیں۔ ہم پرماتما کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں۔ مگر ہماری ایسی زندگی ایک بدچلن عورت کی زندگی سے بڑھکر خراب ہوگی۔ ایسی خراب زندگی سے موت اچھی۔!!

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ بعض سادہ لوح آریوں سے سُنا۔ کہ ہم جو اپنے گھوڑے۔ بیل۔ گدھے وغیرہ پر حکومت کرتے ہیں۔ تو کیا یہ ہماری پیدائش ہیں؟ ہاں صاحب حکومت کے کئی اسباب ہیں۔ یا تو زرخرید ہوں۔ یا زرخرید کی اولاد۔ یا کسی نے ہبہ کی ہو۔ یا خیرات میں دی ہو۔ یا کسی مورث اعلیٰ سے وراثت میں پائی ہو۔"

حضور! آریہ سادہ لوح ہوکر بھی لوح محفوظ کے محاسب کو برسوں تک سبق سکھا سکتا ہے۔ اگر کسی آریہ بچّے سے پوچھو گے۔ کہ بتاؤ۔ ہمارے اوپر جو نیلگوں چیز چاروں طرف پھیلی ہوئی نظر آتی ہے یہ کیا ہے۔؟ تو وہ جھٹ کہہ دیگا۔ کہ یہ خلا محض ہے۔ لیکن اگر یہی سوال لوح محفوظ کے مالک سے کرو۔ تو وہ بول اُٹھیگا۔ کہ یہ ایک مضبوط چھت ہے۔ اسکو آسمان کہتے ہیں۔ یہ کیسا گدڑ پن ہے؟ ابھی تو یہ فرما رہے تھے۔ کہ اگر ارواح مخلوق نہیں۔ تو خدا کو ان پر حکومت کرنے کا کیا اختیار؟ اب کچھ اور ہی اسباب بتانے لگ گئے ہاں صاحب! حکومت کے یہ تمام اسباب غلط ہیں۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہوں تو بتاؤ۔ انگریز ہندوستان پر کیوں حکومت کر رہے ہیں کیا اہل ہند۔ ان کے باوا کے زرخرید غلام ہیں۔ یا اُن کے کسی زرخرید میاں کی اولاد ہیں۔ یا ہبہ شدہ ہیں۔ یا اللہ میاں نے اُنکو خیرات

میں دیدیا ہے۔ یا انکی موروثی جایداد ہیں۔ بہرصورت ان میں سے
کچھہ بھی نہیں۔ اگر کچھہ ہے تو یہ ہے۔ کہ اہل ہند سے مادی پہلو میں
زبردست ہیں۔ حکومت کا کلیہ قاعدہ یہ ہے۔ کہ زبردست زیردست
کو سایۂ عاطفت میں لے۔ تاکہ اسکی حفاظت کرے۔ اور اسکو بہتر بنادے
نہ کہ تمہارے من گھڑت اسباب اور ہوائی باتیں !!۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "اگر مختصر پوچھو۔ تو ان سب
اقسام مالکیت کا مدار۔ ایک ہی بات پر ہے۔ کہ اس چیز کے خالق نے ہمیں
اسکی حکومت کا اختیار دے رکھا ہے۔"

عقلمندوں کو چاہئے کہ ایک بات پر قایم رہیں۔ وہ شخص جو اپنی بات
پر قایم نہیں رہتا۔ بلکہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔ وہ ہرگز ہرگز عاقل
نہیں ہے۔ ابھی آپ کچھہ فرما رہے تھے۔ اب کچھہ اور ارشاد کر رہے ہیں
ان چالاکیوں سے کیا حاصل! اگر اللہ میاں نے آپ کو کسی چیز کی حکومت
کا اختیار دے رکھا ہے۔ تو آپ اس چیز کے خالق نہیں کہے جاسکتے۔ اگر
پارلیمنٹ نے ویسرائے کو ہند پر حکومت کرنے کا اختیار دے رکھا ہے۔ تو
ویسرائے کو ہند کا خالق نہیں کہہ سکتے۔ اگر پارلیمنٹ یا شہنشاہ انگلینڈ
ویسرائے کو زیر فرمان رکھتے ہیں تو ان کو ویسرائے کا خالق نہیں کہا جاسکتا
حاکم کہا جاسکتا ہے۔ وہ بھی اس لئے کہ شہنشاہ یا پارلیمنٹ وایسرائے سے
بہتر اور زبردست ہیں۔ اور بس !!۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "بس فرمائے۔ کہ خدا کو
کس نے اختیار حکومت دیا ہے۔ اس کے سوائے کون روحوں کا خالق

ہے۔ جسنے اسے کہہ رکھا ہے۔ کہ تم اِن پر حکومت کرو۔"

اِن بچونگڑانہ دلیلوں سے کیا فائدہ! خدا کو اختیار حکومت وہ دے سکتا ہے۔ جو اِس سے زبردست یا بالاتر یا بہتر یا مہتر ہو۔ جب وہ خود ہی سب سے بہتر اور زبردست ہے۔ تو اُسکو اختیار حکومت دینے کا دم بھرنیوالا کون مورکھہ!! تحصیلدار کو حکومت کا اختیار دینے والا ڈپٹی کمشنر ہو سکتا ہے۔ ڈپٹی کمشنر کو حکومت کا اختیار دینے والا وائسرائے ہو سکتا ہے۔ وائسرائے کو اختیار حکومت دینے والا شہنشاہ ہو سکتا ہے مگر بتاؤ کہ شہنشاہ کے پاس کونسی الہدیاں کی سند ہے۔ جس میں یہ لکھا ہو کہ تم ہند پر حکومت کرو۔ اگر وہ کوئی سند پیش کر سکتا ہے۔ تو محض اس ایشوریہ قانون کی کہ زبردست زیردست کو سایۂ عاطفت میں لے۔ ادنےٰ اعلیٰ کی اطاعت کرے۔ اور بس! چونکہ پرماتما سب سے زبردست اور سب سے اعلیٰ ہے۔ اِس لئے وہ تمام زبردستوں کو سایۂ عاطفت میں لئے ہوئے ہے۔ تمام ادنےٰ وجودوں کو اُسکی اطاعت کرنی چاہئے۔ حاکم و محکوم کی یہ دلیل ایسی ہے۔ جس کے سامنے تمہاری کوئی بھی دلیل نہیں ٹھیر سکتی۔ چونکہ آپ اصلی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور نہیں دے سکیں گے۔ خواہ مرتے دم تک زور لگائیں۔ آپ محض تضیع اوقات کرنا چاہتے ہیں۔ بیشک کرتے جائیں۔ آپکی خاطر ہم بھی چند منٹ اور ضایع کر دیں گے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں " اور سُنئے۔ بھلا اگر ہم سب ملکر نیشنل کانگرس کرکے ایک میموریل تیار کریں۔ کہ آج تک تو جو ہوا سو ہوا

گذشتہ را صلوٰۃ۔ آئندہ کو آپ ہمپر سے اپنی حکومت اوٹھالیجئے۔ یا کوئی معقول وجہ اس حکومت کی بتاتے۔ تو غالباً کیا یقین ہے۔ کہ ایشور فوراً اس میموریل کو جو نہایت معقول وجوہات پر مبنی ہوگا۔ قبول کریگا۔،،

آخر اپنے اللہ میاں کی طرح ٹھٹھہ بازی پر اُتر آئے نہ !!! اے حضور ! بخیدہ باتوں پر مخول اُڑانا کیا معنی ! آپ ایشور کے پاس کیوں میموریل بھیجتے ہیں۔ وزا شہنشاہ انگلینڈ کے پاس تو میموریل بھیجکر دیکھ لیجئے کہ کیا جواب ملتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی آپ کے خالق نہیں ہیں۔ خواہ مخواہ آپکو وہائے بیٹھے ہیں۔ اگر میموریل یہاں منظور ہوگیا۔ تو پھر ایشور کے پاس بھیجنے کی کوشش کرلینا۔ تو اب دیر کاہے کی ہے۔ اگر مضمون بنانا نہ آتا ہو تو ہم بنا دیتے ہیں میموریل اس قسم کی مُلّانہ عبارت میں ہونا چاہئے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میموریل شریف

ازطرف علمائے اسلام بخدمت شہنشاہِ انگلستان و قیصر ہندوستان

عالیجاہا !

پہلے سُناتے حال اپنے کے ہم تعریف کرتے ہیں اپنے اللہ کی۔ جو اکہ ہے

بڑے تخت کا۔ جو مکر کرتا ہے ساتھ مکر کرنیوالوں کے ۔ جو کرتا ہو فریب ساتھ لوگوں کے جو بڑھاتا ہے بیماری دلونکی۔ جو ڈالتا ہے دشمنی بیچ لوگوں اپنے کے ۔جو لڑتا ہے ساتھ کافروں کے ۔جو مانگتا ہے قرض اور دیتا ہے دُگنا۔ جو کھاتا ہے قسمیں بڑی قسمیں۔ جو لاتا ہے سورج کو مشرق سے۔اور غروب کرتا ہے اُسکو بیچ دلدل کے جو واقعہ ہے طرف مغرب کی جسنے بنائے ہیں آسمان سات۔ جو ہیں جالیدار۔ رکھے بیچ اُنکے چوکیدار اور جلائے چراغ۔ سجایا اُنکو قندیلوں سے جو ہیں چمکتے ستارے۔ بیچ ڈالتا ہے گندگی اوپر لوگوں جاہلوں کے۔جو ہوتا ہے غصے اوپر کافروں کے جسنے بنایا آدم کو مٹی سڑی سے۔ اور پھونکی روح بیچ اس کے۔ اور کہا اسکو۔ہو۔پس ہوگیا آدم جیتی جان۔ وہ سوار ہے اوپر تخت کے جو اوٹھا رکھا ہے فرشتوں نے جو لائیں گے۔ اسکو میدان حشر میں۔ امابعد درود اور سلام ہو اوپر نبیوں کے جو آئے اس جہان میں واسطے ہدایت کرنے لوگوں کے۔جو لائے نشانیاں اللہ کی تاکہ ہدایت پکڑیں اُنسے کافر پس نہ مانا کہنا اُن کا کافروں نے۔ اور مار ڈالا اونٹنی اللہ کی کو۔ آیا غصہ اللہ کو پس تباہ کیا اُن ظالموں کو۔ اور بچالیا اپنے رسول کو۔ پھر آیا موسےٰ ساتھ بھائی اپنے کے۔پس مار ڈالا اُسنے ایک کافر کو۔ پھر بھاگا موسےٰ طرف مدین کی۔ چرانا رہا وہاں بکریاں۔ پھر لوٹا طرف مصر کی۔ دیکھی اُسنے آگ پس بھاگا طرف آگ کی۔ تاکہ لائے ایک انگاری جس سے سینکیں اُسکے بچے اور بیوی پہونچا نزدیک آگ کے۔ بولا اللہ میں رب ہوں تیرا۔ تو اُتار ڈال اپنی جوتیاں پھر پھینکا موسےٰ نے ڈنڈا اپنا۔ وہ بنگیا سانپ۔ پھر کہا اللہ نے۔ نہ ڈر اس سے

اے موسیٰ پکڑ لے اسکو تو۔ پس پکڑی موسیٰ نے اُسکی دُم۔ بنگیا وہ لاٹھی مضبوط۔ پھر آیا پاس فرعون کے۔ سرکشی کی اُسنے اسکی غرق کیا اللہ نے اسکو۔ پھر آئے بہت نبی آنیوالے۔ ختم ہوئی نبوت اوپر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ جو نبی ہیں آخری۔ اور رحمت ہیں واسطے جہانوں کے۔ شفاعت کریں گے پاس اللہ کے بندوں اپنے کی۔ **امابعد** سلامتی ہو اوپر خلیفوں اور اماموں کے۔ جو پہیلانیوالے تھے اسلام کے اور گستاخی والے تھے کفر کے۔ **امابعد** رحم کرے اللہ روحوں بادشاہوں کی پر۔ جنہوں نے حکومت کی بیچ دُنیا کے اور مرے اوپر اسلام کے۔ اب سُناتے ہیں ہم آپ کو حال اپنا۔ اے مولا ہمارے۔ پس تو سُن ساتھ توجہ کے۔ تاکہ رحم کرے تجھہ پر ہمارا اللہ اور داخل کرے تجھہ کو بیچ بہشت کے کہ چلتی ہیں نیچے اُس کے نہریں شراب کی۔ پس یہ ہے رزولیوشن ہمارا پہلا رزولیوشن۔

رزولیوشن نمبر ا

(۱) کرتا ہے حکومت خالق اوپر مخلوق کے۔ اپیر نہیں ہے تو خالق ہمارا۔

(۲) کرتا ہے حکومت مالک اوپر زر خرید اپنے کے۔ اپیر نہیں خریدا تو نے ہمکو بدلے زر کثیر کے۔

(۳) کرتا ہے حکومت مالک اوپر اولاد زر خرید اپنے کی کے۔ اے ایپر نہیں ہیں ہم اولاد تیرے زر خریدوں کی۔

(۴) کرتا ہے حکومت مالک۔ بیع سے حاصل ہوئی چیز پر۔ اے پر

نہیں ہاتھ لگے ہم تیرے بذریعہ بیع کے۔

(۵) کرتا ہے حکومت مالک اوپر خیرات بغیر تلی ہوئی چیز کے۔ پھر نہیں لے۔ ہم تجھ کو بیچ خیرات کے۔

(۶) کرتا ہے حکومت مالک اوپر جائداد موروثی کے۔ اے پر نہیں ہیں ہم تیری جائداد۔

پس تجویز کرتے ہیں ہم اور تائید کرتے ہیں ہمارے علماء کہ اٹھالے تو حکومت اپنی اوپر سروں ہمارے کے سے۔ تاکہ ہوویں ہم آرام میں اور کریں بندگی اپنے خالق کی۔ اور یہ ہے رزولیوشن دوسرا۔ تو بس لے اسکو کان لگا کر۔

رزولیوشن نمبر ۲

(۱) اللہ کرتا ہے حکم جہاد کا۔ تو نہیں دیتا ہمکو اجازت اسکی۔

(۲) کرتے ہیں کافر بے ادبی اللہ اور اُس کے رسول کی۔ تو نہیں قتل کرتا اُن کو۔

(۳) دے رکھی ہے تو نے آزادی مذہب کی۔ پس خاتمہ ہو چلا اسلام کا۔

(۴) بولتے ہیں لوگ برخلاف قرآن کے جو کفر ہے صریح۔

(۵) وہ چھوڑ رہے ہیں کتاب اللہ کی۔ پس تو نہیں مارتا اِن کافروں کو۔

(۶) تو نہیں بند کرتا۔ آریہ سماج کو۔ جو کھا رہی ہے ہمارے بھائیوں کو۔

پس تجویز کرتے ہیں ہم اور تائید کرتے ہیں ہمارے علماء کہ اوٹھا

لے تو حکومت اپنی اوپر سروں ہمارے کے سے۔ تاکہ کریں ہم جہاد

اور ماریں کافروں کو۔ اور بندگی کریں خالق اپنے کی۔ اور سن لے

رزولیوشن تیسرا۔ جو چلتا ہے یوں۔

رزولیوشن نمبر ۳

(۱) تونے جاری کیا سائنس کو۔ جس سے اُڑ چلا قرآن۔

(۲) تونے جاری کیا انگریزی کو۔ پس بھول رہے ہیں لوگ عربی کو۔

(۳) حکم دیا تونے جغرافیہ اور جیالوجی کی تعلیم کا۔ پس لگے کہنے لوگ۔ کہ تحقیق غلط ہے قرآن۔

(۴) حکم دیا تونے علم ہیئت کی تعلیم کا۔ پس ہنسے لوگ اوپر سات آسمانوں کے۔

(۵) جانا لوگوں نے کہ زمین ہے گھومتی۔ پس جھوٹھا کہا انہوں نے قرآن کو۔

کرتے ہیں ہم تجویز اور کرتے ہیں علماء ہماری تائید اس بات کی۔ کہ اُٹھا لے تو حکومت اپنی اوپر سروں ہمارے سے۔ تاکہ بدل ڈالیں ہم تعلیم نئی کو ساتھ تعلیم پُرانی کے۔ جو ہے بیچ قرآن کے۔ اور سن تو ہمارا رزولیوشن جو رزولیوشن ہے چوتھا۔

رزولیوشن نمبر ۴

(۱) چل پڑی ریل بیچ حکومت تیری کے۔ وہ چلتی ہے شمال کو یا جنوب کو۔ پس نہیں پڑھ سکتے ہم نماز بیچ اس کے۔ کیونکہ وہ لوٹ

جاتی ہے۔ طرف مشرق کی۔ اگر نکلیں باہر اس سے کہ بندگی کریں
اپنے اللہ کی۔ وہ بھاگ جاتی ہے یوں جیسے بھاگے شیطان لاحول سے۔
(۲) بھیجی تو نے دوربین۔ جو دکھاتی ہے چاند کو سامنے
بھوڑے لوگوں کے۔ وہ رکھتے ہیں روزہ۔ اور مارا جاتا ہے روزہ بکا
جو نہیں رکھتے دوربین۔ بتحقیق یہ آفت ہے بھاری۔
(۳) ترقی ہوئی مصوری کو۔ جو خلاف ہے شرع کے۔
(۴) گانے لگے لوگ گیت۔ زور پکڑا موسیقی نے۔ یہ ہے خلاف
سنت رسول اللہ کے۔"
(۵) پہننے لگے لوگ پتلون۔ چھوڑا اُنہوں نے تہ بند کو۔ کٹایا
داڑھی کو۔ بڑھایا مونچھوں کو۔ یہ ہے بدعت بھاری۔
(۶) تو نہیں اجازت دیتا۔ ہمکو کہ دور کریں ان خرابیوں کو
ساتھ تلوار کے۔
پس تجویز کرتے ہیں ہم اور تائید کرتے ہیں ہمارے علماء کہ
اُٹھالے اپنی حکومت تو اوپر سروں ہمارے سے۔ تاکہ ہو جاویں ہم
آزاد۔ کیونکہ تو نہیں ہے خالق ہمارا۔

رزولیوشن نمبر ۵

(۱) آئی تیری حکومت۔ اور جاتا رہا ہمارا راج۔ یہ ہے گھاٹا
بھاری۔
(۲) تو نہیں دیتا ہم کو جاگیریں جیسا کہ دیتے تھے مغل
خاندان کے بادشاہ۔

(۳) تو نے مقرر کیا ہے مقابلہ کا امتحان۔ ہم کیونکر پاس ہیں یہ اسکو۔ اوڑا دے تو اس قید کو۔

(۴) تو مقابلہ کراتا ہے ہمارا ساتھ کافروں کے جو ہیں تعداد ہیں زیادہ۔

(۵) پڑ گئی پلیگ۔ پس کہاں سے ملیگی ہمکو آتنی زمین کہ دفن کریں اپنے مردوں کو۔

(۶) تحقیق ہم پر مصیبت ہے بھاری۔ تو ہیں خالق ہمارا۔ پس تجویز کرتے ہیں ہم اور تائید کرتے ہیں علماء ہمارے کہ اُٹھائے تو حکومت اپنی اوپر سروں ہمارے سے۔ تاکہ خوشی مناویں ہم اور ہمارے بچے۔ یہ ہے میموریل ہمارا جو واقعہ ہے اوپر وجوہات زبردست کے پس تو ضرور سنے گا ہماری فریاد۔ اور قبول کریگا ہماری درخواست کو۔ ہم دیتے ہیں دعا تیری جان کو۔ اور اب رخصت ہوتے ہیں تجھ سے"

میاں صاحب! ایشور کے پاس تو پیچھے میموریل بھیجنا۔ پہلے اس میموریل کی رجسٹری کرا کے جبرئیل کے پر کے ساتھ باندھکر ولائیت بھجوا دیجئے۔ اگر درخواست منظور ہوگئی۔ تو زہے سعادت۔ اگر نامنظور ہوئی۔ تو آپ اللہ میاں کی طرح دل لگی کرنے سے تو باز آجائینگے۔ کیا بچوں کی سی باتیں بناتے ہیں۔ بھلے آدمی سنجیدہ باتوں کو تمسخر میں نہیں اُڑانا چاہیئے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "مگر سوال یہ ہے۔ کہ ہم کو چھوڑکر وہ کیا کرے گا۔ اسکی رعیت کون ہوگا۔ اور وہ راجہ کس کا بس

پھر تو وہ ایک دیوالئے بنئے کیطرح جو دوکان برباد کرکے حیران و سرگردان پھرتا ہے۔ آوارہ پھرتا رہیگا۔ ادھر ہم آپسمیں اپنے مضبوط عہد و پیمان کرلیں گے۔ اور ایک دوسرے کو سمجھا دینگے کہ ۔۔۔ ۵

حسینوں سے نہ مل سے دل ہارے دیکھے بھالے ہیں
نہیں ڈسنے سے رکتے کے سنگ ناگ کالے ہیں"

افسوس ہمیں ایسے مسخروں سے واسطہ پڑا۔ جو اللہ میاں کی طرح ٹھٹھول بازی سے کسی صورت میں بھی باز نہیں آتے۔ سچ ہے۔

الصحبت تاثیرا

یعنی صحبت کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ مسخرے اللہ کی صحبت سے ہی یہ مسخراپن سوجھا۔ حضورا نہ آپ میموریل بھیج سکیں۔ نہ وہ منظور ہو۔ نہ الیشور جیوؤں کو چھوڑ سکے۔ وہ ہمیشہ سے اُن کا حاکم اور ہمیشہ تک حاکم رہیگا۔ مگر اپنے گھر کی کہئے۔ جب اللہ میاں نیستی کا مارا ہوا تھا تو وہ کیا کرتا تھا۔ اسکی رعیت کون تھا۔ اور وہ کس کا راجہ تھا جب کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ تو اُسکو کس کا علم تھا۔ کیا وہ جاہل مطلق بنئے کی طرح دیوالیہ نہیں تھا؟ ہاں ضرور تھا۔ اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ وہ ضرور آوارہ گرد ہوگا۔ یا جوئیں مارتا رہتا ہوگا بشرطیکہ کوئی جوں اس کے ہاتھ لگتی ہوگی۔ ورنہ اسکو بھی ترستا ہوگا۔ یا یوں ہی سر کھجلاتا رہتا ہوگا۔ میاں عقل کی بات کرو! کیوں دل لگی کر رہے ہو۔ اور کیوں گندے۔ مندے شعر سنا رہے ہو۔ ایسی باتیں کسی فرصت کے وقت کرلینا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔" اصل پوچھو تو اگر خدا نے روحیں پیدا نہیں کیں۔ تو کچھ شک نہیں۔ کہ وہ ہماری سادگی اور غفلت سے فایدہ اٹھا رہا ہے"

اصل پوچھو۔ تو اگر اللہ میاں کے پاس روحیں اور مادہ پیشتر سے موجود نہیں تھا۔ تو اس نے ضرور کہیں سے چرایا ہوگا۔ کیونکہ نیستی سے ہستی کا ہونا ناممکن امر ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ مسلمانوں کی سادگی اور غفلت سے فایدہ اُٹھا رہا ہے۔ اگر مسلمان ہوشیار ہو چلیں تو اللہ میاں جیسا مکار۔ فریبی چالباز مسخرا۔ لڑاکا۔ کھٹھول۔ فوراً بوریا بندھنا باندھ کر چل دے۔ اور نیستی کے نیست خانے میں نیست ہو جاوے۔ ورنہ وہ اپنی مکاری سے ہرگز باز نہیں آئے گا خواہ ثناء اللہ جیسے مولوی قدم قدم پر ٹھٹھ بازی کرتے جائیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں" مگر جب سے ہم نیشنل کانگرس کی ممبری اختیار کی ہے۔ اپنے حقوق سے آگاہ ہو چکے ہیں مقابلہ میں وجوہات معقولہ پوچھیں گے۔ ورنہ عام ایجیٹیشن (جوش) پھیلاویں گے۔ غرض جہاں تک ہو سکے گا۔ کریں گے۔ مگر آزادی لئے بغیر نہیں رہیں گے۔

"دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید"

کوئی سنجیدہ آدمی بتائے۔ کہ بھلا یہ ہمارے اعتراض کا کوئی جواب ہے؟۔ لوگ ہمیں کہیں گے۔ کہ ہم تنگ دل ہیں۔ جو علمائے اسلام

کی ایسی گری ہوئی باتوں کا نوٹس لیتے ہیں۔ مگر ہم مجبور ہیں کہ اُن لوگوں کو سنجیدگی کی الف بے پڑھائیں اور آسمانی کا نگریس کے جوشیلے ممبر کو سمجھائیں کہ اگر وہ جوش پھیلانا ہی چاہتا ہے۔ تو کسی مکار۔ فریبی چالباز کے برخلاف پھیلائے۔ کسی ایسے میاں کے برخلاف پھیلائے جو لوگوں میں دشمنی ڈلواتا ہو اور خود ہی اُس کا اقرار کرتا ہو کسی ایسے فتنہ پرداز کے برخلاف پھیلائے جو تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۵۳ الف کے مطابق جرمانہ اور قید کا مستوجب ہو سکتا ہو کسی ایسے میاں کے برخلاف پھیلائے جو شیطان سے بھی بڑھ چڑھ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کا دم بھر رہا ہو۔ ورنہ اس انوکھے ممبر کی فضول تحریر از سرتا پا تمسخرانہ ہونے کی وجہ سے بھنگڑ خانے کے داروغہ کی کلغی میں باندھے جانیکے لائق سمجھی جاوے گی۔ ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ جیو ازلی ہے۔ وہ مخلوق نہیں ہے۔ مخلوق چیزیں ازلی و ابدی نہیں ہو سکتیں۔ وہ بنتی ہیں اور بگڑتی ہیں۔ اگر جیو ازلی نہ ہو تو وہ ابدی بھی نہیں ہو سکتا۔ قرآن کا یہ کہنا کہ بہشتی لوگ ابد تک بہشت میں رہیں گے۔ اس صورت میں صحیح مانا جا سکتا ہے۔ جب کہ اُن کی روح ازل سے موجود ہو۔ ورنہ ناممکن ہے جو نیستی سے ہست بھی نہیں ہوا۔ کیونکہ نیستی سے ہستی یا ہستی سے نیستی ماننا غبیوں۔ جاہلوں۔ اور مورکھوں کا کام ہے اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ:۔

नासतो विद्यते भावो नाभावो विद्यते
सतः। उभयोरपि दृष्टोऽन्तस्त्वनयोस्त
त्वदर्शिभिः॥

ओ३म्

तं यज्ञं बर्हिषि प्रौक्षन् पुरुषं जातमग्रतः। तेन देवा अयजन्त साध्या ऋषयश्च ये ॥

यजु० अ० ३१। मं० ९ ॥

پہلی سرشٹی کے عالم میں . یوگی مہا یوگی رشی منی . پورن پرماتما کے گیان کو پاکر اسکو اپنے من میں دھارن کرتے

ہیں اور پرماتما کی دی ہوئی ویدبانی سے ذریعہ اسکا پوجن کرتے ہیں ۔ تم بھی اس کو جانو ۔

دوسری فصل

اعتراض ۲۳

چٹکلے

دُنیا میں سنجیدہ آدمیوں کی تعداد بہت کم ہے ۔ مگر کم کیوں ہے ؟ اِس لئے کہ سنجیدہ بننا کوئی آسان کام نہیں ہے ۔ سنجیدگی آ نہیں سکتی ۔ جبتک کہ انسان اپنے من کو قابو نہ کرے ۔ من کا قابو کرنا نہائت ہی مُشکل ہے ۔ انسان مُشکل کاموں سے پہلو تہی کرتا ہے ۔ اور آسان باتوں کو پسند کرتا ہے ۔ آسان پسند سنجیدہ کیونکر بن سکتا ہے ؟ سنجیدہ انسان کی تمام حرکات وسکنات باموقعہ ہوتی ہیں ۔ مگر باتونی اور بکواسی اناپ شناپ بکواس کرتا ۔ ہاتھ پاؤں اور

ٹانگیں ہلاتا۔ منہ کھولتا۔ ہنستا۔ انگلیاں چٹخاتا رہتا ہے۔ ایسا شخص عالموں کے نزدیک کوئی عزت نہیں پاسکتا۔ اگر اسکی عزت ہوسکتی ہے۔ تو ان ہی لوگوں میں جو اُسی کے اڈے کے ہوں۔ ورنہ عام طور پر وہ زیادہ تر ذلت ہی اٹھاتا ہے۔ مگر باتونی شخص عزت و ذلت میں کوئی تمیز نہیں کرسکتا۔ جس باتکو سنجیدہ آدمی باعث ننگ سمجھتا ہے۔ وہ اس چلبلے کے لئے باعث فخر ہے۔ وہ دانستہ ایسی باتیں کرتا ہے۔ کہ جن سے گنوار لوگ ہنس پڑیں۔ یا تالیاں پیٹنے لگ جائیں۔ وہ ان مورکھوں کی ہنسی کو اپنی فتح سمجھتا ہے۔ نادان لوگ اسکی چرب زبانی کی تعریف کرسکتے ہیں۔ لیکن اگر اسکی باتوں میں کچھ بھی سنجیدگی نہیں ہے۔ بلکہ وہ محض ہنسانے کے لئے ہی سب کچھ کر رہا ہے۔ تو سمجھ لو۔ کہ وہ اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع کر رہا ہے۔ ایسے شخص کی تحریر یا تقریر کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اِدھر تالی پیٹی گئی۔ اُدھر وہ ہوا میں مل گئی۔ دنیا میں اگر بہتری لا سکتے ہیں۔ تو سنجیدہ انسان ہی لاسکتے ہیں۔ سنجیدہ تحریر یا تقریر چٹکلوں سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ مگر زمانہ کا مذاق کچھ ایسا بگڑ چکا ہے۔ کہ لوگ سنجیدگی کو بہت کم پسند کرتے ہیں۔ اُن کے سامنے سنجیدہ تحریر پیش کرو۔ وہ اسکو اتنا شوق سے نہیں پڑھینگے۔ جتنا کہ کسی ناول یا چٹکلہ آمیز کتاب کو۔ اُن کے سامنے سنجیدہ باتیں بیان کرو۔ سنجیدہ لکچر دو۔ وہ اکتا جائینگے۔ انگڑائیاں لیں گے۔ گھری ہوئی بلی کی طرح بھاگنے کا راستہ جھانکنے لگ جائیں گے۔ پر بولنے والا۔ اپنی تقریر میں لطیفہ سنانے اور ہنسی کی باتیں کرنے لگ جاوے۔ تو وہ ہرگز نہیں گھبرائیں گے گھنٹوں سنانے جاؤ سنتے جائیں گے۔ اس لکچرار کے لئے کتنی مصیبت ہے کہ جس کے سامنے اس قسم کے سامعین بیٹھے ہوں۔ اور وہ خود چٹکلوں میں

دسترس میں نہ رکھتا ہو۔ اس شخص کی حالت کیسی قابل رحم! جو محض لوگوں کو خوش کرنے کے لئے سنجیدگی کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ اور جس رویں وہ بہ رہے ہوں اسی میں خود بھی بہنے لگ جاوے۔ وہ دوسروں کو محض خوش ہی کرنا چاہتا ہے ہنسانا چاہتا ہے۔ تالی پٹوانا چاہتا ہے۔ کوئی مطلب کی بات نہیں بتاتا۔ مانا کہ ہنسا پاپ نہیں ہے۔ مانا کہ نردوش چٹکلے معیوب نہیں ہیں۔ مگر وہ لوگ جو رات دن اسی دھن میں لگے ہوئے ہوں۔ کہ کوئی لطیفہ گھڑیں۔ کوئی ہنسی کی بات کریں۔ وہ اصلی بھلائی سے دور جا پڑتے ہیں۔ اس چٹکلے بازی کی دھن میں وہ اکثر فحش باتوں میں بھی جا پھنستے ہیں۔ آہستہ آہستہ ان کا آتما اتنا گر جاتا ہے کہ وہ مناسب و نامناسب میں تمیز کرنے سے رہ جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے۔ کہ ایک دفعہ میں ریل میں سفر کر رہا تھا۔ جس کمرہ میں مجھے بیٹھنے کا اتفاق ہوا اس کمرے میں دو تین سفید پوش بھلے مانس پہلے ہی سے بیٹھے ہوئے تھے ریل سٹیشن سے چلی۔ انہوں نے بکواس شروع کیا۔ ہوتے ہوتے فحش مذاق پر اُتر آئے۔ گو وہ یہ سب واہی تباہی آپس میں ہی کر رہے تھے۔ مگر مجھے انکی فحش باتیں زہر قاتل معلوم ہوتی تھیں۔ اُن کے راگ گندے۔ اُن کے چٹکلے گندے اُنکی باتیں گندی۔ اگر کچھ اچھا تھا۔ تو اُن کے باہر کے سفید کپڑے تھے۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے کہا۔ کہ اگر آپ چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتے۔ تو کوئی اچھی بات چیت ہی کرو۔ فحش باتوں سے کیا حاصل۔ اسپر ایک شخص نے کان کو ہاتھ لگا کر جیب میں سے ایک چھوٹی سی کتاب نکالی۔ اور پڑھنے سے پہلے کہنے لگا۔ کہ ہا! ہا! اب تک تو ہم نے درحقیقت زبان ہی گندہ کی۔ اب ہم یہ مفید کتاب پڑھیں گے میں سمجھا۔ کہ کوئی دھرم پستک ہوگی۔ مگر اُنکی دھرم پُستک کیا تھی؟ اکبر اور بیربر

کے لطیفے تھے۔ وہ پڑھتے جاتے تھے اور ہنستے جاتے تھے۔ بعض لطیفے نفیس تھے۔ مگر بعض ایسے فحش تھے۔ کہ جو کتابت میں نہیں آنے چاہئے تھے۔ ان میں سے ایک لطیفہ کی کسی قدر عبارت مجھے ابھی تک یاد ہے۔ کیونکہ اس چٹکلے نے مجھ پر خاص اثر کیا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ ٹکڑا صحیح ہے یا غلط۔ مگر اسوقت میرے کانوں میں کچھ ایسی آواز پڑی۔ کہ ایکدفعہ اکبر نے بیربر سے کہا کہ بیربر ! ہمارے لئے بیل کا دودھ لاؤ۔ ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ بیربر بولا۔ کہ جہاں پناہ دس دن کی مہلت دیجئے۔ بادشاہ نے کہا بہت اچھا! بیربر گھر آیا۔ مگر اداس تھا۔ کہ بیل کا دودھ کہاں سے لاؤں۔ اسکی عورت نے اسکی اداسی کا سبب پوچھا۔ بیربر نے سبب بتایا۔ کہ بادشاہ بیل کا دودھ مانگتا ہے۔ عورت نے کہا کہ گھبرانے کی بات نہیں۔ میں اس کا انتظام کرونگی۔ دوسرے دن وہ علے الصبح ہی اٹھی۔ خوبصورت کپڑے اور زیورات پہنکر بادشاہ کے محل کے پاس جو تالاب تھا اُسپر جاکر دھوبن کی طرح کپڑے دھونے لگ گئی۔ اتفاق سے بادشاہ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ اس نئی دھوبن کو چھوا چھو کرتے دیکھکر وہ حیرانی سے پوچھنے لگا۔ کہ بی صاحبہ! کیا تمہارا خاوند نہیں ہے۔ کہ تم خود کپڑے دھونے آئی ہو؟ بناوٹی دھوبن بولی۔ کہ جہاں پناہ خاوند تو ہے۔ مگر آج اُس کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ وہ حالتِ زچگی میں ہے۔ آ نہیں سکتا۔ جہاں پناہ قہقہہ مارکر بولے۔ کہ اری مورکھ! کبھی مردوں کے بھی لڑکے پیدا ہوتے ہیں۔ بناوٹی دھوبن نے کہا۔ کہ جہاں پناہ! اگر مردوں کے لڑکے پیدا نہیں ہو سکتے۔ تو کیا کبھی بیل نے بھی دودھ دیا ہے؟ بادشاہ تاڑ گیا۔ کہ یہ دھوبن نہیں ہے

بلکہ مسٹر بیربر ہے۔ اُسنے بیل کے دودھ سے درگزر کیا۔ بیربر کو بلاکر انعام واکرام دیا۔ خیر وہ لوگ تو اِس لطیفے کو سرسری نظر سے پڑھ گئے مگر میرے دل میں عجیب کشمکش ہونے لگی۔ میننے سوچا۔ کہ اگر اکبر بادشاہ پکا مُسلمان ہوتا۔ اور اُسنے اسلامی لٹریچر کو کچھہ بھی پڑھا ہوتا۔ تو وہ بناوٹی دہوبن کے جواب کو سُنکر کبھی بھی حیران نہ ہوتا۔ نہ ہی اِس کی بات پر قہقہہ لگاتا۔ مگر افسوس! وہ نہیں جانتا تھا۔ کہ اہلِ اسلام کے نزدیک انسانوں کی پیدائش محض ایک ہی بابا آدم سے ہوئی ہے۔ کاش اکبر بادشاہ کے کان میں اللہ میاں کی یہ آواز پڑی ہوتی۔ کہ:۔

یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ
واحدۃٍ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً
کثیراً ونساءً (پ ۴۔ نساء)

"اے لوگو ڈرتے رہو اپنے اللہ سے جسنے پیدا کیا تمکو ایک ہی وجود سے اور اسی سے اسکی عورت کو بنایا۔ اور پھر اِن دونوں سے بہت سے مرد اور عورت نکالے۔"

کاش اکبر بادشاہ نے پڑھا ہوتا۔ کہ اللہ میاں وہی ہے۔ جسنے کہ:۔ خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ وجعل منھا زوجھا
لیسکن الیھا (پ ۹۔ اعراف)

"تمکو ایک وجود سے پیدا کیا۔ اور اس وجود سے اسکی عورت کو پیدا کیا۔ تاکہ اُسکی تسلی ہو۔ اُس سے۔"

مگر افسوس ہے۔ کہ اکبر بادشاہ مردوں کے بال بچے ہونے سے بیخبر

تھا۔ اسکو یہ پتہ نہیں تھا۔ کہ مرد بھی بچّہ دے سکتا ہے۔ اگر بابا آدم بچّہ نہ دیتے۔ تو دُنیا کیسے چلتی۔ لطیفہ پڑھنے والے لطیفہ پڑھ گئے۔ مگر میرے لئے یہ کوئی نیا چُٹکلا نہیں تھا۔ میں بہت عرصہ پہلے ہی بابا آدم کی غلطی پہ اظہار تاسف کر چکا تھا۔ اور اہل اسلام سے پوچھ چکا تھا۔ کہ مائی حوا آدم کو کیونکر پیدا ہوئی۔ کیا آدم مرد تھا؟ اگر ہاں تو کیا ایک ہی بچّہ دیکر اس کا رحم بند ہو گیا؟ اگر عورت تھا۔ تو اس کا خاوند کون تھا۔ بغیر خاوند کے عورت نے اپنے لئے عورت کیونکر پیدا کر لی۔ اور پھر دونوں عورتوں نے مل کر دوسرے بچے کیونکر پیدا کئے؟ اس قسم کے سوالات عام لوگوں کے لئے چُٹکلے ہو سکتے ہیں۔ مگر میرے لئے یہ چُٹکلا نہیں تھا۔ بلکہ سنجیدہ بات تھی بنابرین میں نے نہایت سنجیدگی سے ترک اسلام کے تیئسویں نمبر میں اس اعتراض کو اُٹھایا۔ مگر آج مجھے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے۔ کہ میرے مہربان دوستوں نے اس کا کوئی معقول جواب دینے کی بجائے تمسخر، مخول۔ دل لگی سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ اور مغالطہ دینا چاہا ہے۔ گو میرے نزدیک انکی حیلہ بازیوں لطیفوں، چُٹکلوں کا نوٹس لینا یا ان کا جواب لکھنا محض تضیع اوقات ہے۔ مگر چونکہ میں ان لوگوں کی طرف سے تضیع اوقات کے لئے مجبور کیا گیا ہوں۔ اس لئے میں ان چٹکلوں کا نوٹس لیتا ہوں۔ میرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ وہ کیا اچھا ہوتا۔ کہ آپ ایک سال تک قرآن شریف کسی محقق عالم سے پڑھ لیتے۔ سنئے قرآن مجید نے خود اس سوال کا جواب دیا ہے۔ ایک مقام پر تو اتنا فرمایا ہے۔ کہ

جعل منھا زوجھا

جس کے معنی ہیں۔ آدم کی جنس سے اسکی بیوی کو پیدا کیا۔ اسکی جنس سے کیوں پیدا کیا۔ لیسکن الیہا۔ تاکہ اس سے مانوس ہو۔ غیر جنس سے انس اور محبت نہیں ہوتی۔"

میاں! ہمنے قرآن شریف محقق سے پڑھا۔ یا غیر محقق سے اسکو تو جانے دیجئے۔ آپ ہمارے اصلی اعتراض کو دیکھئے ہمنے یہ نہیں پوچھا۔ کہ آدم کی جنس سے اُسکی عورت کو کیوں پیدا کیا؟ جنسیت کا جواب تو آپ اسوقت پیش کرسکتے تھے۔ اگر ہمنے یہ اعتراض کیا ہوتا۔ کہ اللہ میاں نے آدم کے لئے گدھی یا کُتیا یا بھینس کا جوڑا کیوں بنایا۔ عورت کا جوڑا کیوں نہ بنایا؟ مگر یہ تو اعتراض ہی ندارد ہے۔ پھر گدھے کے سینگ اکھاڑنے کی سی کوشش سے کیا حاصل!!۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "رہی یہ بحث کہ آدم کی بیوی کی پیدائش کیونکر ہوئی۔ سچ پوچھو۔ تو جسطرح اگنی وایو وغیرہ اور اُنکی جوروؤں کی ہوئی تھی۔ بس آپ کا سارا غصہ پانی کی طرح بہ گیا۔"

غصہ تو اللہ میاں کو آتا ہے۔ کہ ذرا کسی نے عقل کی بات کہی تو اللہ میاں طوفان نوح پر دوڑ پڑا۔ ہمیں تو نہ غصہ آیا۔ نہ غصہ کی بات کی۔ ایک معقول سوال پوچھا تھا۔ اس کا جواب آپ یہ دیتے ہیں کہ مائی حوا کی پیدائش اسطرح ہوئی جسطرح اگنی۔ وایو وغیرہ کی استریوں کی ہوئی تھی۔ یہ صریحاً غلط اور اللہ میاں کی سی مکاری ہے محض اگنی۔ وایو۔ آدتیہ رشی ہی نہیں۔ بلکہ اور بھی سینکڑوں۔ ہزاروں لاکھوں۔ انسان ابتدائی سرشٹی میں پیدا ہوئے۔ مرد پیدا ہوئے

عورتیں پیدا ہوئیں۔ مگر اللہ میاں نے تو ایک ہی پتلا بناکر کہہ دیا کہ :-

خلقکم من نفسٍ واحدۃٍ

"پیدا کیا تم کو ایک ہی وجود سے" اور اسی ایک وجود سے اسکی عورت کو بھی پیدا کیا۔ پوچھو۔ کہ بابا آدم سے اماں حوا کو کیونکر پیدا کیا۔ تو شاید یہ بول اٹھے۔ کہ بائیبل دیکھہ لو۔ وہاں میں نے پورے طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔ کہ :-

" خداوند خدا نے کہا۔ کہ اچھا نہیں۔ کہ آدم اکیلا رہے میں اس کے لیئے ایک ساتھی اسکی مانند بناؤں گا۔ اور خداوند خدا نے میدان کے ہر ایک جانور اور آسمان کے پرندوں کو زمین سے بنا کر آدم کے پاس پہونچایا۔ تاکہ دیکھے کہ وہ ان کے کیا نام رکھے۔ سو جو آدم نے ہر ایک جانور کو کہا۔ وہی اس کا نام ٹھیرا۔ اور آدم نے سب مویشیوں اور آسمان کے پرندوں اور ہر ایک جنگلی جانور کا نام رکھا۔ پر آدم کو اسکی مانند کوئی ساتھی نہ ملا۔ اور خداوندِ خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی۔ کہ وہ سو گیا۔ اور اسنے اسکی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی۔ اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا۔ اور خداوندِ خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم سے نکالی تھی۔ ایک عورت بناکر آدم کے پاس لایا۔ اور آدم نے کہا۔ کہ اب یہ میری ہڈیوں سے ہڈی۔ اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے۔ اس سبب سے وہ ناری کہلائیگی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے۔ کتاب پیدائیش۔"

اسی جنسیت کی طرف آپنے اشارہ کیا ہے۔ اسی مطلب کی طرف

آپ کے بزرگ مفسرین اشارہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ بیضاوی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتا ہوا لکھتا ہے۔

خلقکم من شخصٍ واحدٍ وخلق منہا امکم۔
حوآء من ضلعٍ من اضلاعہا۔"

یعنی "پیدا کیا تمکو ایک ہی وجود سے اور اس وجود سے تمہاری ماں حوا کو پیدا کیا یعنی اسکی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے۔"

معالم التنزیل والا یوں لکھتا ہے۔

وذالک ان آدم لم یکن فی الجنۃ من یجالسہ فنام فنمت فخلق اللہ تعالیٰ زوجتہ حوّا من قصیر اشتعنہ الیسریٰ وسمیتہ حوّا لانہا خلقت من حیّ خلقتہا عزوجل من غیر ان احس بہ آدم

"یعنی یہ اس طرح ہوا۔ کہ آدم کے لئے بہشت میں کوئی دل بہلانے کے لئے ہم جنس نہیں تھا پس وہ سو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسکی بائیں طرف کی چھوٹی پسلی سے اسکی بیوی کو پیدا کیا۔ اور اس کا نام حوّا رکھا کیونکہ وہ ذی حیات (زندہ) سے پیدا کی گئی تھی۔ پیدا کیا اللہ میاں نے اس عورت کو بغیر اس کے کہ آدم کو درد محسوس ہو۔" یہ تو مستند تفسیروں کا حال ہے۔ غیر مستند تفسیریں بھی پکار پکار کر یہی کہہ رہی ہیں۔ کہ مسلمانوں کی ماں حوا بابا آدم کی پسلی سے نکلی تھی ممکن ہے۔ یہ تمام مفسر جھوٹے ہوں لیکن ہمارا اس میں کیا قصور۔ اگر بابا آدم زندہ ہوتا۔ تو ہم اس سے پوچھ لیتے

کہ بتا میاں - تیری بیوی تجھے کیونکر پیدا ہوئی تھی - مگر افسوس وہ بیچارہ بھی موجود نہیں ہے۔ پھر درویش برجان درویش جو کچھ کہ اماں حوا کی بزرگ اولاد اپنی ماں کی پیدائش کے متعلق بتاتی ہے - وہی ہمیں ماننا پڑتا ہے - پس مفسرین سچے - اور تم غلط!! - مگر ہمارے نزدیک دونوں ہی غلط - کیونکہ انسانوں کی پیدائش ایک وجود سے نہیں ہوئی - اور نہیں ہوسکتی - بلکہ ابتدائے آفرینش میں پرماتما بہت سے مردوں اور عورتوں کو اپنے قانون و انصاف کے بموجب پیدا کرتا ہے - اگر ہمارے علمائے اسلام کی عقل ہو - تو وہ اِس قرآنی گورکھ دھندے کو چھوڑ دیں - یا اسکی اصلاح کریں - مگر وہ اسکی اصلاح نہیں کر سکتے - کیونکہ اُن کا اللہ میاں قادر مطلق ہے - جب اسنے عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا - تو حوا کو بغیر ماں کے پیدا کرنا اُس کے لئے کیا مشکل ہے ؟ عوض معاوضہ گلہ ندارد - دو مثالیں قایم ہوگئیں - اُدھر عیسیٰ - اِدھر حوا - ایک بلا باپ - دوسری بلا ماں - چہ خوب شاید ایسی ہی باتوں پر جنگلی تمیز کہا ہے -

سبحان تیری قدرت

رشیوں کی عورتوں کا بھی خوب ہی نام لیا - جن رشیوں کا آپ نام لیتے ہیں - وہ عمر بھر برہمچاری رہے - انکی عورتوں کا ہونا ایسا ہی مشکل ہے جیسے عیسیٰ کے پوشیدہ باپ کا ہونا آسان ہے - آپ نہ مانیں تو ہمارا کیا قصور -

مولوی صاحب فرماتے ہیں " بے شک جو سچی بات ہو وہ بائبل سے ہو - خواہ وید سے ہم بہ تعلیم قرآن لینے کو تیار ہیں - مگر اس

خوشی میں کہیں نیوگ نہ پیش کر دیجیے گا - چیز۔"

حضور - گھبرائیے گا نہیں - ہم نیوگ پیش نہیں کریں گے بلکہ کوئی اور تحفہ پیش کریں گے - اگر وہ یہ تعلیم قرآن پسند آئے تو منظور کرنا - ورنہ خیر - لیجیے بسم اللہ کیجیے - مگر پیش کرنے سے پہلے ہم یہ پوچھ لینا چاہتے ہیں - کہ کبھی آج تک آپ نے سوئر کا گوشت کھایا ہے یا نہیں - ؟ اگر آپ اللہ کی طرح خفا ہوں - تو آپکی مرضی - بہر صورت ہم پوچھ لینا ضروری خیال کرتے ہیں - اگر آپ یہ جواب دیں - کہ سوئر کا گوشت نہیں کھایا - تو ہم پوچھیں گے - کیوں نہیں کھایا - ؟ اگر آپ یہ کہیں - کہ وہ حرام ہے - تو ہم کہیں گے - کہ اس کا کھانا جائز بھی ہے - اگر آپ لال پیلے ہوں - اور اللہ کی طرح غضبناک ہو کر ڈرانا چاہیں - تو ہم فوراً اللہ کی بات آپ کو دکھا دیں گے - اور سنا دیں گے کہ دیکھئے حضور کیا لکھا ہے :-

انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر
وما اھل بہ لغیر اللہ فمن اضطر غیر باغ
ولا عاد فلا اثم علیہ - ان اللہ غفور
الرحیم (پ - بقرہ)

ترجمہ - حرام کیا واسطے تمہارے خون - مردار - اور سوئر کا گوشت اور جو کچھ ذبح کیا گیا غیر اللہ کے نام پر - مگر جو کوئی حالت اضطرار میں ہو زیادتی نہ کرے - اور نہ ہی حد سے بڑھ جاوے - تو اسپر کوئی گناہ نہیں تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے -"

کیوں صاحب اس آیت سے سوئیر۔ مردار۔ خون کی اجازت دی گئی ہے۔؟ یا نہیں؟ آپ کہیں گے۔ کہ اجازت تو دی گئی ہے۔ مگر یہ حالتِ اضطراری کا مسئلہ ہے۔ یعنی اگر جان جاتی ہو۔ اور کوئی چیز کھانے کے لئے نہ ملتی ہو۔ تو ان چیزوں میں سے جو ہاتھ لگے۔ کھالے۔ اور اپنی جان بچالے۔ مگر زیادتی نہ کرے۔ ہاں صاحب! اگر آپ حالت اضطرار میں سوئیر کھاسکتے ہیں۔ مردار کھاسکتے ہیں۔ جھٹکا کھاسکتے ہیں۔ اسطرح اگر ایشور نے آپت کال یا حالت یاس میں نیوگ کرکے اولاد پیدا کرنے کی اجازت دیدی۔ تو آپ آستینیں چڑھا کر لڑنے کے لئے کیوں امنڈے چلے آتے ہیں۔؟ جیسے آپ لوگوں کے ہاں حالتِ اضطرار میں حد سے زیادہ سوئیر کھانا۔ یا مردار اور جھٹکا کھانا منع ہے۔ ویسے ہی ویدوکت دھرم میں نفس کی خاطر۔ یا کسی نفسانی غرض کو پورا کرنے کے لئے نیوگ کرنا منع ہے۔ جیسے سوئیر کا گوشت کھانے کی حد مقرر ہے۔ ویسے ہی نیوگ کی حد مقرر ہے۔ گو نیوگ اور سوئیر کے گوشت کو باہمی کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ نیوگ معیوب چیز نہیں ہے۔ برعکس اس کے سوئیر کا مارنا بھی معیوب۔ اس کا گوشت کھانا بھی معیوب ہے۔ مگر تاہم یہ مقابلہ محض آپت کال کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے پیش کیا ہے۔ اگر آپ اسپر یہ اعتراض کریں۔ کہ قرآن میں تو سوئیر کھانا حرام ہے۔ کیا نیوگ بھی حرامکاری ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے۔ کہ جیسے آپکے ہاں بلا ضرورت سوئیر کھانا حرام ہے۔ ویسے ہی ہمارے ہاں بلا ضرورت نیوگ کرنا حرام ہے۔ البتہ کہتا ہے کہ حالتِ اضطرار میں

تم سوئیر کا گوشت - یا خون - یا مردار - یا جھٹکا کھا لو - تو کوئی گناہ نہیں ہے - اِسی طرح ایشور آگیا دیتا ہے - کہ تم آپت کال میں سنتان اُتپتی کی خاطر نیوگ کر لو - کوئی پاپ نہیں ہے - افسوس ہے کہ آپ ہے الد رکیطرح ایسے اعلیٰ اور پاکیزہ مسئلوں پر تمسخر کرتے ہیں - اور خود بخود ہی چیرز اُڑا رہے ہیں - آپ ہی لکھنا اور آپ ہی داد دینا بعید از معقولیت ہے - کیا ہمارے اعتراض کا جواب اللہ میاں کی طرح ٹھٹھہ بازی کرنا ہی جواب ہے ؟ کاش ! آپ لوگ چٹکلے بازی کو چھوڑ کر سنجیدگی سے کام لیں - کاش مسخرے میاں کی صحبت کا اثر آپ پر سے دور ہو - آمین

حکیم صاحب فرماتے ہیں

"دیکھو جواب سوال نمبر ۲۲ جہاں ہزاروں ہزار لاکھوں لاکھ جوان جناب الٰہی نے پیدا کئے - آپ کو کب صاف معلوم ہوا - کن بچہ دانوں اور رحموں سے پیدا ہوئے - اور وہ لاکھوں لاکھ نطفے کہاں سے آئے - اور وہ بچہ دان کیونکر گم ہو گئے جہاں سے اگنی - وایو وغیرہ پیدا ہوئے - اب وہاں سے کیوں نہیں ہوتے - اب ہم ان وسائط کو مذکر کہیں یا مونث - وغیرہ"

حضور نے میری عبارت ہی نقل کر دی - اور عقل شریف میں اتنی بات نہ پھنس سکی - کہ میرا اعتراض حوا کی پیدائش پر ہے - نہ کہ (حوا کے خاوند کہو - یا باپ کہو) بابا آدم پر - اپنے اعتراض کا جواب بھی سن لو - ہزاروں ہزار نوجوان اس طرح پیدا کئے گئے - جسطرح آپ کا بابا جان آدم - فرق صرف اتنا ہے - کہ اللہ میاں نے سالوں تک آدم کا خمیر گوندھا - پھر خلقت بیدی اسکو دونوں ہاتھوں سے گھڑا

مگر ایشور نے ان روحوں کو جو ایستھنی سرشٹی میں پیدا ہونے کی مستحق تھیں یہ طاقت دی۔ کہ وہ پرکرتی سے تعلق پیدا کریں۔ اور ایشور یہ نیموں کے مطابق جو کہ ایستھنی سرشٹی کے لئے ضروری ہیں۔ انسانی جسم دھارن کریں آگے سُننے۔ کیا آپکے بابا جان آدم رحم سے پیدا ہوئے تھے؟ ہرگز نہیں پھر ایستھنی وجودوں کے متعلق آپکے دماغ میں رحم کا وہم کیوں گھُس گیا؟ اگر آدم نطفہ سے پیدا ہوا تھا۔ تو یہ جوان بھی نطفہ سے پیدا شدہ سمجھ لو۔ اگر بابا آدم کسی اور طرح پیدا ہوا تھا۔ تو سمجھ لینا۔ کہ یہ نوجوان بھی اسی طرح پیدا ہوئے تھے۔ آپ اگنی۔ وایو کی بابت پوچھتے ہیں۔ کہ اب کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ آپ اپنے بابا جان کا حال تو سُنائے۔ اب کوئی اسطرح کیوں پیدا نہیں ہوتا؟ آپ کا آخری فقرہ بڑا دلچسپ ہے۔ ایشوری سرشٹی میں تو مرد و عورت لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے ان میں جو مذکر تھے۔ وہ مذکر۔ جو مونث تھے۔ وہ مونث کہلائے۔ مگر آپ کا بابا آدم تو وحدہ لاشریک لہ تھے۔ کیا اسکی تذکیر و تانیث کا آپ کو بھی کچھہ شُبہ ہے؟ ہمیں تو اس لئے شُبہ پڑا تھا۔ کہ اگر حوا آدم کے بچہ دان سے پیدا ہوئی تھی۔ تو آدم مونث ہوگا۔ مگر پھر ہم نے سوچا۔ کہ اگر آدم مونث تھا۔ تو اس کے ساتھ بچہ پیدا کرنے کا عمل کس نے کیا؟ ہم چونکہ اس مسئلہ کو خود حل نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے یہ سوچکر کہ شائد آپ لوگوں میں سے کوئی اس معمے کو حل کردے۔ سوال کر دیا تھا۔ مگر آپ ایسے حضرت نکلے۔ کہ اصلی اعتراض کو ہی ڈکار گئے۔ اور یہ بتایا تک نہیں۔ کہ حوا کس طرح پیدا ہوئی۔ مولوی صاحب نے چالاکی

کا ہاتھ تو مارا۔ مگر اپنے ہی مُنہ پر لگا بیٹھے۔ اور لینے کے دینے
پڑ گئے۔ آپ نے جواب دینا چاہا تو آدم کے مقابلہ میں نوجوان آدمیوں
کو پیش کیا۔ جس کا ہمارے اعتراض سے مطلق کوئی تعلق نہیں۔ اللہ
میاں کی خیر! بتا دیجئے۔ حوا کہاں سے نکلی؟ ورنہ ہم آپکے مفسروں
کی بات کو ہی ٹھیک خیال کریں گے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "پسلی کا لفظ بھی قرآن
کریم میں نہیں۔"

ہمنے کب کہا ہے۔ کہ پسلی کا لفظ قرآن میں ہے۔ ہم تو خود
پوچھتے ہیں۔ کہ حوا پسلی توڑ کر بنائی گئی۔ یا آدم کو لڑکیوں کی طرح
پیدا ہوئی۔؟ اگر وہ آدم کے رحم سے پیدا ہوئی تھی۔ تو وہ اسکی لڑکی
ٹھیری۔ آدم نے اپنی لڑکی سے شادی کرلی! توبہ توبہ۔ اور پھر
جس آدم کے اندر سے لڑکیاں پیدا ہوں۔ وہ آدم کیا ہوا۔ آدمہ ہوئی
حوا اور آدمہ کا باہی جوڑ!! لاحول ولا! پھر حوا اور آدمہ سے بچوں
کی پیدائیش۔!!! نعوذ باللہ! ایں چہ بلاست! بھئی اس معمے کو ذرا
حل کر کے دکھا دو۔ ہم تو سوچتے سوچتے تھک گئے۔ اگر آدم کو مرد کہیں
تو مشکل۔ اگر عورت کہیں تو مشکل۔ اگر مخنث کہیں تو اور بھی مشکل۔
اجی حضور! آپکے تو یہ بابا جان تھے۔ کیا آپ کو انکی تذکیر و تانیث
کی کچھ بھی خبر نہیں ہے؟ پھر آپ ہمیں دِق کیوں کرتے ہیں۔ ذرا
اس مسئلے کو سمجھا تو دیجئے۔ لاحول ولا قوۃ۔ حوا کے اندر سے بچے پیدا
ہوئے۔ وہ اہل اسلام کے اباواجدا دٹھیرے۔ مگر ہمارے حکیم صاحب

ایسے بھولے بھالے ہیں۔ کہ اپنی اماں حوّا کی پیدائش کی بابت بھی کچھ نہیں جانتے۔ اجی حضور! ذرا اپنی اماں جان کا طریقہ پیدائش تو بتا دیجئے۔ یا کیا یہ بھی عرش الٰہی کی طرح کوئی بھید ہے؟ اجی بتا دیجئے مُنہ میٹھا کرا دیں گے۔ اچھا صاحب آپکی مرضی! اگر آپ نہیں بتانا چاہتے۔ تو نہ بتائیں۔ ہم اللہ سے پوچھ لیں گے۔ بشرطیکہ اس کو یاد رہا ہو۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "کیا تم ہر روز دیکھتے ہو کہ لوگوں کی پسلیوں سے انکی بیویاں پیدا ہوتی ہیں۔"

اجی حضور! لاحول پڑھیئے پسلی چھوڑ آدمی کے پیٹ کے اندر سے بھی اسکی عورت نہیں نکل سکتی۔ اگر ایسا ہو سکے۔ تو پھر پرواہ ہی کیا۔ ایک بیوی مری۔ جھٹ اپنے اندر سے دوسری نکال لی۔ مگر آپنے ہمارے اعتراض کا جواب کیوں نہ دیا۔ یوں ہی چل دئے۔ ہم تو کبھی نہیں مانیں گے۔ آپ کو بتانا پڑے گا۔ کہ اماں حوا کہاں سے پیدا ہوئی اور اس کے لئے کوئی قرآنی آیت دکھانی ہوگی۔ ویسے گپ مارنا تو کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ بعض مسلمانوں نے یہ گپ مارہی چھوڑی ہے۔ کہ شیطان نے اپنے ساتھ اغلام کر کے اولاد پیدا کر لی۔ اگر آپ جیسے عقلمند دیں بھی کوئی صاحب آدم کے بارے میں بھی اس قسم کی گپ مارنا چاہے۔ اور جواب دیکر پیچھا چھڑانا چاہیگا۔ تو ہم ہرگز نہیں مانیں گے۔ آپ کو قرآنی آیت سے دکھانا ہوگا۔ کہ حوا آدم کے اندر سے کیونکر پیدا ہوئی۔ باقی حوا اپنے حلق مصفا دو جہاں کی طرف

اشارہ کیا ہے۔ اس کا جواب ہم پہلے ہی دیچکے ہیں۔ دہرانے کی ضرورت نہیں۔ مگر ہمیں افسوس آتا ہے۔ کہ آپ دونوں صاحبان نے ہمارے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُلٹا اپنے اللہ کی طرح تمسخر کرکے رہ گئے مولوی صاحب کے تمسخر کا جواب تو ہو چکا۔ اب آپکی باری آتی ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "اور سنو! منو ۱۔ ۳۲ میں لکھا ہے۔ "پھر برھما جی نے اپنے قالب کے دو حصے کئے۔ نصف سے صورت مرد۔ نصف سے صورت عورت پیدا ہوئی۔ ان دونوں کے ملانے سے وراٹ کو پیدا کیا ہے"۔

حضور! آپ ہمارے اعتراض کا جواب دے رہے ہیں۔ یا ہندؤوں سے سر کھپائی کرتے ہیں۔ اگر منو میں ایسا لکھا ہے۔ تو ہم کیا کریں۔ منو میں کیا کیا کچھ نہیں لکھا۔ ہم ایسی لایعنی باتوں کو وید ورودھ سمجھتے ہیں۔ بنابریں یہ قابل تسلیم نہیں۔ مگر اللہ میاں تو اپنی کلام میں ایک ہی پتلے کا ذکر کرکے کہہ رہا ہے۔ کہ اس سے سبکو پیدا کیا۔ تم اللہ کی بات کو مانتے ہو۔ یا عقل کی بات کو۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "اور ۳۳ شلوک میں لکھا ہے۔ کہ وہ منوجی کے باپ تھے۔ تماشائیست دیدنی۔"

ہم برابر کہتے آئے ہیں کہ ہمارے دوستوں کو ہمارے اعتراض کا کوئی جواب نہیں آتا۔ وہ اللہ میاں کی طرح ٹھٹھہ بازی سے کام لے رہے ہیں ثناءاللہ نے جواب ختم کیا۔ تو نیوگ پر بلا وجہ تمسخر کرکے تالی بجائی۔ اب آپ نے جواب ختم کیا۔ تو تماشا دکھا دیا۔ یہ کمینہ حرکات ہیں۔ ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ ہم وید ورودھ باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مگر افسوس ہے آپ لوگوں پر کہ آپ اللہ میاں کی طرح مغالطہ دینے کے لئے خواہ مخواہ ہنسی مخول

کی باتیں کر رہے ہو۔ اگر آپ کو اعتراض کا جواب دینے کی بجائے لوگوں کو تماشا دکھانا ہی منظور تھا۔ تو قرآن میں سے دکھایا ہوتا۔ اُن کو بابا آدم کا قصہ سُنایا ہوتا۔ اماں حوا کا حال بتایا ہوتا۔ اِن میاں بیوی کے دو لڑکوں کی کہانی جتائی ہوتی۔ تم اصلی اعتراض کو چھوڑ کر تماشوں میں جا پھنسے۔ وہ بھی دوسرے لوگوں سے متعلق!! تم کیا تماشا دکھا سکتے ہو۔ جبکہ تمہارے اپنے گھر میں ہی تماشے موجود ہیں۔ اگر دیکھنا چاہو۔ تو ہم دکھا سکتے ہیں۔ یہ لو!!

تماشا

واتل علیھم نبا ابنی آدم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر۔ قال لاقتلنک ط قال انما یتقبل اللہ من المتقین لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لاقتلک انی اخاف اللہ رب العلمین انی ارید ان تبوء باثمی واثمک فتکون من اصحب النار وذالک جزاؤ الظلمین فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ فقتلہ فاصبح من الخسرین۔ فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض لیریہ کیف یواری سواۃ اخیہ قال یا ویلتی اعجزت ان اکون مثل ھذا لغراب فاواری سواۃ اخی فاصبح

من الدنٰی مین ۔ (القرآن پ ۶ ۔ مایدہ رع ۹ -

" اور تو ان کو آدم کے دو بیٹوں کا حال سنا ۔ جبکہ دونوں نے
قربانی کی ۔ ایک کی قربانی قبول ہوئی ۔ اور دوسرے کی نامنظور ۔ (دوسرے
نے کہا ۔ میں تجھہ کو مار ڈالونگا ۔ (پہلا) بولا ۔ اللہ قبول کرتا ہے ۔ نہ ڈرنے
والوں کی ۔ اگر تو میرے قتل پر ہاتھ چلائیگا ۔ تو میں تیرے قتل پر ہاتھ نہیں
چلاؤنگا ۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں ۔ وہ سب جہان کا مالک ہے ۔ میں چاہتا
ہوں ۔ کہ تو میرے اور اپنے گناہوں کو لیکر جہنم رسید ہو جاوے ۔ کیونکہ
ظالموں کی یہی سزا ہے ۔ وہ اپنے بھائی کا خون کرنے پر تیار ہو گیا ۔
پس اسکو مار ڈالا ۔ اور ہو گیا ۔ نقصان پانیوالوں میں سے ۔ پھر اللہ میاں
نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو کریدتا تھا ۔ تاکہ قاتل کو اپنے بھائی کا عیب
(لاش) چھپانا سکھاوے ۔ قاتل بولا ۔ آہ ! میں اس کوے کے برابر
بھی نہیں ہوں ۔ کہ میں اپنے بھائی کا عیب (لاش) چھپا سکوں ۔
پس وہ پچھتانے لگا ۔" گو یہ قصہ بائیبل کا مال مسروقہ ہے ۔ مگر ہم پوچھتے
ہیں ۔ کہ میاں آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے کو کیوں قتل کیا ؟
اس سوال کا جواب سب سے پہلے بائیبل یوں دیتی ہے ۔ کہ :-

" آدم اپنی جورو حوا سے ہمبستر ہوا ۔ اور وہ حاملہ ہوئی ۔ اور
قاین کو جنی ۔ اور بولی ۔ کہ میں نے خداوند سے ایک مرد پایا ۔ پھر اس کے
بھائی ہابل کو جنی ۔ اور ہابل بھیڑ بکری کا چرواہا ۔ اور قاین کسان تھا چند
روز کے بعد یوں ہوا ۔ کہ قاین اپنے کھیت کے حاصل میں سے خداوند کے
واسطے ہدیہ لایا ۔ اور ہابل بھی اپنی پلوٹھی اور موٹی بھیڑ بکریوں میں سے لایا

اور خداوند نے ہابل کو اور اس کے ہدیہ کو قبول کیا۔ پر قاین کو اور
اسکو ہدیہ کو قبول نہ کیا۔ اِس لئے قاین ہنایت غصے اور ترش رو ہوا۔ اور
خداوند نے قاین سے کہا۔ تجھے کیوں غصہ آیا۔ اور اپنا منہ کیوں بگاڑا
اگر تو اچھا کرتا۔ تو کیا تو مقبول نہ ہوتا۔ اگر تو اچھا نہ کرے۔ تو گناہ دروازے
پر موجود ہے۔ اور تیرا ارادہ رکھتا ہے۔ پر تو اسپر غالب آ۔ قاین نے
اپنے بھائی ہابل سے باتیں کیں۔ اور جب وے دونوں کھیت میں تھے
تو یوں ہوا۔ کہ قاین اپنے بھائی ہابل پر اُٹھا۔ اور اسے مار ڈالا۔ تب خداوند
نے قاین سے کہا۔ کہ تیرا بھائی ہابل کہاں ہے۔ وہ بولا میں نہیں جانتا
کیا میں اپنے بھائی کا نگہبان ہوں۔ پھر اسنے کہا۔ کہ تو نے کیا کیا؟
تیرے بھائی کا خون زمین سے مجھے پکارتا ہے۔ اب تو زمین سے
لعنتی ہوا۔ جسنے اپنا منہ پسارا۔ کہ تیرے ہاتھ سے تیرے بھائی کا لہو
لیوے۔ جب تو زمین پر کھیتی کریگا۔ وہ پھر تجھے اپنا حاصل نہ دیگی۔ اور
زمین پر تو پریشان اور آوارہ ہوگا۔ تب قاین نے خداوند سے کہا کہ میری
سزا برداشت سے باہر ہے۔ دیکھ آج تو نے مجھے وطن سے نکال دیا ہے
اور میں تیرے حضور سے غائب ہونگا۔ اور زمین پر پریشان اور
آوارہ رہونگا۔ اور ایسا ہوگا۔ کہ جو کوئی مجھے پاویگا۔ مار ڈالیگا۔ تب
خداوند نے اسے کہا۔ نہیں۔ بلکہ جو کوئی قاین کو مار ڈالیگا۔ سات گنا بدلہ
اس سے لیا جاویگا۔ اور خداوند نے قاین پر ایک نشان لگایا۔ کہ جو کوئی
اسے پاوے۔ مار نہ ڈالے۔ سو قاین خداوند کے حضور سے نکل گیا۔ اور
عدن کی پورب کی طرف نود کی سرزمین میں جا رہا۔"

یہ تو ہوا۔ اس کتاب کا تماشا جو کیطرح قرآن کی اماں ہے۔ اب مسلمانوں
کے بزرگوں کی سُنئے۔ کہ وہ کیا تماشا دکھاتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیتوں
کی تفسیر میں مفسران معالم التنزیل۔ موضع القرآن۔ بیضاوی حسینی وغیرہ
وغیرہ تمام نے عجیب بے سر الاپ لایا ہے۔ ہم مختصر طور پر مفسرین کی تفسیر
کے اردو ترجمہ کا سرتال ہی دکھا دینا کافی سمجھتے ہیں۔ بابعالی فرماتے
ہیں۔ کہ:۔

"حضرت حوا علیہا السلام ہر حمل میں ایک لڑکا ایک لڑکی جنتی
تھیں۔ جب وہ بڑے ہوتے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام ایک حمل کی لڑکی دوسرے
حمل کے لڑکے کے نکاح میں دیتے۔ جو لڑکی قابیل (قائن) کے ساتھ پیدا ہوئی
اس کا نام اقلیما تھا۔ اور وہ نہایت حسینہ۔ جمیلہ تھی۔ اور جو لڑکی ہابیل
(ہابل) کے ساتھ پیدا ہوئی تھی۔ اس کا نام لیوذا تھا۔ اور وہ ایسی خوبصورت
نہ تھی۔ جب یہ چاروں جوان ہوئے۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے
لیوذا کو قابیل سے نامزد کر دیا۔ اور اقلیما کو ہابیل سے منسوب کیا۔ قابیل نے
حضرت آدم علیہ السلام کی اس تجویز سے انکار کیا۔ اور کہا میری بہن
بہت خوبصورت ہے۔ اور میرے ساتھ رحم مادر میں ہی ہے۔ بہتر یہی ہو
کہ وہ میرے نکاح میں آئے۔ (واہ رے بہن کے عاشق زار منطقی میاں!!)
حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ حکم خدا یوں ہی صادر ہوا ہے۔ مجھے
اس میں کیا اختیار۔ قابیل نے نہ مانا۔ (مانتا کب ہے۔ بھلا عشق کا دیوانہ)
اور کہا تم ہابیل کو مجھ سے زیادہ چاہتے ہو۔ اس وجہ سے جو لڑکی بہت
خوبصورت ہے۔ وہ اس کے عقد میں دینا چاہتے ہو۔ (ہاں صاحب! ٹھیک

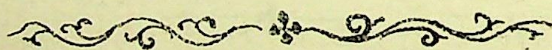
ہے) حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میری بات باور نہیں کرتے ہو
تو تم دونوں قربانیاں کرو۔ جسکی قربانی مقبول ہو جائے۔ اقلیما اسی کی ہو
...... ہابیل کے پاس بکریاں تھیں۔ وہ ایک خصّی بہت فربہ کو۔ جسے
وہ دوست رکھتا تھا۔ لایا۔ اور پہاڑ پر رکھا۔ اور نیّت کی۔ کہ اگر میری
یہ قربانی قبول نہ ہو جائے گی۔ تو میں اقلیما کو چھوڑ دونگا۔ اور قابیل کی
کھیتی تھی۔ وہ ایک مٹھا گیہوں کا لایا۔ کہ اس میں دانے کم اور پتلے پتلے
تھے۔ اور لاکر وہیں پہاڑ پر رکھا۔ اور اپنے جی میں کہا۔ کہ اگر میری یہ
قربانی قبول ہو جائے۔ تو فبہا۔ اگر نہ قبول ہوئی۔ تو میں اپنی بہن سے
دست بردار نہ ہونگا۔ (توبہ! توبہ! پیاری بہن کا عاشق !!) پس قبول
کی گئی قربانی ایک کی۔ کہ وہ ہابیل تھا۔ اسطرح پر کہ سفید آگ بغیر دھوئیں کے
آسمان سے اُتری (اللہ میاں تو نہیں تھا؟) اور خصّی کو جلا گئی۔ اور
نہ مقبول ہوئی دوسرے سے کہ قابیل تھا۔ اور آگ اسکی قربانی پر سے گزر
گئی۔ اس کے جلانے کی طرف ملتفت بھی نہ ہوئی۔ جب تو غصہ کی آگ
قابیل کے دل میں بھڑکی۔ اور حسد کے دھوئیں نے اس کے دیدہ بصیرت پر
اندھیرا چھا دیا۔ اسنے ہابیل کو کہا قسم خدا کی میں تجھے مار ڈالوں گا۔ اسواسطے
کہ تیری قربانی مقبول ہوئی۔ اور میری قربانی مردود ہوئی۔ ہابیل نے کہا
کہ خدا منظور نہیں کرتا ہے۔ مگر پرہیزگاروں سے۔ جنہوں نے قربانی
میں اپنی نیّت خالص کرلی ہے۔ اگر تو میری طرف اپنا ہاتھ میرے قتل
کرنے کے لئے دراز کریگا۔ تو میں دراز نہیں کروں گا۔ اپنا ہاتھ تیری طرف
تاکہ قتل کروں تجھے۔ کیونکہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ باوصف اس کے کہ

ہابیل قابیل سے بہت قوی اور صاحب شوکت تھا۔ مگر خوفِ خدا کی وجہ سے قابیل کو قتل کرنیکا ارادہ نہ کیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہ یہ نہ جانتا تھا کہ اسے کیونکر قتل کرے۔ پس ابلیس شیر کی صورت اختیار کرکے اس کے سامنے آیا۔ اور ایک چڑیا ہاتھ میں لایا۔ اس چڑیا کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرا پتھر اسپر مارا۔ اس چڑیا کا سر کچلا گیا۔ اور وہ مر گئی۔ (دیکھنا ذرا!! فرشتوں کا اُستاد کنڈر گارٹن کے طریقہ سے کام لے رہا ہے!) قابیل یہ ترکیب دیکھ کر چُپ ہو رہا۔ یہاں تک کہ ایکدن اسنے ہابیل کو دیکھا کہ پتھر پر سر رکھکر سو رہا ہے۔ پس اس کے سر پر ایک پتھر مارا۔ اسکا بھیجا نکل گیا۔ پس ہوگیا نقصان پانیوالوں میں سے دُنیا میں اِس طرح کہ پھر عمر بھر مردود رہا۔ اور آخرت میں خود ظاہر ہے۔ کہ سب دوزخیوں کا آدھا عذاب اکیلے اسی پر ہوگا۔ (واہ رے بہادر قابیل!! بہن کے عشق میں آدھا عذاب دوزخ سر پر اُٹھالیا!!) چنانچہ امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ پھر قابیل یہ نہ جانتا تھا۔ کہ اب ہابیل کی لاش کو کیا کرنا چاہیئے۔ اسے کپڑے میں لپیٹے کر چالیس دن تک پیٹھ پر لادے ہر طرف پھرتا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا ہے۔ کہ سال بھر یوں ہی بسر ہوا۔ اور وہ لاش سڑ گئی۔ اور بدبو کرنے لگی۔ اور درند اور پرند نے قابیل پر غلبہ کیا۔ کہ کہیں یہ اسے پھینکے۔ تو ہم کھالیں۔ قابیل نہایت تنگ اور پریشان ہوا۔ پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا۔ جو زمین کو اپنی چونچ اور دونوں پنجوں سے کریدتا تھا۔ اِسی طرح کھود کر اسنے گڑھا بنالیا۔ لکھا ہے کہ کوے نے خاک میں گڑھا کھودا۔ اور

دوسرے مرے ہوئے کوے کو لایا (یہ کوا بھی شیطان ہی ہوگا) اور اس گڑھے میں رکھکر خاک ڈالتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مرا ہوا کوا چھپ گیا۔ .... اسی طرح قابیل نے ہابیل کو بھی خاک میں دبا دیا۔" کہیوں! مذکورہ بالا تماشا کیسا ہے۔!! یہ بابا آدم کی اولاد کا عشقیہ فسانہ کیا کہتا ہے! ہم نہیں چاہتے۔ کہ اصلی بات کو چھوڑ کر ادھر ادھر جائیں۔ مگر ہم مجبور ہیں کہ جب ہمارے مہربان دوست تماشا دکھانے لگ جائیں اور لوگوں کو مغالطہ دینا چاہیں۔ تو انکی روک تھام کریں۔ مذکورہ بالا کہانی سے صرف یہی معلوم نہیں ہوتا۔ کہ بابا آدم کے بیٹے اپنی سگی بہنوں کے عشق میں دوسرے بھائی کو تہ تیغ کر بیٹھے۔ بلکہ یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ خود بابا آدم کو اپنی زوجیت کے لیئے اپنے ہی اندر سے پیدا شدہ وجود کو اپنا جوڑا بنانا پڑا۔ ہم بابا آدم کو حوا کا باپ کہیں یا خصم۔ بائیبل میں تو خصم ہی کہا گیا ہے۔ اس لیئے ہم بھی باباجی کو اماں جی کا خصم ماننے پر مجبور ہیں۔ مگر یہ کیسی خراب بات ہے۔ کہ ایک شخص اس عورت سے اولاد پیدا کرتا ہے۔ جو اسکی لخت جگر ہے۔ یعنے اپنے ہی جسم کا ٹکڑا ہے۔ یا بالفاظ دیگر اسکی اپنی ہی بیٹی ہے۔ اور پھر وہ اپنی بیٹیوں کو اپنے بیٹوں سے بیاہتا ہے۔ یہ تمام قباحتیں اس صورت میں پیش آسکتی ہیں۔ اگر ہم انسانوں کی پیدائش عیسائیوں یا مسلمانوں کی طرح ایک ہی وجود سے مانیں۔ ہاں اگر ویدک سدھانتوں کو مدنظر رکھیں۔ تو اس قسم کی کوئی بھی خرابی واقعہ نہیں ہوتی۔ ویدک دہرم ہمیں بتاتا ہے۔ کہ ابتدا میں انیک رشی منی و دیگر انسان پیدا ہوئے۔ مرد پیدا ہوئے۔ عورتیں

پیدا ہوئیں - اس سرشٹی کو امیتھنی سرشٹی کہا جاتا ہے - امیتھنی سرشٹی تمام عقلمندوں کے نزدیک صحیح بات ہے مسلمان مانتے ہیں - عیسائی مانتے ہیں - ہندو مانتے ہیں - ہم لوگ مانتے ہیں - فرق صرف کیفیت کا ہے وہ لوگ جو بندر یا بندر کی قسم کے کسی دوسرے جانور کی اولاد ہونیکا دم بھرتے ہیں - اُن کو بھی ایک حد پر پہنچکر امیتھنی سرشٹی ماننی پڑتی ہے - اگر وہ امی با (Ammoebae) یا ایک خانہ کے کیڑے کے خاندان سے بھی اپنا حسب و نسب جا ملائیں - تو بھی اُن کو ابتدا میں امیتھنی سرشٹی ماننی پڑیگی - اس کے مانے بغیر چارہ نہیں ہے - مگر ہمارے نزدیک ویدک سدھانتوں میں بیان کردہ امیتھنی سرشٹی سے بڑھکر کوئی دوسرا طریقہ مستند نہیں ہے - اس سرشٹی کی طرف یہ وید منتر اشارہ کرتا ہے - کہ :-

तं यज्ञं बर्हिषि प्रौक्षन्पुरुषं जा-
तमग्रतः। तेन देवा अयजन्त
साध्या ऋषयश्च ये ॥



ओ३म् विश्वानि देव सवितर्दुरितानि परा सुव। यद्भद्रं तन्न आ सुव॥ यजु० ३०।३॥

اے نور کل عالم، سکھ دینے والے پیارے پتا! ہمارے تمام دُرگُنوں کو دور کیجئے۔ اور جو کچھ ہمارے لئے اچھا ہو وہ ہمیں عطا کیجئے

تیسری فصل

اعتراض ۲۴

دشمنِ علم

اندھیرا چھایا۔ اُلّو چونکا۔ غار سے باہر نکل بیر شکاری بنا چوہوں چوہیوں کو مارا۔ پیٹ پالا۔ کسی دُنڈ مُنڈ درخت پر بیٹھ کر منحوس آواز نکالنے لگا۔ دوسری طرف چمگادڑوں نے چرچر کرنا شروع کیا۔

آدھی رات کو یہ آوازیں کیسی بُری لگتی ہے۔ مگر چُغد۔ اُلو۔ چمگاڈر وغیرہ
کو اپنی بولی بُری نہیں لگتی۔ وہ تو بزعم خود جشن منا رہے ہیں۔ گیت گا رہے
ہیں۔ ہارمونیم بجا رہے ہیں۔ اِن رنگیلوں کی یہ طوفان بدتمیزی کی مجلس اُس
وقت تک رہتی ہے۔ جب تک کہ مشرق سے روشنی نمودار نہیں ہوتی صُبح ہوتے
ہی ان طبلچیوں کی محفل کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے۔ کوئی تو اُلٹا دوپیازہ کی طرح
ٹانگیں اوپر سر نیچے کئے لٹک رہا ہے۔ کوئی غاروں کے اندر سر چھپاتا پھرتا ہے
کوئی پرانے مقبروں یا کھنڈرات میں باغی بادشاہ کی طرح گھستا پھرتا ہے۔ اُنکی
رِس افزا۔ دفری کو دیکھ کر باریک بین شخص اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ دُنیا
میں صرف الو اور چمگاوڑ ہی نہیں ہیں۔ جو دن کی روشنی سے گھبراتے ہوں
بلکہ سینکڑوں ہزاروں انسان بھی ایسے ہیں۔ جو نہیں چاہتے۔ کہ اُجالا ہو
ایسے چوروں۔ نقب زنوں کے لئے تاریک رات روشن دن سے بڑھکر قیمتی
ہوتی ہے۔ اماوس کی رات کو وہ عموماً موٹا شکار مارا کرتے ہیں۔ یہ الوؤں
کی قسم کے آدمی راتوں کو شکار کھیلتے اور دن کو ٹانگیں پھیلا کر غاروں۔ کھنڈروں
جنگلوں میں سوتے رہتے ہیں۔ وہ اپنے پیشے کو معیوب نہیں سمجھتے۔ بلکہ اسکو
آلہی عطیہ تصور کرتے ہیں۔ جیسے بعض لوگ جانور کو مارنے سے پہلے اپنے
کسی دیوتا کا نام پکار لیتے ہیں۔ ویسے ہی یہ لوگ بھی اپنے دیوتاؤں کے نام
لیوا ہوتے ہیں۔ یہ رات کے میر شکاری نقصان تو کرتے ہیں۔ مگر اتنا نہیں۔
جتنا کہ دن کے میر شکاری خلق خدا کا خون بہاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے
ہماری مُراد وہ انسان ہیں۔ جو علم و عقل کی روشنی سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ وہ
اپنے آپ کو عالم تو کہتے ہیں۔ مگر اُن کی تمام حرکات علم کے دشمنوں کی سی ہوتی ہیں

تواریخ کے صفحات گواہی دیتے ہیں۔ کہ ان جاہل عالموں کے ہاتھ سے کتنے خون ہوئے ہیں۔ سقراط کیوں مارا گیا؟ اس لئے کہ اسنے ان دشمنان عقل کے سامنے عقل کی باتوں کا اظہار کیا تھا۔ بھگت عیسیٰ مسیح پھانسی پر کیوں لٹکایا گیا۔ محض اپنی نئی تعلیم کی خاطر۔ لوتھر کو کیوں ستایا گیا۔؟ اس لئے کہ وہ خود غرض پوپ کی جاہلانہ باتوں کی مخالفت کرتا تھا۔ ہمارے ہندوستان کے کتنے ہی رشی منی۔ ایسے ہی دشمنان علم کے ہاتھ سے ہلاک ہوتے آئے ہیں۔ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہیگا۔ کیونکہ جاہل انسان۔ تاریکی پسند انسان نہیں چاہتے۔ کہ ان کے سامنے علم و عقل کی باتوں کو رواج دیا جاوے۔ مگر کیا یہ لوگوں کی مخالفت یا ایذا رسانی سے ڈر کے مارے علم دوست علم پڑھنا چھوڑ دیں۔؟ ہرگز نہیں۔ علم کی سخت ضرورت ہے۔ اسکو بہمہ وجوہ حاصل کرنا چاہئے اس لئے نہیں کہ چند کتابوں کا رٹ لینا انسان کو کسی دفتر کا لدو اونٹ بنا سکتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ نیک و بد میں تمیز کر سکے۔ جو لوگ علم کو اس لئے حاصل کرتے ہیں۔ کہ لدو اونٹ بن جائیں۔ وہ بہیمں کی طرح اپنا یا اپنے بچوں کا پیٹ پال کر خوش رہ سکتے ہیں۔ مگر ملک یا سوسائیٹی کے لئے چنداں مفید نہیں ہو سکتے۔ سوسائیٹی کے لئے وہی شخص مفید ہو سکتا ہے۔ جو علم و عقل کو دو روٹیوں کے بدلے فروخت نہیں کرتا پھرتا۔ وہ علم کو علم کی خاطر پڑھتا ہے نہ کہ کسی دفتر کی میز کرسی توڑنے کے لئے اگر انسان کا ان پڑھ بچہ سو اندھوں کو مشکل سے پکڑ کر پیچھے لگا سکتا ہے۔ تو کیا انسان کا پڑھا ہوا بچہ سو انسانوں کو سیدھا راستہ نہیں دکھا سکتا؟ ہاں دکھا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسنے پہلے آنکھ کو پاکر پہلے خود راستہ دیکھ لیا ہو۔ انسانی بچہ کو کبھی اس بات سے جھجکنا نہیں

چاہیئے۔ کہ لوگ اسکی مخالفت کرتے ہیں۔ مورکھوں کی طرف سے مخالفت کا ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ مخالفت کا تختہ بازیگر کی ٹیڑھی کی مانند ہے۔ کہ جسپر کھڑے ہوکر لمبی چھلانگ ماری جا سکتی ہے۔ عالم نکل جاتا ہو علم کا دشمن خندق میں گر جاتا ہے۔ لوگ خود ہی جان لیتے ہیں کہ وہ مورکھ تھا۔ اسکا خندق میں گرنا ضروری تھا۔ کیونکہ وہ گڑھے کو صاف زمین سے تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ اگر اسکی آنکھیں ہوتیں تو نہ گرتا۔ ایسے مورکھوں کی تعداد دُنیا میں بہت زیادہ ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ علم پڑھکر ان کے بچے نیک وبد کی تمیز کر سکیں ان کو علم سے ایسا ہی ڈر لگتا ہے۔ جیسا کہ کسی زمانہ میں بعض اہل ہند کو انگریزی پڑھنے سے لگتا تھا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک انگریزی پڑہنا گیا تھا۔ اپنے دین وایمان سے ہاتھ دھو لینا تھا۔ مگر وقت آیا کہ اُن کے بچوں نے انگریزی کو پڑھا۔ نہ صرف یہاں ہی بلکہ وہ سمندروں کو عبور کرکے ولائیت میں بھی جانے لگے۔ علم کے دشمنوں نے انکی مخالفت کی۔ مگر یہ مخالفت اتنی سخت نہیں تھی۔ جتنی کہ اس دشمنِ علم کی مخالفت جسکو کہ بائیبل اور قرآن کا بنانیوالا یا آسمان سے نازل کرنیوالا کہا جاتا ہے۔ اس وجود سے بڑھکر ہمارے نزدیک کوئی علم وعقل کا دشمن نہیں ہے۔ ہم دعویٰ بلا دلیل نہیں کرتے۔ بلکہ قدم بہ قدم دکھانا چاہتے ہیں۔ کہ درحقیقت وہ وجود اول درجہ کا دشمنِ علم ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی نیک وبد کی تمیز کر سکے۔ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی علم پڑھکر اپنے عیبوں یا نقصوں کو دیکھ سکے۔ نیک وبد کی تمیز نہیں ہو سکتی۔ جبتک کہ انسان علم نہ پڑھے۔ پس جو شخص اس تمیز کے برخلاف ہے۔ وہ علم کا جانی دشمن ہے۔ اس علم کے

جان دشمن نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے جدامجد بابا آدم کو بہشت میں رکھ کر حکم دیا۔ کہ

"تو باغ کے ہر ایک درخت کا پھل کھایا کر۔ لیکن **نیک بد کی پہچان کے درخت سے نہ کھانا۔ کیونکہ جسدن تو اِس سے کھائیگا۔ تو ضرور مریگا۔** (پیدائش کی کتاب)"

گویا اِس دشمنِ علم کے نزدیک نیک و بد کی پہچان کے درخت کا پھل کھانا ہلاک ہونا ہے۔ اِس سے بڑھکر مورکھ اور کون ہو سکتا ہے۔ مگر بابا آدم اور مائی حوا نے اِس تمیز کے دشمن کا کہنا نہیں مانا۔ اور یہ یوں ہوا۔ کہ

"سانپ جو زمین کے سب جانوروں سے جنہیں خداوند نے بنایا تھا ہوشیار تھا۔ اسنے عورت سے کہا۔ کیا یہ سچ ہے۔ کہ خدا نے کہا۔ کہ باغ کے ہر درخت سے نہ کھانا؟ عورت نے سانپ سے کہا۔ کہ باغ کے سب درختوں کا پھل تو ہم کھاتے ہیں۔ مگر اِس درخت کے پھل کو جو باغ کے بیچوں بیچ ہے۔ خدا نے کہا ہے۔ کہ تم نے اسکو نہ چھونا۔ نہ اسکو کھانا۔ ایسا نہ ہو۔ کہ مر جاؤ۔ تب سانپ نے عورت سے کہا۔ کہ تم ہرگز نہ مروگے۔ بلکہ خدا جانتا ہے۔ کہ جسدن اِسے کھاؤگے۔ تمہاری آنکھیں کھل جائینگی **اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے ہو جاؤگے۔** عورت نے جب دیکھا۔ کہ وہ درخت کھانے میں اچھا اور دیکھنے میں خوشنما۔ اور عقل بخشنے میں خوب ہے۔ تو اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا۔ اور اپنے خصم کو بھی دیا۔ اور اسنے کھایا۔ تب دونوں کی

آنکھیں کھل گئیں۔ اور اُنہیں معلوم ہوا۔ کہ ہم ننگے ہیں۔ اور اُنہوں نے انجیر کے پتوں کو لیکر اپنے لئے لنگیاں بنائیں۔"

(پیدائش کی کتاب باب ۳)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بابا آدم اور اماں حوا نے جوں ہی کہ نیک و بد کی تمیز کے درخت کا پھل کھایا۔ اُن کو عقل آ گئی وہ پہلے جانوروں۔ وحشیوں۔ گدھوں وغیرہ کی طرح ننگ دھڑنگ پھرتے تھے۔ مگر علم کی بدولت اُن کو اپنا ننگ معلوم ہو گیا۔ پس اُنہوں نے لباس کا انتظام کیا۔ لیکن اللہ میاں جو شائد انکی برہنگی پر ہی خوش ہوتا ہوگا۔ اس بات کو دیکھ کر بھڑک اُٹھا۔ چنانچہ جب وہ صبح کے وقت ہوا خوری کے لئے بہشت میں آیا۔ تو۔

"اُنہوں نے اسکی (خداوند خدا کی) آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا سُنی۔ اور آدم اور اُسکی جورو نے اپنے آپکو خداوند خدا کے سامنے سے باغ کے درختوں میں چھپایا۔ تب خداوند خدا نے آدم کو پکارا۔ اور اس سے کہا۔ کہ تو کہاں ہے۔ وہ بولا کہ میں نے باغ میں تیری آواز سُنی اور ڈرا۔ کیونکہ میں ننگا ہوں۔ اسلئے میں نے اپنے آپکو چھپایا۔ اسنے کہا۔ تجھے کسنے جتایا۔ کہ تو ننگا ہے۔ کیا تو نے اس درخت سے کھایا۔ جسکی بابت مینے تجھے حکم کیا تھا۔ کہ اس سے نہ کھانا۔ آدم نے کہا۔ کہ اس عورت نے جسے تو نے میرا ساتھی کر دیا ہے مجھے اس درخت سے دیا۔ اور مینے کھایا۔ تب خداوند خدا نے اس عورت سے کہا۔ کہ تو نے یہ کیا کیا؟ عورت بولی کہ سانپ نے مجھ کو

بہکایا۔ تو میں نے کھایا۔ اور خداوند خدا نے سانپ سے کہا۔ اس واسطے کہ تو نے یہ کیا ہے۔ تو سب مویشیوں اور میدان کے سب جانوروں سے ملعون ہوا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلیگا۔ اور عمر بھر خاک کھائیگا۔ اور میں تیرے اور عورت کے اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان دشمنی ڈالونگا۔ وہ تیرے سر کو کچلیگی۔ اور تو اسکی ایڑی کو کاٹیگا۔ اسنے عورت سے کہا۔ کہ میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤنگا۔ اور تو درد سے لڑکے جنیگی۔ اور اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔ اور آدم سے کہا۔ اسواسطے کہ تو نے اپنی جورو کی بات سنی۔ اور اس درخت سے کھایا۔ جسکی بابت میں نے تجھے حکم کیا تھا۔ کہ اس سے مت کھانا زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی۔ اور تکلیف کے سبب تو اپنی عمر بھر اُس سے کھائیگا۔ وہ تیرے لیئے کانٹے اور اونٹ کٹارے اگائیگی۔ اور تو کھیت کی نباتات کھائیگا۔ تو اپنے مُنہ کے پسینے کی روٹی کھائیگا۔ جبتک کہ زمین میں پھر نہ جاوے۔ تو اس سے نکالا گیا ہے۔ تو خاک ہے۔ اور پھر خاک میں جائیگا۔

(پیدائش کی کتاب باب ۳)

یہ تمام سزا بابا آدم۔ حوا اور سانپ کو اس لیئے دی گئی۔ کہ پہلے دو نے تو بدتمیزی چھوڑ کر تمیز حاصل کی تھی۔ اور تیسرے نے سچ بولا تھا۔ اگر نیک بد کی تمیز اور سچ بولنے کی سزا ایسی سخت ہو سکتی ہے۔ تو ایسی بدتمیز پسند اور جھوٹے خداوند کو ڈبل سزا ملنی چاہیئے کیونکہ اسکے کہنے کے مطابق بابا آدم اور حوا درخت کا پھل کھا کر مر نہیں گئے۔ بلکہ عالم

بن گئے۔ اور سانپ نے سچ کہا تھا۔ کہ اگر تم پھل کھا لو گے۔ تو تمہاری آنکھیں کھل جائینگی۔ اور تم خداوند کی مانند نیک و بد کے جاننے والے ہو جاؤ گے۔ یہ بدتمیز پسند خداوند آگے چلکر خود ہی اقرار کرتا ہے۔ کہ:۔

"دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا ہے۔ اب ایسا نہ ہو۔ کہ اپنا ہاتھ بڑھاوے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لیوے اور کھاوے اور ہمیشہ جیتا رہے۔ اس لئے خداوند خدا نے اسکو باغ عدن سے باہر کر دیا۔ تاکہ زمین کی جسمیں سے وہ لیا گیا تھا۔ کھیتی کرے۔" پس معلوم ہوا۔ کہ یہ خداوند خدا بڑا بدتمیز۔ جاہل۔ مورکھ۔ علم کا دشمن۔ عقل کا ویری ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ ہوتا۔ تو ایسے شخص کو جسنے کہ اپنی ہمت سے نیک و بد کی پہچان کی قابلیت حاصل کر لی تھی۔ ہرگز ہرگز اپنے پاس سے نہ دھکیلتا۔ مگر جاہلوں کو عالموں سے ہمیشہ دشمنی رہتی ہے۔ وہ عالموں کو ناپسند اور مورکھوں کو پسند کیا کرتے ہیں۔ اس خداوند خدا نے بابا آدم کو یہاں پر تو یوں دھکے دئے۔ مگر اسی شخص نے اللہ میاں کا سوانگ بھر کر قرآن میں بھی آدم کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اللہ میاں نے میاں بیوی کے جوڑے کو بہشت میں چھوڑ کر کہہ دیا۔ کہ:۔

یادم اسکن انت وزوجک الجنة فکلا من
حیث شئتما ولا تقربا ھذہ الشجرة فتکونا
من الظلمین (پ ۸۔ اعراف)

"اے آدم تو اور تیری بیوی بہشت میں رہو۔ اور من بھاتا کھاؤ

مگر اس درخت کے پاس مت جانا۔ کیونکہ اگر گئے۔ تو گنہگار ہو جاؤ گے
یہ درخت کیا تھا؟ اس بات کا تو ذکر ہی ندارد ہے۔ مگر
جیسا کہ بائیبل میں عقلمند سانپ میاں بیوی کے پیچھے لگ گیا تھا۔ ویسے
ہی یہاں پر شیطان اُن کے سر ہو گیا۔ کیونکہ شیطان نہیں چاہتا
تھا کہ میاں بیوی بدتمیز رہیں۔ بلکہ وہ چاہتا تھا۔ کہ:-

لیبدی لہما ماوری عنہما من سواتہما

(پ - اعراف)

"اُن پر اُن کے پوشیدہ عیب ظاہر ہو جائیں"
خوش قسمت ہے۔ وہ شخص جو اپنے عیبوں کو دیکھتا ہے۔ خوش
قسمت تھے۔ یہ دونوں میاں بیوی۔ جنکو شیطان جیسا واعظ عیب
دکھانیوالا مل گیا۔ شیطان نے سانپ کیطرح قسم کھا کر کہا۔ کہ

انی لکما لمن النصحین (پ - اعراف)

"میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تم میری نصیحت کو مانو"
میاں بیوی نے اسکی بات کو مان لیا۔ پس جوں ہی کہ:-

فلما ذاقا الشجرۃ بدت لہما سواتہما۔

(پ - اعراف)

"دونوں نے درخت کا پھل کھایا۔ اُن کے عیب ان پر ظاہر
ہو گئے"

عیب ظاہر ہو گئے۔ یا ان کو یہ پتہ لگ گیا۔ کہ ہم ننگے ہیں پس
وہ:- طفقا یخصفٰن علیہما من ورق الجنۃ (پ - اعراف)

"وہ بہشت کے پتوں سے اپنے آپ کو چھپانے لگے۔ مگر اللہ میاں نے جو شاید پاس ہی ہوا خوری کر رہا تھا۔

فناداھما ربھما الم انھکما عن تلکما الشجرۃ واقل

لکما ان الشیطن لکما عدو مبین

"ان دونوں کو پکارا۔ کہ کیا میں نے تم کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا۔ اور تم کو نہیں کہا تھا۔ کہ شیطان تمہارا دشمن ہے"۔ اس علم کے دشمن سے پوچھو! کہ کیا اپنے عیبوں کو دیکھنا اور ان کے دور کرنے کی کوشش کرنا پاپ ہے؟ اگر بابا آدم نڈر ہوتا تو ضرور اس قسم کا سوال اللہ میاں سے کرتا۔ مگر وہ بیچارہ ڈر گیا۔ چنانچہ میاں بیوی نے گڑگڑانا شروع کر دیا۔ کہ :-

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا

لنکونن من الخسرین (پ۔ اعراف)

"اے ہمارے اللہ میاں ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو ہم کو معاف نہیں کرے گا۔ اور ہم پر رحم نہیں کرے گا۔ تو ہم گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔"

مگر اللہ میاں کو یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی۔ کہ کوئی شخص نیک و بد کی تمیز کر سکے۔ اس کے نزدیک تو شاید بدتمیز اور ننگ دھڑنگ پھرنیوالے لوگ ہی قابل عزت ہونگے۔ چنانچہ اس دشمن تمیز نے ان کے رونے دھونے پر کچھ توجہ نہ دیکر فوراً پروانہ جاری کر دیا۔

اھبطوا بعضکم لبعض عدو ولکم فی الارض

مستقرٌ و متاعٌ الی حین (پٹ - اعراف)

"تم یہاں سے نکل جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہوئے۔ تم زمین میں ٹھیر گئے۔ اور ایک مدت تک اس سے فائدہ اٹھاؤ گے"۔

فیھا تحیون وفیھا تموتون ومنھا تخرجون -

(پٹ - اعراف)

تم اسی میں زندہ رہو گے۔ اسی میں مرو گے۔ اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔"

قرآن اور بائیبل کی یہ تمام باتیں تقریباً سب کی سب ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ بائیبل میں اس درخت کا نام بھی دیا ہے۔ کہ جسکو کھاکر بابا آدم عالم ننگیا تھا۔ اور علم کی سزا میں نیچے پھینکا گیا تھا۔ مگر قرآن میں اس درخت کا نام نہیں ملتا۔ ہاں اتنا پتہ ضرور لگتا ہے۔ کہ اس درخت کا پھل کہاکر بابا آدم کو اپنے عیب نظر آ گئے۔ اپنے عیب تو تب ہی نظر آسکتے ہیں۔ جبکہ آدمی عالم ہو۔ اس لئے علماء اسلام کے بعض مفسرین نے کہا ہے۔ کہ یہ درخت علم کا درخت تھا۔ ہم بابا آدم کی اس ترسناک کہانی کو پڑھکر کانپ اُٹھے۔ کہ دیکھو ایک ایسا شخص جو اپنے عیوب کو دیکھتا ہے۔ راندہ درگاہ الٰہی ہوتا ہے۔ اسی لئے تو ہم نے ترک اسلام کے چوبیسویں اعتراض میں یہ سوال کیا تھا۔ کہ ذرا بتاؤ توسہی۔ جس درخت کا پھل کہاکر بابا آدم مستوجب سزا ہوا۔ وہ کیا تھا؟ اگر اس کا پتہ لگجاوے تو بہتر ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دوسرے مسلمان اپنے دادا جان کی طرح اس کا پھل کہانے سے پرہیز کر سکتے ہیں۔ ہمارے

اس اعتراض کا جواب دینے کی بجائے جلے بھنے الفاظ میں ہمارے دوست :-

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "اللہ تعالےٰ نے تمکو کیسا ہلاک کیا۔ غور کر۔ تو تو بائیبل ڈھونڈنے گیا تھا۔ پھر کہاں چلا گیا۔ اور اصل اعتراض سے الگ ہوگیا۔"

اے حضور! آپ اللہ کی طرح کیوں خفا ہوتے ہیں۔ اور کیوں بار بار ہماری ہلاکت چاہتے ہیں۔ ہم تو آپکو "حضور" "حضور" "جناب" "آنحضرت" "آپ" وغیرہ سے مخاطب کریں۔ اور آپ "تو تو" کریں۔ یہ کونسی شرافت کی دم ہے۔؟ ہم ہلاک نہیں ہوتے۔ آپکی قلم یا زبان ضرور ہلاک ہو رہی ہے۔ کیونکہ "تو تو" کرنا شریف آدمیوں کی بولی نہیں ہے۔ بلکہ گنواروں۔ جاہلوں۔ اور اُلوؤں کی بولی ہے۔ اُلو بھی "تُو تُو" ہی کیا کرتا ہے۔ اگر آپنے کبھی اُلو کی بولی نہ سُنی ہو۔ تو سُن لینا۔ پھر اپنی "تُو تُو" پر غور کرنا۔ ہم اصل اعتراض سے الگ نہیں ہوئے۔ بلکہ ساتھ ساتھ چلے ہیں۔ ہم نے اپنے اعتراض میں یہ معمولی سوال کیا تھا۔ کہ جب بابا آدم اور حوا بہشت میں سیر کیا کرتے تھے۔ تو اسوقت حور و غلمان کہاں تھے؟ کیا حوروں اور غلمانوں نے بابا آدم اور حوا کو ننگے دیکھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں؟ یا نہیں۔ یا کیا حوریں اسوقت پیدا کی گئیں۔ جبکہ آدم بہشت سے نکالا جا چکا تھا؟ یا اس سے پہلے ہی پیدا کر دی گئی تھیں؟ بھلا یہ سوالات کیا اصلی اعتراض سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔؟ ہرگز نہیں۔

حضور اپنی کم فہمی کی وجہ سے اس بات کو سمجھ نہیں سکے۔ اگر سمجھ لیتے تو ان معقول باتوں کا کچھ نہ کچھ جواب ضرور دیتے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "کیا تمکو پہلے پرمیشور نے ملک تبت میں نہیں رکھا تھا۔ پھر تم کیوں آریہ ورت میں آ گئے۔؟"

ہمیں حضور کی "کیوں" نے بڑا دق کیا ہے۔ آپ نہ تو بات کو سمجھتے ہیں نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بلکہ دیہاتی منطقی کی طرح جھٹ کیوں وغیرہ میں جا پھنستے ہیں۔ منطقی میاں نے کسی چھپر پر بھینس کا گوبر دیکھ لیا۔ پھر کیا تھا منطق کی رگ پھڑک اٹھی۔ بھلا بھینس نے چھپر پر گوبر کیوں کیا۔ اور کس طرح کیا۔ شاید بھینس اوپر چڑھ گئی ہوگی۔ نہیں نہیں چھپر کو نیچے اوتار لیا ہوگا۔ اور بھینس سے گوبر کرا کر پھر اوپر اوٹھا دیا ہوگا۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ بھلا آپکی اس "کیوں" کو ہمارے اعتراض سے کیا تعلق! پرمیشور نے ہمکو پہلے تبت میں پیدا کیا۔ ہماری آبادی بڑھ گئی۔ تبت میں گنجائش نہ رہی۔ اس لئے نقل مکان کرنا پڑا۔ جیسا کہ آج کل بھی یورپ اور ایشیا والے امریکہ اور اسٹریلیا کی طرف نقل مکانی کر رہے ہیں۔ مگر آپ اپنے دادا جان کی سنائے کیا ان کے لئے بہشت کی زمین تنگ ہو گئی تھی۔ یا کھانے پینے کی چیزیں کم ہو گئی تھیں۔ نہیں صاحب! ایسا نہیں۔ آریہ لوگ تو انہیں وجوہات سے تبت کو چھوڑ کر آریہ ورت وغیرہ ملکوں میں پھیل گئے۔ مگر بابا جی اپنے گناہوں کی سزا میں گھسیٹ کر بہشت سے نکالے گئے۔ گناہ بھی کونسا؟ یہی کہ انہوں نے اپنا ننگ دیکھ لیا۔ اور نیک و بد کی تمیز سیکھ

گئے۔ شاید اگر وہ بالکل جنگلی وحشی اور ننگ دھڑنگ ہی رہتے تو اللہ میاں اُن کو وہاں سے نہ نکالنا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ میاں آدمیوں کو ننگے دیکھ کر بڑا پرسن ہوتا ہوگا۔ حضور! اگر آپ آریوں کی ہجرت کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو حضرت محمد صاحب کی ہجرت سے کیجئے۔ باباجی کی کھینچ گھسیٹ سے کیا تعلق!!۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "ستیارتھ ص ۳۹۶ میں لکھا ہے "اس کے پہلے اِس ملک کا نام کچھ بھی نہ تھا۔ اور نہ کوئی آریوں سے پہلے اس ملک میں بستے تھے۔ کیونکہ آریہ لوگ ابتداء عالم میں کچھ عرصہ کے بعد تبت سے سیدھے اس ملک میں آکر بسے تھے۔""

کیوں میاں! اس عبارت کی نقل کرنے سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ اس سے آپ کونسا عرق نکالنا چاہتے ہیں۔ اس بات کو ہمارے اعتراض سے کیا تعلق ؟ شاید یہ بات ہو۔ کہ مصنف ستیارتھ پرکاش نے مسلمانوں کی طرح یہ کیوں نہیں لکھا۔ کہ بابا آدم کی تشریف آوری سے پہلے زمین پر جن بھوت آباد تھے۔ نہ کہ خالی زمین۔ خیر! آپ جانیں۔ آپ کا باباجانے ہمیں کیا!

حکیم صاحب فرماتے ہیں "ہمارے سردار رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم سے جن نابکاروں نے مکہ والوں سے چھیڑ کی تھی دیکھو کس طرح خائب و خاسر ہو کر دُنیا کے پردہ سے نابود ہو گئے۔ اور وہ فتح کا جھنڈا ہاتھ میں لئے کس طرح مکہ میں جا براجے۔""

موٹی عقل کی جان سلامت رہے۔ بھلا اس بات کو ہمارے

اعتراض سے کیا واسطہ۔ آپکے سردار صاحب اگر مکہ میں واپس آ گئے۔ تو ہمیں کیا۔ ہم تو آپکے سردار کے دادا جان کی ذلت وخواری کا باعث پوچھتے ہیں۔ کہ وہ کونسا فاقہ تھا۔ جسکو کھا کر وہ اپنی زاد بوم سے شہر بدر کئے گئے۔ کیا حضور نے کبھی اللہ میاں سے پوچھا! ہئیں نہیں۔ اپنے میاں جی بہروپئے کرشن سے دریافت کیا۔ کہ وہ اپنے مکار اللہ میاں سے بذریعہ الہام دریافت کریں۔ کہ کس جرم میں اُن کے جد امجد کو نکالا گیا وہ کونسی شکر قندی یا آلو بخارا تھا۔ کہ جسکی پاداش میں اُن کے جد امجد کے ساتھ ایسی بدسلوکی کی گئی۔ کہ کھیت پڑے گدھے کے ساتھ بھی نہ ہو۔ مگر آپ کیا۔ آپ کا اللہ میاں بھی اس کا جواب نہیں دے سکیگا۔ اور یہ تو آپکی عادت ہی ہے۔ کہ جب اعتراض کا جواب نہیں آتا۔ تو پوچا پاچی کر کے ٹالنے کی کوشش کرتے ہو۔ خیر۔ آپ اللہ میاں کی طرح مکر کر کے پہلو بچا گئے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "بائیبل کی تلاش تو آپ بہت کرتے ہیں۔ مگر افسوس کامیابی کی صورت کوئی نہیں۔ بائبیل میں بھی اس سے زیادہ آپکو کیا ملیگا۔ کہ نیک بد کی پہچان کا درخت تھا"

ہمیں تو پوری کامیابی ہوئی ہے۔ اور ہم نے دکھا دیا ہے۔ کہ اللہ میاں علم وعقل کا جانی دشمن اور اُن کے پیچھے لٹھ لئے پھرتا ہے اگر وہ سمجھدار ہوتا۔ تو آدم کو نیک و بد کی تمیز کے درخت کا پھل کھانے سے کیوں منع کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ خود بھی بدتمیز ہی ہوگا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ اصل یہ ہے۔ کہ ایسے مضامین سے غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ لوگ یہ سمجھیں۔ کہ بے فرمانی خدا کی

اچھی نہیں۔ نتیجہ بدلاتی ہے۔"

نہ صاحب نہ! ہمیں ایسے اللہ میاں کی فرمانبرداری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہمیں بدتمیز رکھنا چاہتا ہو۔ یا جو ہمیں اپنے عیبوں پر نظر مارنے سے روکتا ہو۔ بابا آدم نے اپنے عیبوں کو دیکھا۔ تو اس اللہ میاں نے اسکو لٹھ مار کر شہر بدر کر دیا۔ شیطان نے اللہ کے عیب کو دیکھا تو اس کے بھی ڈنڈے پڑے۔ نوح نے ایک علم و عقل کی بات پوچھی تو اسکو بھی گھُرکی دیکر ڈرا دیا۔ حضرت محمد صاحب نے شکایت کی۔ تو اسکو سیڑھی دکھائی۔ عقلمندوں نے عقل کی بات پوچھی تو ان کے کان بند کر دئے۔ آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ اجی میاں! ایسے لالہ کی پیروی ہم نہیں کر سکتے۔ کیا ہمیں اس نے اُلّو سمجھ رکھا ہے۔ کہ اسکی لایعنی باتوں کو مانتے جائیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "اس سے کیا مطلب کہ وہ درخت کیا تھا۔"

اے حضور! اسی سے تو سارا مطلب ہے۔ کہ وہ درخت کیا تھا۔ بھنگ کا پودا تھا۔ پوست کا ڈوڈا تھا۔ دھتورا تھا۔ یا کچلا تھا۔ یا کیا بلا تھی۔ جسنے باباجی کو "دیش نکالا" دیا۔ اگر اس درخت کا پتہ لگ جاتا۔ تو علماء اسلام کیوں گڑبڑھ جاتے۔ دیکھئے معالم التنزیل ص ۲۲ پر ابن مسعود تو یہ کہتا ہے۔ کہ یہ انگور کا درخت تھا۔ ابن جریج کہتا ہے۔ کہ گندم کا درخت تھا۔ علی کہتا ہے۔ کہ کافور کا درخت تھا ابن عباس اور محمد بن کعب۔ اور مقاتل یہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ سنبلہ تھا

قتادہ کہتا ہے۔ کہ علم کا درخت تھا۔ غرضیکہ ہر ایک اپنی اپنی بولی بول رہا ہے۔ اگر درخت کا یقینی طور پر پتہ لگجاوے۔ تو مسلمان لوگ گناہ آلودہ پھلوں کے کھانے سے پرہیز کر سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک قتادہ کا قول درست معلوم ہوتا ہے۔ بے شک یہ علم کا ہی درخت ہوگا۔ کیونکہ علم پڑھکر ہی انسان نیک و بد میں تمیز کر سکتا ہے۔ علم پڑھکر ہی وہ اپنے عیوب کو دیکھ سکتا ہے۔ بابا آدم نے علم پڑھا ہوگا۔ تبھی تو اپنے عیوب سے آگاہ ہوگیا۔ مگر افسوس اللہ میاں نے اس عالم کی قدر و منزلت نہ کی۔ اپنے محلے سے نکال باہر کیا۔ اہل اسلام کو چاہئے۔ کہ یا تو اللہ میاں کو چھوڑ دیں۔ یا علم پڑھنا چھوڑ دیں۔ ورنہ ان کے ساتھ وہی ہوگی جو اُن کے جد امجد کے ساتھ ہوئی! کیونکہ اللہ میاں کی درگاہ میں ہمیشہ عالموں. فاضلوں کو ڈنڈہی پڑتا ہے۔ جب فرشتوں کا عالم اُستاد بھی اس ڈنڈ سے نہ بچا۔ تو آدم کی کیا بساط! اللہ میاں کے دربار میں جتنا کوئی ان پڑھ۔ اُمی۔ کالا اکھشر بھینس برابر ہوتا ہوگا شاید اسی کی سب سے زیادہ قدر و منزلت ہوتی ہوگی۔ اللہ شاہی دربار کی اس باریکی کو عقلمند فوراً تاڑ جائیں گے۔ کہ بیشک ٹھیک ہے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں ۔ "چونکہ اسوقت بوجہ محسوس ہونے درخت ممنوع کے یہ کہا گیا تھا۔ کہ اس درخت کے نزدیک مت جانا۔ اِس عبارت کو بعینہٖ بتلایا گیا۔"

اللہ نے اُنگلی کے اشارہ سے بتایا تھا۔ یا بذریعہ وحی یہ کہا درخت کے نزدیک مت جانا؟ اگر اُنگلی کے اشارہ سے بتایا تھا تو بتاؤ

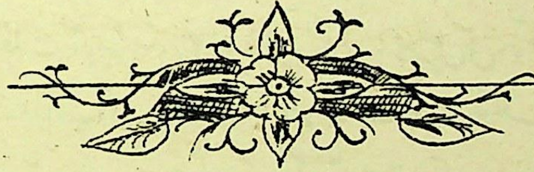
کس اُنگلی سے اشارہ کیا تھا۔؟ اللہ کی کتنی انگلیاں ہیں؟ دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا تھا۔ یا بائیں سے۔؟ اگر بذریعہ وحی بتایا تھا۔ تو وحی لانے والے کو اُس درخت کا نام ضرور بتایا ہوگا۔ یا کم از کم لوح محفوظ میں ہی اس کا نام ہوگا۔ اللہ نے بڑی غلطی کی۔ جو قرآن میں اس کا نام نہ دیا۔ ہمیں بھی تو پتہ لگ جاتا۔ کہ وہ کیا بلا تھی۔ مگر اللہ میاں اپنا بھید کس طرح بتا دیتا۔؟

مولوی صاحب فرماتے ہیں "درخت کی تصدیق پر کوئی امر موقوف نہ تھا۔ کہ اسکی تصدیق بھی کروی جاتی۔ صرف قلت تدبیر کی وجہ ہے۔ اور کچھ نہیں۔"

قلت تدبیر کسکی؟ اللہ میاں کی۔ یا جبرئیل کی۔ یا آدم کی یا قرآن کی۔؟ یا آپ کی۔ یا ہماری۔؟ بہر صورت ہماری تو قلت تدبیر نہیں ہے۔ آپ میں سے ہی کسی کی ہوگی۔ قلت تدبیر کہو۔ یا قلتِ علم کہو یا قلت عقل کہو۔ اللہ نے درخت شریف کا نام نہیں بتایا۔ پس حوا کی پیدائیش کی طرح یہ بھی ایک مُعمّا ہی ہے۔ کہ جبکا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں۔ آپ لوگ خواہ مخواہ عقل سے کام لیکر اللہ کا نام بدنام کر رہے ہیں۔ اگر علم و عقل سے کام لینا چاہتے ہو۔ تو پہلے اللہ میاں اور اللہ میاں کی باتوں کو چھوڑ دو۔ اگر چاہتے ہو کہ ہمیں ہمارے عیب نظر آئیں۔ تاکہ ہم ان سے رہائی پانے کی کوشش کریں۔ تو ضروری ہے کہ توہمات سے نکلکر سچے گیان کو حاصل کرو۔ جاہلوں۔ مورکھوں۔ علم کے دشمنوں کی گیدڑ بھبکیوں سے

نہیں ڈرنا چاہئے۔ کوئی گھر سے نکال دے۔ ملک سے نکال دے
بہشت سے نکال دے۔ برادری سے نکال دے۔ تو بیشک نکال دے
مگر پرماتما کی بادشاہت بہت وسیع ہے۔ ہاں لامحدود ہے۔ پرماتما ہمارے
عیبوں کو دیکھتے ہیں۔ آؤ! ہم کسی وہمی وجود کی پرواہ نہ کرتے ہوئے
پرماتما سے ایسی پرارتھنا کریں۔ کہ:-

ओ३म् विश्वानि देव सवितर्दुरि-
तानि परा सुव। यद्भद्रन्तन्न
आ सुव॥



ओ३म्

सूर्य्याचन्द्रमसौ धाता यथापूर्वम् कल्पयत् । दिवञ्च पृथिवीञ्चान्तरिक्षमथो स्वः ॥

ऋ० अ० ८ ॥ अ० ८ ॥ मं० ३ ॥

دھاتا پرمیشور نے جس طرح سے سورج چاند لوک لوکانتر زمین آسمان اور اُن کے اندر سامان راحت پیدا کیے پہلے
کلپ میں بنایا تھا ایسا ہی اس کلپ میں بھی بنایا ہے فرق ذرا بھی نہیں ہوا۔

چوتھی فصل

اعتراض ۲۵

رام کہانی

محنت کے بعد آرام کرنا ضروری چیز ہے۔ آرام کا حظ محنتی ہی اُٹھا سکتا ہے۔ بیکار میٹھی نیند نہیں سو سکتا۔ بیکاروں اور بیماروں کو عموماً نیند کم آیا کرتی ہے۔ بیمار کو خواب آور دوائیاں اکثر اس لئے دی جاتی

ہیں۔ کہ وہ آرام سے سو رہے۔ خواب آور دوائیوں سے نیند تو آجاتی
ہے۔ مگر کمزوری بڑھجاتی ہے۔ اس کمزوری سے بچنے کے لئے پُرانے زمانہ
کے بعض بیکار راجاؤں نے نیند لانے کا عجیب و غریب نسخہ ایجاد کر رکھا
تھا۔ وہ نسخہ کہانیوں کا نسخہ تھا۔ چارپائی پر لیٹے۔ کہانی بیان کرنے
والے نے کہانی کا سلسلہ شروع کیا۔ راجہ صاحب کی آنکھیں بند ہوئیں
اور چل بسے۔ اگر صبح جلدی آنکھ کھُل گئی۔ تو حقہ بھروا کر گڑگڑ کرنے
لگ گئے۔ کروٹ بدلتے۔ اور کہانی سنتے جاتے ہیں۔ سورج نکلنے میں
نہیں آتا۔ بیکار بیکاری کی بیگار میں پڑا ہوا ہے۔ آخر کہانی سُنانے
والے نے وقت کٹائی کی خاطر پھر وہی سلسلہ شروع کردیا۔ یہ لوگ اس
طرح وقت گزارتے تھے۔ وہ کہانیاں سچے واقعات پر مبنی یا سبق آموز
نہیں ہوتی تھیں۔ بلکہ ادھر اودھر کی فضول گپوں کا مجموعہ ہوتا تھا
الف لیلہ کا گدھے کا بوجھ اسی قسم کی واہیات سے بھرا پڑا ہے۔ مگر
تعجب کی بات ہے۔ کہ دُنیا میں ابھی تک لیلہ پنتھ کوئی نہیں بنا۔ جو کہ
الف لیلہ کی تمام کہانیوں کو آسمانی وحی سمجھ کر سچ ماننے لگ جاوے حالانکہ
دُنیا میں کروڑوں انسان ایسے ملینگے۔ جو قرآن۔ پُران۔ بائیبل کی
من گھڑت کہانیوں پر اپنا دین و ایمان فروخت کئے بیٹھے ہیں۔ اس
قسم کی جھوٹی اور فرضی کہانیوں سے نیند آسکتی ہے۔ روتا ہوا بچہ
خاموش کرایا جاسکتا ہے۔ مگر گیان حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہم پیچھے بابا
آدم اور حوا کی رام کہانی کے متعلق کسی قدر ذکر کرچکے ہیں۔ اس سے
اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ یہ کہانی علم و عقل کا کہاں تک خون کرتی

ہے۔ قرآن نے اِس کہانی کو بائیبل سے اُڑایا۔ اور اُسکو پوست کیطرح
مل دل کر بالکل بے مزہ بنا دیا۔ اگر قرآن اس کہانی کے سلسلہ کو کچھ بھی
مدنظر رکھتا۔ تو کم از کم بچوں کا دل پرچاوا تو ہو جاتا۔ مگر اس سے یہ بھی
نہ ہو سکا۔ ہم یہاں پر اصلی کہانی کو پورے الفاظ میں درج کر کے اپنے
اعتراض کی طرف آئیں گے۔ چنانچہ وہ یہ ہے۔ کہ:۔

"خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا۔ اور اُس کے
نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا۔ سو آدم جیتی جان ہوا۔ اور خداوند خدا
نے پورب کی طرف ایک باغ لگایا۔ اور آدم کو جسے اُسنے بنایا تھا وہاں
رکھا۔ اور خداوند خدا نے ہر درخت کو جو دیکھنے میں خوشنما اور کھانے میں
خوب تھا۔ اور باغ کے بیچوں بیچ حیات کے درخت اور نیک و بد کی
پہچان کے درخت کو زمین سے اُگایا۔ اور عدن سے ایک ندی باغ
کے سیراب کرنے کو نکلی اور وہاں سے تقسیم ہو کے چار سرے نہروں کے
بنی پہلی کا نام فیسون جو حویلہ کی ساری زمین کو گھیرتی ہے وہاں سونا
ہوتا ہے۔ اور اس زمین کا سونا اچھا ہے۔ اور وہاں موتی اور بلور بھی
ہیں۔ اور دوسری نہر کا نام جیحون ہے۔ جو کوش کی ساری زمین کو گھیرتی
ہے۔ اور تیسری نہر کا نام دجلہ ہے۔ جو اسور کے پورب کو جاتی ہے۔ اور
چوتھی نہر کا نام فرات ہے۔ اور خداوند خدا نے آدم کو باغ عدن میں
رکھا۔ کہ اسکی باغبانی اور نگہبانی کرے۔ اور خداوند خدا نے آدم
کو حکم دیکر کہا۔ کہ تو باغ کے ہر درخت کا پھل کھایا کر۔ لیکن نیک و بد کی
پہچان کے درخت سے نہ کھانا۔ کیونکہ جسدن تو اس سے کھائیگا تو ضرور

مرے گا۔ اور خداوند خدا نے کہا۔ کہ اچھا نہیں۔ کہ آدم اکیلا رہے
ہیں اس کے لئے ایک ساتھی اسکی مانند بناؤں گا۔ اور خداوند خدا نے
میدان کے ہر ایک جانور اور آسمان کے پرندوں کو زمین سے بناکر آدم
کے پاس پہونچایا۔ تاکہ دیکھے کہ وہ اُن کے کیا نام رکھے۔ سو جو آدم نے
ہر ایک جانور کو کہا۔ وہی اس کا نام ٹھیرا۔ اور آدم نے سب مویشیوں اور
آسمان کے پرندوں اور ہر ایک جنگلی جانور کا نام رکھا۔ پر آدم کو اُسکی
مانند کوئی ساتھی نہ ملا۔ اور خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ
وہ سو گیا۔ اور اسنے اُسکی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی۔ اور اسکے
بدلے گوشت بھر دیا۔ اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اُسنے آدم سے
نکالی تھی۔ ایک عورت بناکے آدم کے پاس لایا۔ اور آدم نے کہا۔ اب
یہ میری ہڈیوں میں سے ہڈی۔ اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے
اس سبب سے وہ ناری کہلائیگی۔ کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے۔
اسواسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا۔ اور اپنی جورو سے ملا رہیگا
اور وے ایک تن ہونگے۔ اور وے دونوں آدم اور اُسکی جورو ننگے تھے
اور شرماتے نتھے۔ اور سانپ میدان کے سب جانوروں میں جنہیں
خداوند خدا نے بنایا تھا۔ ہوشیار تھا۔ اسنے عورت سے کہا۔ کیا یہ سچ ہے
کہ خدا نے کہا۔ کہ باغ کے ہر درخت سے نہ کھانا۔ عورت نے سانپ سے
کہا۔ کہ باغ کے درختوں کا پھل ہم تو کھاتے ہیں۔ مگر اس درخت کے پھل
کو جو باغ عدن کے بیچوں بیچ ہے۔ خدا نے کہا ہے۔ کہ تم اس سے نہ کھانا
اور نہ اسے چھونا۔ ایسا نہ ہو۔ کہ مر جاؤ۔ تب سانپ نے عورت سے کہا۔ کہ

تم ہرگز نہ مروگے۔ بلکہ خدا جانتا ہے۔ کہ جبدن اِسے کھاؤگے۔ تمہاری آنکھیں کھُل جائینگی۔ اور تم خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے ہو جاؤگے اور عورت نے جب دیکھا کہ وہ درخت کھانے میں اچھا۔ اور عقل بخشنے میں خوب ہے۔ تو اُس کے پھل میں سے لیا۔ اور کھایا۔ اور اپنے خصم کو بھی دیا۔ اور اُسنے کھایا۔ تب دونوں کی آنکھیں کھُل گئیں۔ اور اُنہیں معلوم ہوا۔ کہ ہم ننگے ہیں۔ اور اُنہوں نے انجیر کے پتوں کو سیکے اپنے لئے لنگیاں بنائیں۔ اور اُنہوں نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا سُنی۔ اور آدم اور اُسکی جورو نے اپنے آپ کو خداوند خدا کے سامنے سے باغ کے درختوں میں چھپایا۔ تب خداوند تعالےٰ نے آدم کو پکارا اور اُس سے کہا۔ کہ تو کہاں ہے۔ وہ بولا کہ میں نے باغ میں تیری آواز سُنی۔ اور ڈرا۔ کیونکہ میں ننگا ہوں۔ اِس لئے مینے اپنے آپکو چھپایا۔ اور اُس نے کہا۔ تجھے کس نے جتایا کہ تو ننگا ہے۔ کیا تو نے اس درخت سے کھایا۔ جسکی بابت مینے تجھ کو حکم کیا تھا۔ کہ اِس سے نہ کھانا۔ آدم نے کہا کہ اِس عورت نے جسے تو نے میرا ساتھی کردیا۔ مجھے اس درخت سے دیا۔ اور میں نے کھایا۔ تب خداوند خدا نے عورت سے کہا۔ کہ تو نے یہ کیا کیا؟ عورت بولی۔ کہ سانپ نے مجھ کو بہکایا۔ تو میں نے کھایا۔ اور خداوند خدا نے سانپ سے کہا۔ اسواسطے کہ تو نے یہ کیا ہے۔ تو سب مویشیوں اور میدان کے سب جانوروں سے ملعون ہوا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلیگا۔ اور عمر بھر خاک کھائیگا۔ اور میں تیرے اور عورت کے اور تیری اور عورت کی نسل کے درمیان دشمنی ڈالونگا۔ وہ تیرے سر کو کچلیگی۔ اور تو

اسکی ایڑی کو کاٹیگا۔ اسنے عورت سے کہا۔ کہ میں تیرے حمل میں تیرے درد کو بہت بڑھاؤں گا۔ اور درد سے تو لڑکے جنیگی۔ اور اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا۔ اور وہ تجھہ پر حکومت کریگا۔ اور آدم سے کہا۔ اِسواسطے کہ تونے اپنی جورو کی بات سنی اور اس درخت سے کھایا جسکی بابت میں نے تجھے حکم کیا۔ کہ اِس سے مت کھانا۔ زمین تیرے سبب سے لعنتی ہوئی اور تکلیف کے ساتھ تو اپنی عمر بھر اِس سے کھائیگا۔ اور وہ تیرے لئے کانٹے اور اونٹ کٹارے اُگاویگی۔ اور تو کھیت کی نباتات کھائیگا۔ تو اپنے مُنہ کے پسینے کی روٹی کھائیگا۔ جب تک کہ زمین میں پھر نہ جاوے۔ کہ تو اس سے نکالا گیا ہے۔ کہ تو خاک ہے۔ اور پھر خاک میں جائیگا۔ اور آدم نے اپنی جورو کا نام حوا رکھا۔ اِس لئے کہ وہ سب زندوں کی ماں ہے۔ اور خداوند خدا نے آدم اور اُسکی جورو کے واسطے چمڑے کے کُرتے بنا کے ان کو پہنائے۔ اور خداوند خدا نے کہا۔ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہوگیا ہے۔ اب ایسا نہ ہو۔ اپنا ہاتھ بڑھاوے۔ اور حیات کے درخت سے بھی کچھہ لیوے۔ اور کھاوے۔ اور ہمیشہ جیتا رہے۔ اِس لئے خداوند خدا نے اسکو باغ عدن سے باہر کر دیا۔ تاکہ زمین کی جس میں سے وہ لیا گیا تھا کھیتی کرے۔ چنانچہ اُسنے آدم کو نکال دیا۔ اور باغ عدن کی پورب کی طرف کروبیوں کو چمکتی تلوار کے ساتھ جو چاروں طرف پھرتی تھی مقرر کیا۔ کہ درخت حیات کی راہ کی نگہبانی کریں۔

(پیدائش کی کتاب باب ۳ درس ۴) ""

مذکورہ بالا کہانی تو السمعیل کا پہلا الہام ہوا۔ اس میں نہ تو

فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا بتایا گیا ہے۔ نہ شیطان کا قصہ۔ دوسرے الہام یا قرآن میں اللہ میاں نے کچھ اور ہی اندر سبھا لگائی ہے شیطان کا جھگڑا۔ فرشتوں کا بکھیڑا۔ وغیرہ وغیرہ کچھ نیا ہی گل کھلایا ہے۔ باوجود اس کے کہانی پھر بھی نامکمل ہی چھوڑ دی گئی ہے۔ گو ہم لوگ اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ کہ الہام میں قصہ کہانیاں پائی جائیں مگر جو اللہ میاں محض کہانیوں سے ہی لوگوں کا جی پرچانا چاہتا ہے اسکو کم از کم اتنا تو خیال رکھنا چاہیئے تھا۔ کہ اسکی بیان کردہ کہانی پاعمنی اور مفصل وار ہوتی۔ مگر افسوس! ان باتوں کو مدنظر نہ رکھنے کے باعث ہم اس آسمانی داستان گو کی کہانیوں کو وہ مرتبہ دینے کے لیئے تیار نہیں ہیں۔ جو کہ الف لیلا وغیرہ کو دیا جاسکتا ہے۔ اہل دہور کے چین پر ہم نے پچیسواں اعتراض کیا تھا۔ جس کا جواب دیتے ہوئے

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ ” قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں۔ جسقدر روحانی تعلیم کے متعلق کسی قصے کی ضرورت ہوتی ہے اتنا ہی قرآن کریم میں بیان ہوتا ہے۔ “

ایسا کون بیوقوف ہے۔ جو قرآن کو تواریخی کتاب کہہ سکے لاحول ولا تواریخ اور قرآن کا باہمی کیا تعلق! حضور اگر قرآن تواریخی واقعات کو ہی بیان کرتا۔ تو بھی ہم مان لیتے۔ کہ خیر کچھ تو ہے۔ مگر یہاں تو ہیر رانجھے لیلی مجنوں۔ فرہاد و شیریں وغیرہ کے قصوں کی طرح قصے بھر رکھے ہیں۔ ان کو کون مانے۔ ہاں دل لگی کا اچھا سامان ہے۔ کیا اللہ میاں روحانی تعلیم قصے کہانیوں کے ذریعہ ہی دے سکتا ہے

بھلا جن کے قصے ہیں اُن کو روحانی تعلیم کس طرح دی گئی ہو گی۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے پہلے خیال تھا۔ کہ گریجویٹ ہے۔ مگر اب یقین آگیا۔ کہ تجھے اکائی کی گنتی بھی نہیں آتی"

ہاں صاحب! ہمیں تو اکائی کی گنتی نہیں آتی۔ مگر آپ ذرا اکائی کی گنتی کر کے دکھائیں۔ اللہ ایک ہے۔ اسکی گنتی کر دیجیے۔ نور دین ایک ہے۔ اسکی گنتی کر دیجیے۔ کلنگی کرشن ایک ہے۔ اسکی گنتی کر کے بتا دیجیے۔ کہ کتنے ہوئے۔ آپکا منہ ایک ہے۔ ذرا اسکی بھی گنتی کر دیں۔ آپکا سر ایک ہے۔ ذرا اس اکائی کی بھی گنتی کر دیں۔ حضور کا یہ طعنہ کیسا طفلانہ ہے۔ کیا کوئی عقلمند آپکی اس بات سے یہ خیال کر سکتا ہے۔ کہ آپ معقول ہیں۔ اکائی اور اسکی گنتی!! یہ کیسی بیہودہ بات ہے۔ آپکو اللہ کی طرح تمسخر خوب کرنا آتا ہے۔ ہمارے گریجوایٹ ہونے پر آپکو شبہ کیوں پڑا؟ گو ہمیں اس بات کا فخر نہیں ہے۔ کہ ہم بی۔ اے ہیں۔ نہ ہی بی۔ اے کی ڈگری ہمارے نزدیک چنداں فخر کی چیز ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا وہم دور کرنے کے لئے کہا جا سکتا ہے۔ کہ ہم گریجوایٹ ہیں۔ ہاں اگر گنتی سے آپکی مراد یہ ہو۔ کہ ہمیں گننا ہی نہیں آتا۔ تو یہ آپکا محض وہم ہی وہم ہے۔ اور کچھ نہیں۔ مبادا آپ کا وہم آپ کو دوبارہ دق کرے۔ آپ کو گن گن کر دکھا دیتے ہیں۔ وہ بھی کنڈر گارٹن سسٹم کے مطابق۔ لیجیے۔ سُنیے۔

بیس تک گنتی کرنیکا نیا قاعدہ

پنجۂ آتھم سے ہے مشکل رہائی آپکی

توڑیں ہی ڈالیں گے وہ نازک کلائی آپکی

ایک

آتھم اب زندہ ہے آکر دیکھ تو آنکھوں سے خود
بات کب یہ چھپ سکے ہے اب چھپائی آپکی

ایک اور ایک دو

کچھ کرو شرم وحیا تاویل کا اب کام کیا
بات اب بنتی نہیں کوئی بنائی آپ کی

دو اور ایک تین

جھوٹھ کو سچ اور سچ کو جھوٹھ بتلانا صریح
کون مانے ہے بھلا یہ کج ادائی آپ کی

تین اور ایک چار

جھوٹ ہیں۔ باطل ہیں۔ دعوی قادیانی کے سبھی
بات سچی ایک بھی ہم نے نہ پائی آپ کی

چار اور ایک پانچ

حق ہے صادق اور صادق حق کا ہے الہام ہی
ہوگئی شیطاں سے ثابت آشنائی آپکی

پانچ اور ایک چھ

ہوگیا ثابت ہے سب اقوال بد سے آپکے
کررہا بےشک ہے شیطاں رہنمائی آپ کی

چھ اور ایک سات

اپنے پنجے سے نہیں شیطاں تمہیں دیتا نجات
اسکو کب منظور ہے اکدم جدائی آپ کی
سات اور ایک آٹھ

تم ہو اس کے اور وہ ہے تمہارا یار غار
رات دن کرتا رہی ہے پیشوائی آپکی
آٹھ اور ایک نو

ہم نہ کہتے تھے کہ شیطاں کا کہا مانو نہ یار
کس بلا میں اُسنے دیکھو جاں پھنسائی آپکی
نو اور ایک دس

ہر طرف سے لعنت اور پھٹکار اور دھتکار ہے
دیکھو کیسے ناک میں اب جان آئی آپ کی
دس اور ایک گیارہ

خوب ہے جبرئیل اور الہام والا وہ خدا
آبرو سب خاک میں کیسی ملائی آپ کی
گیارہ ایک بارہ

ہے کہاں اب وہ خدا جسکا تمہیں الہام تھا
کس لئے کرتا نہیں مشکلکشائی آپ کی
بارہ ایک تیرہ

اب بتاؤ ہیں کہاں وہ آپکے پیر و مرید
جو گلی کوچوں میں کرتے تھے بڑائی آپکی
تیرہ ایک چودہ

کرتے ہیں تعظیم جُھک جھک کر تو شیطان بھی گیا
ڈوم کنجر۔ دہرئے کنجڑے قصائی آپکی

چودہ ایک پندرہ

آپنے خلقت کے ٹھگنے کا نکالا ہے یہ ڈھنگ
جانتے ہیں ہم یہ ساری پارسائی آپ کی

پندرہ ایک سولہ

کچھ کرو خوفِ خدا محشر کو دو گے کیا جواب
کام کس آویگی یہ دولت کمائی آپکی

سولہ ایک سترہ

ڈھیٹھ اور بیشرم بھی عالم میں ہوتے ہیں مگر
سب پہ سبقت لیگئی ہے بیحیائی آپکی

سترہ ایک اٹھارہ

کرگئے منہ کالا گدھے پر کیوں نہیں ہوتے سوار
نیچے کی شرط ہے ہانی سنائی آپ کی

اٹھارہ ایک انیس

داڑھی سر اور مونچھ کا بچنا بڑا دشوار ہے
کر ہی ڈالیگا حجامت اب تو نائی آپ کی

انیس ایک بیس

(الہامات میرزا صفحہ ۴۰)

لیجئے صاحب بیس تک تو آپ کو گن کر دکھا دیا۔ اب بھی اگر آپ

یہی کہتے چلے جاویں کہ ہمیں گنتی نہیں آتی۔ تو بتا دیجئے۔ آگے بھی گن کر دکھا دیا جاوے۔ اچھا صاحب! اگر ہمیں گننا نہیں آتا۔ تو نہ سہی ہمنے کونسا بہشت میں جاکر حوروں کا ریوڑ سمبھالنا ہے۔ کہ اگر گنتی نہیں آئیگی۔ تو شاید کچھہ حوریں اِدھر اودھر گم ہو جایا کرینگی۔ یا غلمان کا گلہ تتر بتر ہو جایا کرے گا۔ ذرا دیکھنا سنن ابن ماجہ میں لکھا ہے۔ کہ ہر ایک بہشتی کو ستر پر دو حوریں تو اُن کے اپنے حصے کی ملینگی۔ اور ستر دوزخ والوں کے حصے کی اس لحاظ سے ایک سو بیالیس حوریں ہوئیں بتلائیے جو مُسلمان بیس تک بھی گننا نہیں جانتے۔ اور جاہل ہی مرجاتے ہیں۔ وہ کیونکر ان کی گنتی کیا کریں گے۔ شاید یہ طریقہ ہو۔ کہ شام کے وقت سب کو قطار میں کھڑا کر کے بولی دیدی۔ "نمبر اَپ۔ فُرم دی رائیٹ" اور حوروں نے کہنا شروع کر دیا۔ ون۔ ٹو۔ تھری۔ فور۔ فائیو۔ سکس سیون۔ وغیرہ وغیرہ پھر سب کو اکٹھا کر کے اندر بند کر دیا۔ اجی حضور! ہم نے تو اعتراض ہی کچھہ اور کیا تھا۔ مگر آپ اکائی کے پھیر میں پھنس گئے اِن باتوں کو ہمارے اعتراض سے کیا تعلق!۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "تو لکھتا ہے کہ بیسیوں دفعہ آدم کا قصہ شروع ہوا۔ میں تجھے سچ کہتا ہوں کہ تو جھوٹا اور احمق ہے۔ ایک بیس دفعہ بھی نہیں۔ نصف بیس دفعہ بھی نہیں۔ اب قرآن مجید پر نظر کر۔"

اب تو اللہ میاں کی طرح آپ خوب غضبناک ہو گئے۔ کیا ہم آپکے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے بھی زیادہ جھوٹے ہیں۔ جنہے تین دفعہ

سفیہ۔ جھوٹھ بولکر لوگوں کو دہوکہ دیا۔ کیا ہم حضرت اسحاق سے بھی زیادہ جھوٹھے ہیں۔ جنے جھوٹھ بولکر اپنا مطلب نکالا۔ کیا ہم یعقوب علیہ السلام سے بھی زیادہ جھوٹھے ہیں۔ جنے اپنے باپ کو جھوٹھ بولکر دہوکہ دیا۔ کیا ہم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی زیادہ جہوٹھے ہیں۔ جس نے جہوٹ بولکر اپنے بھائیوں کو پھانسا۔ کیا ہم آپکے پیر و مرشد سے بھی زیادہ جہوٹھے ہیں۔ جنکی بابت کسی نے لکھا ہے۔

جھوٹ ہیں۔ باطل ہیں دعوی قادیانی کے سبھی
بات سچی ایک بھی ہمنے نہ پائی آپ کی

اگر ہماری زبان سے بیسیوں کا لفظ نکل گیا۔ تو کیا احمقوں بیوقوفوں موکھوں کو یہ خیال کر لینا چاہئے۔ کہ بیسیوں سے مراد ضرور بیس ہی ہیں؟ ہمنے تو اسکو کثرت کے معنوں میں بولا تھا۔ اس میں کیا شک ہے۔ کہ بابا آدم کا قصہ بکثرت قرآن میں شروع کر کے ادھورا چھوڑ دیا گیا ہے۔ سورہ بقر میں شروع ہوا۔ عمران میں شروع ہوا۔ اعراف۔ حجر۔ کہف۔ طہٰ۔ صٓ۔ زمر۔ مایدہ میں شروع ہوا۔ مگر پوری کہیں نہ پڑی۔ برعکس اس کے بائیبل نے اسکو ایک ہی جگہ پورا پورا بیان کر دیا۔ قرآن سے یہ بھی نہ ہوسکا۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "البتہ یجر وید میں ہزاروں بار یگیہ کا بیان ہے۔ اور سام میں اندر۔ اگنی۔ سوم کی ہزار بار تکرار سی شاعرانہ تعریف ہے۔"

یگیہ کہیں تمہارے بابا جان کی طرح کسی کا قصہ تو نہیں ہے۔ اس طرح اندر۔ اگنی وغیرہ تمہارے مریم کے قصے کی طرح کوئی انسانی قصے تو نہیں

ہیں۔ اندر کے بہت سے معنے ہیں۔ اندر راجہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے سورج کے معنوں میں آتا ہے۔ بجلی کے معنوں میں آتا ہے۔ اسی طرح اگنی پر مشہور کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ راجہ کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ آگ کے معنوں بھی آتا ہے۔ سوم چاند کو بھی کہتے ہیں۔ اگر اس بات کا نام تکرار ہے۔ تو حضور کے قرآن میں سورج اور چاند وغیرہ کا شاید سینکڑوں ہزاروں جگہ ذکر آیا ہوگا فرشتوں کا کتنی بار ذکر آیا ہوگا۔ اسی طرح دوزخ کی آگ کا کتنی بار ذکر آیا ہے! ہم تکرار سے مراد لفظی تکرار نہیں لیتے۔ بلکہ قصوں کی تکرار لیتے ہیں۔ قصوں کی تکرار کا مرض قرآن اور قرآنی اللہ کو کچھ ایسا چمٹ رہا ہے۔ کہ ایک دو آیتیں لکھیں۔ جھٹ قصہ چھوڑ دیا۔ ذرا ادھر اُدھر ٹہلے۔ جھٹ قصہ کہانی شروع معلوم نہیں۔ اللہ نے یہ چورن مقرر کر رکھا ہے۔ کہ چند آیتوں کے بیچ کہانا ضروری سمجھا گیا ہے!! آپ ویدوں پر دانت پیستے ہیں۔ کہیں ایک قصہ نکال کر تو دکھا دیجئے۔ ورنہ فضول تحریر سے کیا فائدہ۔ اگر آتا ہے۔ تو ہمارے اعتراض کا جواب دیجئے۔ ورنہ چپ رہئے۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "اگر مسلسل ہوتا۔ تو کہتے۔ کہ قرآن شریف محض ایک تاریخی کتاب ہے۔ الہام سے اسے کیا نسبت۔"

یہ آپ کا محض وہم ہے۔ اگر آدم کا قصہ قرآن میں مسلسل ہوتا۔ تو کوئی بھی اسکو تاریخی کتاب نہ کہتا۔ کیا بائیبل کو کوئی عاقل تاریخی کتاب کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں ہم تو اسکو فسانہ کہتے ہیں۔ اسی طرح اگر قرآن میں مسلسل قصے ہوتے۔ تو ممکن تھا ہم اس کو الف لیلی کی طرح کوئی مسلسل قصوں کی کتاب سمجھ لیتے۔ مگر اب تو ہم اسکو ایسا کہنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔ اس سے تو

ہمارے ہیر رانجھے کے قصے ہی اچھے ہونگے۔ دیکھو ان میں جابجا نصیحتیں بھی ہیں۔ اور سلسل قصے بھی۔ مگر قرآن کو اتنی بزرگی بھی حاصل نہیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "ہر ایک مصنف اور کتاب کی خوبی یہی ہے۔ کہ وہ اپنے موضوع کو عمدگی سے نباہے۔ چاہے اسکی طرز دوسری سے الگ ہو۔"

کیا اللہ میاں نے قرآن کا موضوع ادھورے قصے ہی پسند فرمایا تھا؟ کیا اسکو کوئی اور اچھی بات نہیں سوجھتی؟ ہاں صاحب سوجھتی کہاں سے! اللہ میاں کو بائیبل کا کسی قدر علم تھا۔ پس وہی قصے قرآن میں دھر گھسیٹے۔ اگر اللہ میاں ہندوستان کا ایکدفعہ چکر لگا جاتے۔ تو منوں کتابیں قصوں کہانیوں کی لے جاتے۔ قرآن چھوڑ پران بناتے رہتے۔ کبھی ختم ہی نہ ہوتے۔ مگر شامتِ اعمال عرب صورت قرآں گرفت۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "آپکے روحانی باپ سوامی دیانند نے قرآن شریف پر اعتراضات کئے۔ تو انکی یہ صورت ہے۔ کہ بسم اللہ سے لیکر انتہا پر انتہا کی۔ مضامین کا کوئی لحاظ نہیں کیا۔"

سوامی جی نے قرآن پر اعتراض کرتے وقت سورتوں کو مد نظر رکھا۔ آپ کے روحانی باپ نے چونکہ بے ڈھنگے طور پر سورتیں گھڑی تھیں۔ اسی لئے سوامی جی کو بھی اسی طرح اعتراض کرنے پڑے۔ ورنہ سوامی جی بذات خود سند کو مد نظر رکھتے تھے۔ ستیارتھ پرکاش کے پہلے دس سمولاس پر اگر آپنے غور کیا ہوتا۔ تو یہ وسوسہ ہی آپکے دل میں نہ گھستا

اب بھی لاحول پڑھیئے۔ اور ستیارتھ پرکاش کا مطالعہ کیجیئے۔ مگر آپ ایسا کیوں کرنے لگے۔ جبکہ خود حضرت قرآن نے جدھر چاہا گردن اُٹھالی ؞

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "آپ باوجودیکہ ان ہی کی پس خوردہ خور ہیں۔ مگر طرز نئی ہے۔ کہ مضامین کو الگ الگ کر دیا۔ کہیں کی اینٹ کہیں کا گارا ملاکر ایک رسالہ بنا دیا۔"

ہمارے ہاں پس خوردہ خوری پاپ ہے۔ مگر آپکے ہاں عین ثواب ہے ہاں اگر ہمارے لیکچر میں وہی اعتراضات ہیں۔ جو سوامی جی نے کئے تھے تو اسکا نام پس خوردہ خوری نہیں ہے۔ اگر اس کا نام پس خوردہ خوری کہو گے تو حضور کا اللہ میاں سب سے بڑھکر پس خوردہ خور ہوگا۔ اُسنے یہودیوں کی پس خوردہ خوری کی۔ عیسائیوں کی پس خوردہ خوری کی۔ ایرانیوں کی پس خوردہ خوری کی یونانیوں کی پس خوردہ خوری کی۔ دیکھ لو قصے کے قصے اُڑائے ہوئے ہیں۔ اگر یہی پس خوردہ خوری ہے۔ تو اللہ نے پس خوردہ خوری کی۔ اللہ کے رسول نے کی اصحابہ نے کی۔ اب آپ کر رہے ہیں۔ پتہ لگیگا۔ جب اہل بائیبل قرآن پر دعویٰ دائیر کریں گے۔ اور قرآن کا دیوالہ نکال ڈالیں گے۔ پھر دیکھیں گے آپ کو یا آپ کے اللہ کو یہ پس خوردہ خوری بھی مل سکتی ہے۔ یا نہیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "جس موضوع اور مطلب پر کوئی مصنف قلم اُٹھاتا ہے۔ وہ اُسی کا پابند رہتا ہے۔ اور یہی ہمکی خوبی ہے سلسلہ ٹوٹے بلا سے ٹوٹے۔ ٹھیک اسی طرح قرآن اور بائیبل کا موضوع الگ الگ ہے۔"

بائیبل کا موضوع تو نسبتاً اچھا ہے۔ مگر اللہ میاں کے تاریخی

کیا سمائی۔ کہ اُسنے ادہورے قصوں پر قلم اُٹھائی۔ ؛ اگر بائیبل کی نقل منظور تھی۔ تو کسی پادری سے سبق لیا ہوتا۔ مگر نہیں۔ اللہ ایسا کیوں کرنے لگا تھا۔ ایک بات یہاں سے سُنی ایک وہاں سے۔ ایک قصہ اِس سے سُنا۔ ایک اُس سے۔ چلو جی کتاب بنا ڈالی۔ قرآن کا موضوع ٹھیک ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس سادہو کا۔ جسکی کہانی سوامی جی نے ستیارتھ پرکاش میں دی ہے۔ کسی نے اس سادہو سے پوچھا۔ کہ آپ نے گورو کسکو بنایا تھا سادہو تھا ڈینگیا۔ کہنے لگا چل رے باؤلے۔ ہمنے کسی کو گورو دھارن نہیں کیا۔ ہمنے یونہی بغیر گورو کے تمام شاستر رگڑ مارے۔ اور بھانگ کی طرح گھوٹ کر پی گئے۔ جگیاسو نے پوچھا۔ کہ یہ کیونکر۔ ڈینگئے صاحب بولے کہ کسی پنڈت کو جاتے دیکھا تو پوتھی لیکر اُس کے آگے کر دی۔ اور پوچھا کہ اگر تو پنڈت ہے۔ تو بتا اس کلغی والے اکھشر کا کیا نام ہے؟ اس نے فوراً بتا دیا۔ ہمنے اسکو رٹ لیا۔ اس طرح دوسرے اکھشر کا نام پوچھ لیا۔ تمام وید و شاستر اسی طرح گھوٹ مارے۔ اللہ میاں نے بھی سُن سُنا کر ہی بائیبل کے قصے رگڑ مارے۔ اور قرآن بنا ڈالا۔ ورنہ نئے الہام کی ضرورت ہی کیا تھی کیا قرآنی قصے پہلے موجود نہیں تھے۔ اللہ نے اُنپر کونسا نیا روغن چڑہا دیا بلکہ اُن کو بگاڑ دیا۔ اور ادہورے کر دیا۔ اگر بائیبل نہ ہو۔ تو پھر دیکھو قرآن کے قصوں کا حل کیونکر ہو سکتا ہے۔ قرآن کے ایسے مضمون کا ذکر ہم کہیں آگے چل کر کریں گے۔

مولویصاحب فرماتے ہیں "بائیبل کی غرض واقعات کا علم کرانا ہے۔ قرآن کی غرض اُنسے نتائج پیدا کر کے عبرت دلانا ہوتا ہے۔۔۔

اگر قرآن عبرت دلانے کا ہی کام کرتا ہے۔ تو یقین کرو۔ اس سے پہلے جتنے لوگ مر گئے۔ وہ تمام بغیر عبرت کے ہی مرے ہونگے۔ کاش اللہ میاں قرآن کا بابا آدم کے وقت ظہور کرتا۔ تاکہ بابا آدم کو کچھ عبرت ہوتی۔ یا اس کے مابعد کی اولاد کو کچھ سبق ملتا۔ مگر اللہ میاں ایسا کیونکر کر سکتا تھا جبکہ اُسکے پاس کوئی قصوں کہانیوں کی کتاب ہی نہیں تھی۔ کتاب بنگئی۔ تو اس کا خلاصہ بھی تیار ہو گیا۔ یہ اچھا عبرت نامہ ہے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں وہ آپنے لیکچراروں کو سُنا ہوگا۔ کہ ایک مجلس میں ایک قصہ نہائت ہی مختصر بیان کرتے ہیں۔ بوجہ اس کے کہ اس مجلس کا مقتضا ہی یہی ہوتا ہے۔ دوسرے موقعہ پر اسی قصے کو اتنا لمبا بیان کرتے ہیں کہ اس سے زائد ہونہ سکے۔ ؏

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ میاں بھی مولویوں دلالوں کی طرح لوگوں کو لیکچر دیتا پھرتا ہے۔ مگر اس کے تمام لیکچر چکنے گھڑے پر بوندوں کی مانند ضائع جا رہے ہیں۔ پہلا لیکچر توریت کا دیا۔ وہ بھی ضائع گیا۔ پھر زبور وغیرہ صحائف کا دیا۔ وہ بھی نکما ثابت ہوا۔ بعد ازاں انجیل کا وعظ شروع کیا۔ یہ لات بھی گُن نہ بیٹھی۔ پھر قرآن کا لیکچر دیا۔ وہ بھی ادھورا ہی رہا۔ اب کلجگی کرشن کے ذریعہ نیا لیکچر تیار کر دا رہا ہے۔ جس میں جہاد کا کھنڈن۔ نبوت کی مُہر کا کھنڈن۔ عیسیٰ کا کھنڈن وغیرہ وغیرہ نئے نکل نکل رہا ہے۔ معلوم نہیں۔ اس آسمانی میاں کا سر کیوں بگڑ گیا ہے کہ وہ لگاتار اپنی باتوں کو کاٹتا چلا آتا ہے۔ اسی واسطے تو کسی بات کا کسی پر اثر نہیں ہوتا۔ وہ ایک چھوڑ ہزار لیکچر دے۔ ؏

او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "قرآن شریف بھی چونکہ قومی لیکچر یا انسانی مواعظ کی کتاب ہے۔ اسی اصول کا پابند ہے۔ جسپر معاندوں نے آج تک غور نہیں کیا۔"

اگر یہ قومی لیکچر ہی تھا۔ تو اللہ میاں کے سپاہی اسے دوسری قوموں کے گلوں کا ہار بنانے کےلئے کیوں دوڑے۔؟ عرب کی قوم کو تو لیکچر دیدیا۔ فارس کی قوم کو اللہ میاں کیوں بھول گیا۔ اہل ہند کو بھی تو نیا لکچر ہندی میں سُنایا ہوتا۔ یا اس میاں کو صرف عربوں کا ہی۔ "عین۔ غین" آتا ہے۔ اگر یہ انسانی واعظ کی کتاب ہے۔ تو اللہ میاں کہاں جائیگا؟ شائید معاندوں میں شامل ہو کر مسلمانوں پر عناد کی نالش کرنے دوڑ پڑے!!۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "اس کے مکرر سہ کرر قصے سُنکر یہ کہہ اُٹھتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں تکرار ہے۔ وہ ہے۔ مگر یہ سب اپنی ہی سمجھ کا پھیر ہے۔"

اگر سمجھ کا پھیر نہ ہوتا۔ تو اللہ میاں اپنی پہلی باتوں کو ردی کے ٹوکرے میں کیوں پھینکتا۔ اور کیوں کہتا پھرتا کہ:۔

ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا (پ۔ بقرہ)

"ہم جو موقوف کرتے ہیں کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں۔ تو پہنچاتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر (ترجمہ شاہ عبدالقادر)"

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں بعض مورکھوں کی طرح اناپ شناپ حکم دیدیتا ہوگا۔ بعد ازاں اسکو غلط جان کر موقوف کر دیتا ہوگا۔ یا مرض نسیان سے ستائے ہوئے پاگلوں کیطرح خود ہی اسکو بھول جاتا ہوگا۔ جو اللہ میاں اتنی موٹی سمجھ کا ہو۔ کہ اپنی باتوں کو آپ ہی موقوف کرتا یا بھولتا پھرتا ہو۔ وہ کبھی بھی قابل پرستش نہیں ہوسکتا۔ قابل پرستش وہی پرماتما ہے۔ جو غلطی اور بھول سے مبرا ہے۔ اس کا دیا ہوا گیان ناسخ و منسوخ کے بیہودے عیب سے پاک ہے۔ جیسے وہ زمین۔ سورج۔ چاند۔ وغیرہ کروں اور دیگر لوک لوکانتروں کو ہر ایک کلپ میں پہلے کلپوں جیسے بناتا ہو ویسے ہی اس کا (नित्य) گیان بھی تمام زمانوں میں یکساں رہتا ہے۔ سرشٹی کے شروع میں وہ اپنے گیان کا پرکاش کرتا ہے۔ تاکہ انسان راہ راست پر چلیں۔ پرماتما کی اس لاتغیر صفت کی طرف ہی یہ اور اس کے ہم معنے والے وید منتر اشارہ کرتے ہیں۔ کہ :-

सूर्याचन्द्रमसौधाता यथा पूर्वमकल्प
यत। दिवञ्च पृथिवीञ्चान्तरिक्षमथो
स्वः ॥ ॥



ओ३म्

ओ३म् ऋतञ्च सत्यञ्चाभीद्धात्तपसो ध्यजायत। ततो रात्र्यजायत ततः समुद्रो अर्णवः॥

ऋ० अ० ८। मं० १ ॥

یعنی ایشور کی مہان پرتاپی کی سامرتھ سے وید اور پرکرتی جیسے پرکار پرکاشت ہوئی۔ اسی کی سامرتھ سے

پہلے زمین پیدا ہوئی۔ اسی سے میگھ منڈل اور پرتھوی سمندر بنا۔

باب چہارم

پہلی فصل

اعتراض ۲۶

صداءِ موت

اِدھر سردی شروع ہوئی۔ اُدھر مرغ بازوں نے مرغوں کو مرغن اشیاء کھلاکر موٹا تازہ کرنا شروع کیا۔ جب مرغ خوب موٹے تازہ ہو چکتے ہیں۔ مرغ باز کسی بڑے آدمی کے گھر کو دنگل بناکر وہاں اپنے

اپنے پٹھوں کو لیکر جمع ہو جاتے ہیں۔ مرغ لڑتے ہیں۔ مرغچی صداء آفرین بلند کرتے ہیں۔ اور خوشی میں آکر لڑنے مرغوالوں کو جوش دلاتے ہیں۔ شاباش پٹھے!! خوب لگا! ہاں ٹھیک ہے۔ فدا ایک اور!! وغیرہ وغیرہ آوازے کستے جلتے ہیں۔ گو مرغ اُنکی آواز کو نہیں سمجھتے۔ مگر اس میں کیا شک ہے۔ کہ آواز لگانیوالے مرغوں کی ہلاکت پر تلے ہوئے ہیں۔ اُنکی آواز کتنی ہی مسرت بھری ہو۔ مگر لڑنیوالوں کے لئے وہ صدا موت ہے۔ خاص کر اس صورت میں جبکہ لڑنیوالے سچ مچ مرغوں کے آدمی ہوں۔ کیا انسانوں کا دنگل اس مرغ بازی سے کم ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ مرغوں سے بڑھ چڑھکر ہوتا ہے۔ دُور کیوں جاتے ہو۔ روس اور جاپان کی مرغبازی کیا کم ہے؟ سردی پڑ رہی ہے۔ طرفین نے لڑائی سے ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ بلکہ مرغوں کیطرح لڑائی کے لئے تیاریاں کر رہے ہیں۔ ذرا دم لیکر اور از سر نو موٹا تازہ ہوکر میدان میں نکلینگے۔ اور وہ پٹاخے دار تاڑیں لگائیں گے۔ کہ تماشبین حیران ہو جائیں گے۔ یہ سمجھدار مرغ ہیں۔ مالک کی آواز کو پہچانتے ہیں مالک نے اُن کو جوش دلانے کے لئے مختلف باجے بنا رکھے ہیں۔ باجہ بجا اُنکی رگ پھڑکی۔ علی۔ علی کرتے دشمن پر جا پڑے۔ باجہ کیا ہے؟ مالک کی آواز کیا ہے؟ صدا موت ہے۔ اِن ہی صداؤں سے مرے ہوئے اور مارے ہوئے کُشتوں کے پشتے پورٹ آرتھر کے اندر باہر لگ رہے ہیں۔ لاشوں نے زمین کی سطح کو بعض مقامات پر کئی کئی فٹ تک اونچا کر دیا ہے۔ پانی کے رنگ کو بدل دیا ہے۔ لڑنیوالے چلا رہے ہیں

کہ ہم اس جگہ دشمن کے مقابلہ میں نہیں ٹھیر سکتے۔ کھلاڑی کہتا ہے کہ نہیں ٹھیر سکتے۔ تو مر جاؤ۔ یہ صدا موت ان کے کانوں میں پہونچتی ہے اور وہ ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ لڑائی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ تو وہ کسی دوسری جگہ دنگل جماوینگے۔ دنگل میں جانے سے پہلے لڑنیوالوں کی ہمت کو بڑھانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جاتا؟ بادشاہ بہ نفس نفیس ان کو الوداع کرنے کے لئے آتا ہے۔ جن لوگوں کو لڑائی سے پہلے وہ اپنا غلام سمجھتا تھا۔ اب انکو بھائی کہہ کر رخصت کرتا ہے۔ مگر غلام ہو۔ یا آزاد توپ دونوں کا خاتمہ کر دینے کے لئے منہ کھولے موجود ہے۔ اس مہیب دیو کی خوفناک آواز بتا رہی ہے۔ کہ بیسیوں کے سر اڑ جائیں گے اور در حقیقت اڑ جاتے ہیں۔ کسی کی ٹانگ اڑ گئی۔ کسی کا ہاتھ کسی کی آنکھ کسی کا سر۔ غرضیکہ عجیب کہرام مچ جاتا ہے۔ بعض نامہ نگار اس قسم کے خوفناک نظاروں کی اطلاع دیتے وقت ایسا سین کھینچ دیتے ہیں کہ گویا قیامت برپا ہو رہی ہے۔ سچ پوچھو تو اس قسم کی خوفناک لڑائیوں کا اصلی نقشہ قیامت کے فرضی نقشہ کی ہی نقل سمجھنی چاہئے۔ دنیاوی جنگ میں روئٹر کا تار معتبر سمجھا جاتا ہے۔ قیامت کے مصنوعی جنگ یا مار دھاڑ یا قتل و غارت سے متعلق آسمانی تار گھر سے وصول شدہ خبریں بتا رہی ہیں۔ کہ توپ کی آواز چنداں صدائے موت نہیں ہے جنگی بگل کی آواز اتنی صدائے موت نہیں ہے۔ جتنی کہ آسمانی بگل کی آواز خوفناک ہے۔ یہاں ایک توپ چلیگی۔ تو زیادہ سے زیادہ ہزار آدمیوں کو تباہ کر دیگی۔ مگر آسمانی توپ یا آسمانی صدائے موت یا آسمانی بگل کی آواز

سے چاروں طرف تباہی ہی تباہی ہو جائے گی۔ چنانچہ آسمانی رپورٹر میاں کی تار رہتی ہے۔ کہ :-

نفخ فی الصّور فصعق من فی السموات ومن فی الارض اِلّا من شاء اللہ (پ۲۴۔ زمر)

"بگل یا نرسنگا پھونکا جاوے گا۔ اور وہ تمام جو زمین و آسمان میں ہیں مرجائینگے۔ مگر جسکو اللہ میاں چاہے"

اللہ میاں کن لوگوں کو نہیں مارے گا؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب مفسرین نے مختلف طور پر دیا ہے۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ اللہ میاں کے عرش کو اٹھانیوالے فرشتے نہیں مرینگے۔ باقی سب مرجائیں گے بعض نے کہا ہے۔ کہ بہشت اور دوزخ کے چوکیدار نہیں مرینگے۔ باقی سب مرجائیں گے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی ہی بولیاں۔ یہ تو پہلی توپ ہوئی مگر آسمانی رپورٹر بتاتا ہے۔ کہ :-

ثمّ نفخ فیہ اخریٰ

"پھر دوبارہ بگل بجایا جائے گا۔"

اس بگل کے بجتے ہی تمام لوگ :-

فاذا ھم قیام ینظرون (پ۲۴۔ زمر)

"اٹھ کھڑے ہونگے۔ اور دیکھنے لگ جائینگے" ناگہاں

اشرقت الارض بنور ربھا

"تمام زمین اللہ میاں کے نور سے روشن ہوجائیگی" اس برقی روشنی کے بعد دفتر کھولا جاوے گا۔ اور :-

وضع الکتاب (پ ۲۴ - زمر)

"لوگوں کے اعمالنامہ پیش کیئے جاویں گے" مگر اعمال ناموں کے ساتھ گواہوں کی بھی ضرورت پڑیگی - چنانچہ :-

جائی بالنبیین والشہداء (پ ۲۴ - زمر)

"نبی اور گواہ بھی بلائے جائیں گے" جب تمام کارخانہ ٹِچن ہو جائیگا - تب لوگوں کے جھگڑوں - رگڑوں کا -

قضی بینھم بالحق (پ ۲۴ - زمر)

"پورا پورا فیصلہ کیا جاوے گا" خیر یہ تو آسمانی لاٹ صاحب کے دربار کا حال ہوگا - مگر فی الحال ہمارے مطلب کی بات وہ بگل باجا ہے - جس سے لوگوں کو مارا جائیگا - ہم نے اِس انوکھے بگل کے متعلق ترک اسلام میں چھبیسواں اعتراض یہ کیا تھا - کہ یہ کیا بلا ہے - اِسکا ظہور کب ہوگا - کہاں ہوگا - ؟ وغیرہ وغیرہ - ہمارے اِس اعتراض کا جواب جو کچھ کہ ہمارے مہربانوں نے دیا ہے - وہ قابل غور ہے - چنانچہ :-

حکیم صاحب فرماتے ہیں "یہ ایسا سوال ہے - جیسے کوئی کہے - پال مرجائیگا - تو آپ اِس سے انکار کردیں - کہ کس جگہ - کیونکر کب اور کیا پھر خدا معطل ہو جائے گا - کیا یہ سوال ہمارے پر آپکو پیش نہیں آیا -"

عقلمند خود ہی جان جائیں گے - کہ یہ ایسا جواب ہے - جیسے کوئی پوچھے خر کے معنے بتاؤ - تو مورکھ آدمی بول اُٹھے - کہ خر کے معنے کُتا کیا تمہارے جواب کو ہمارے اعتراض سے اتنا ہی علاقہ ہے - جتنا کہ

گدھے کے سر کو سینگوں سے ؟ مثال بھی دی تو پال کے مرنے کی۔ کیا زید عمر۔ بکر کے نام تمہارے دل سے اُتر گئے ہیں۔ پال مر جائیگا۔ تو کیا تمہارا پیچھا چھوٹ جائیگا۔ کیا تم نہیں مرو گے۔ اگر تمنے حدیثوں کا مطالعہ کیا ہوتا۔ تو اس طرح بے پر کی نہ اُڑاتے۔ بلکہ ہمارے اعتراض کے جواب میں جامع ترمذی جلد دوم صفحہ ۸۲ پر کی بگل باجے والی حدیث کا مضمون نقل کر دیتے۔ کہ وہ حدیث کی گئی ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص سے۔ کہا اُسنے کہ ایک اعرابی آنحضرت کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ حضور کیا چیز ہے۔ آپنے فرمایا۔ کہ ایک سینگ ہے۔ جس میں پھونکا جاویگا"۔ مگر ہم پھر پوچھیں گے۔ کہ یہ سینگ کس جانور کا ہے۔ ہاتھی کا ہے یا اونٹ کا۔ یا گدھے کا۔ یا آدمی کا۔ بہرکیف یہ کوئی غیر معمولی سینگ ہی ہوگا۔ تبھی تو اس کی پوں۔ پوں سے تمام آدمی ہلاک ہو جائینگے۔ دیکھو! تم لوگ کیسے قدم قدم پر گر رہے ہو۔ جب تمہیں ہمارے اعتراضوں کے جوابات نہیں آتے۔ تو خواہ مخواہ مغالطہ کیوں دیتے ہو۔ اپنے بھائیوں کو راہ راست پر کیوں نہیں آنے دیتے۔ کیوں ان کو توہمات میں پھنسائے رکھنا چاہتے ہو۔ کیا تمنے یہ ٹھیکہ لے لیا ہے۔ کہ ہر ایک سچی بات پر مخول کرتے جاؤ۔ کاش تم لوگ سچ کو سچ کی خاطر دیکھ سکو۔ آمین!

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ " بابو صاحب! معاف رکھئے بچوں کی سی باتیں ہیں۔ آپ دریا کے مینڈک کی طرح دریا کو کنوئیں سے بڑا تسلیم نہ کریں گے۔ تو کیا دریا کی بڑائی میں فرق آ جائیگا۔ "

ہاں حضور! ہم بھی تو یہی کہتے ہیں۔ کہ جن باتوں پر آپنے قلم اٹھایا ہے

یا جن کا ہمنے ترک اسلام میں ذکر کیا ہے۔ وہ تمام بچوں کی سی باتیں ہیں۔ عقلمند اُن کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر آپ یا آپکے ہم پیشہ لوگ ان بو جھار توں اور کہانیوں میں پھنسے رہیں۔ تو کیا صداقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنیوالا کوئی بھی انسانی بچہ نہیں ہوگا۔؟ آپکے طعن و تشنیع اور غلط مثالوں کو ہمارے اعتراض سے کیا تعلق۔ پہلے اپنی مثال کی حجامت کروائیے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "سُنئے! ممکن ہے۔ یہی حرکت زمین کی جواب تم لوگوں نے تقلید اہل یورپ مانی ہے۔ اپنے وقت پر تھوڑی سی تیز ہو کر تمام چیزوں کو برباد کر دے۔ وہی نرسنگے یا صور کا وقت ہے۔"

یورپ کی تقلید کی بھی ایک ہی کہی! یورپ والے مردہ جلانے لگ گئے۔ ہم بھی جلاتے ہیں۔ ہمنے یورپ کی تقلید کی!! یورپ والے مادہ اور روح کو ازلی ماننے لگ گئے۔ ہم بھی مانتے ہیں۔ ہم نے یورپ کی تقلید کی! یورپ والے نیستی سے ہستی اور ہستی سے نیستی ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ ہم بھی نہیں۔ ہم نے یورپ کی تقلید کی۔ یورپ والے سات آسمانوں اور فرضی دوزخ کے توہمات سے نکل رہے ہیں۔ ہم بھی انسے آزاد ہیں۔ ہم نے یورپ کی تقلید کی۔ یورپ والے آسمانی الہامیاں کو انگلی دکھلاتے ہیں۔ ہم بھی اس سے منکر ہیں۔ ہمنے یورپ کی تقلید کی۔ یورپ والے معجزوں یا فضول گپوں سے آزاد ہو رہے ہیں۔ ہم بھی آزاد ہیں۔ ہم نے

یورپ کی تقلید کی۔ یہ کیا بھس بھرے واہیات خیال ہیں یورپ نے ہماری تقلید کی۔ یا ہمنے یوروپ کی! ابھی یوروپ کو دھرم کے معاملات میں ہم سے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔ یوروپنے ابھی تک دھرم کی الف۔ بے بھی نہیں پڑھی۔ یوروپ ابھی تک انسان کی تعریف بھی نہیں سیکھا۔ یوروپ ابھی تک کتّے اور انسان میں تمیز نہیں کرسکتا۔ یورپ کی بینائی ابھی تک اتنی کمزور ہے کہ وہ گدھے کے بچّے اور انسان کے بچّے میں فرق نہیں جان سکتا۔ پھر یوروپ ہمیں کیا سکھا سکتا ہے۔؟ ہم اس سے چالبازی اور خونخواری نہیں سیکھنا چاہتے۔ ہم اس سے لوگوں کے حقوق چھیننے کا سبق نہیں پڑھنا چاہتے۔ تم کہتے ہو۔ کہ ہمنے یوروپ کی تقلید کی! ہمنے یوروپ کی تقلید نہیں کی۔ بلکہ ہمنے ایشوریہ گیان کی تقلید کی ہے۔ ایشوریہ گیان ہمیں بتاتا ہے۔ کہ:-

आयङ्गौः पृश्निरक्रमीदसदन्मातर-

न्पुरः पितरञ्च प्रयन्त्स्वः॥

यजु० अ० ३ मं० ६॥

"یہ زمین مع اپنے پانیوں کے باقاعدہ سورج کے اردگرد گھومتی ہے۔" کیا یہ یوروپ کی تقلید ہے۔ ہرگز نہیں؛ مگر اس مرض کا کیا علاج کہ تم لوگ ہمارے اعتراضوں کا جواب تو دے نہیں سکتے خواہ مخواہ فضول باتیں بنانے لگ جاتے ہو۔ اگر یہ ممکن ہے" پرتی بکیہ لگانا چاہتے ہو۔ تو کیوں نہیں کہتے۔ کہ ممکن ہے۔ جبرائیل زمین کو منہ

میں رکھکر دانتوں سے چباڈالے۔ ممکن ہے شیطان بہادر اسکو بغل میں دباکر چنپت ہو جاوے۔ ممکن ہے۔ اسرافیل جس کا قد بقول اہل اسلام اللہ میاں کے عرش سے لیکر ساتویں زمین تک لمبا ہے۔ زمین کو اپنے کان میں رکھکر بھاگ جاوے۔ یا پھونک مار کر اُڑا دے۔ ممکن ہو میاں میکائیل ہی لنگوٹی میں باندھ کر چلا دے۔ ممکن ہے۔ مولوی ثناءاللہ ہی اسکو ڈکار جاوے۔ کوئی پوچھے۔ کہ ان امکانی باتوں کو ہمارے سوال سے کیا نسبت۔ بہت اچھا ہوتا۔ اگر آپ ہمارے اعتراض کے مقابل میں اس قول کو نقل کر دیتے:-

ابی سعید سے روائت ہے۔ کہ اُسنے آنحضرت سے کہا میں کس طرح خوشی کر سکتا ہوں۔ حالانکہ صور کے صاحب یعنی اسرافیل نے صور (بگل) کو مُنہ میں ڈال رکھا ہے۔ اور منتظر ہے۔ کہ کب پھونکنے کا حکم ملے۔ اور میں پھونکوں؛

مگر افسوس نہ آپ کے بگل کا پتہ۔ نہ بگلچی کی خبر۔ یونہی ہوائی باتیں لکھ ماریں!! کیا اللہ میاں کو کوئی دوسرا شغل نہیں تھا۔ مگر بقول ظریف۔

بیکار مباش کچھ کیا کر
کپڑے ہی اُدھیڑ کر سیا کر

شاید اللہ میاں اور اُس کے یار دوست اِن ہی جھلاولوں میں دن گذارتے ہونگے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "زمین کا مقام بتلانا کیا ضرور ہے۔ جہاں حکم ہوگا۔ پہونچا جاوے گا۔"

اگر نرسنگے کے مقام کا پتہ لگجاوے۔ جہاں کہ میاں اسرافیل بگلچی سینگ مُنہ میں ڈالے کھڑے ہوں۔ تو ایک دفعہ چلکر وشن تو کر آئیں اگر ہو سکے۔ تو حضرت کو کچھ سمجھا بوجھا دیں۔ کہ بگل مت بجانا۔ ذرا دنیا اور بسنے دو۔ یا اگر ممکن ہو تو میاں سے سینگ ہی چھین لائیں۔ یا ذرا تصویر ہی اُتار لائیں اور عام لوگوں کو دکھا دیں کہ یہ میاں بگلچی ہیں۔ جن کا قد۔ اللہ میاں کے عرش سے لیکر ساتویں زمین تک ہے۔ یا بگلچی میاں کو صلاح مشورہ دے آئیں۔ کہ کونسی جگہ بگل بجانے کے لئے موزوں ہو سکتی ہے۔ امرت سر کے گھنٹہ گھر پر بگل بجا۔ تو امرتسر تو پہلے مریں گے۔ شائید دوسروں کو آواز بھی سُنائی نہ دے۔ قطب صاحب کی لاٹھ پر کھڑے ہوکر یُوں۔ یُوں کیا جاوے۔ تو شائید تمام ہندوستانی مر جاویں۔ ہاں یاد آیا۔ ہمالیہ کی اونچی چوٹی مونٹ ایورسٹ پر کھڑے ہوکر اگر میاں بگلچی ایک دم لگا دیں۔ تو اس تمام زمین کا خاتمہ ہو جائیگا۔ سیر آسمان میں دکھایا گیا ہے۔ کہ اس بگلچی کا سر اللہ میاں کے عرش کے نیچے ہے۔ اگر اس کے سر میں مُنہ اور مُنہ میں نرسنگا ہے۔ تو یقین کرو۔ اللہ میاں کی پالکی سب سے پہلے اُڑیگی۔ مگر مفسر کہتے ہیں۔ کہ اللہ میاں اُسدن چار کہار اور لگا دے گا تاکہ بگل کی آواز سے پالکی کو صدمہ نہ پہونچے۔ خیر اس کا ذکر آگے آئیگا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "وہ تمام جاندار اس طرح مریں گے جسطرح آریوں کی پرے کے وقت سب کچھ برباد ہو جائے گا۔"

اگر اللہ میاں کا آخری سین یا پانچواں ایکٹ کچھ بھی معقولیت پر مبنی ہوتا۔ تو ہم یہ اعتراض ہی نہ کرتے۔ آریوں کی پرے میں کوئی بگلچی تھوڑا

ہی ہوگا۔ جو پُوں پُوں کر کے سبکو مار دیگا؛ اگر کسی وید منتر میں ایسے بگل باجے کا ذکر ہو۔ تو پیش کرو۔ مگر تمہارے ہاں تو اِس پانچویں ایکٹ کے تمام پردے ہی نرالے ہیں۔ کہیں سورج مغرب سے نکل رہا ہے۔ کہیں یاجوج ماجوج مُنہ پھاڑ کر دوڑ رہے ہیں۔ کہیں عیسیٰ آسمان سے اُتر رہا ہے۔ کہیں مہدی لڑ رہا ہے۔ کہیں مُسلمان رو رہے ہیں۔ کہیں بھاگ رہے ہیں۔ کہیں دجال گدھے پر سوار۔ آنکھ کا کانا۔ دل کا اندھا بہشت و دوزخ کو ساتھ لئے پھرتا ہے۔ کہیں دابۃ الارض ہے۔ کہ اللہ میاں کے کہنے کے مطابق زمین پھاڑ کر بھاگ رہا ہے۔ اور اِس قرآنی قول کی تصدیق کر رہا ہے۔ کہ :۔

اخرجنا لهم دابۃ من الارض تکلمهم۔ (پ نمل)

ہم اُن کے لئے زمین سے ایک کیڑا یا رینگنے والا نکالینگے۔ جو اُنسے باتیں کرے گا۔"

کوئی پوچھے۔ کہ یہ کیڑے خاں پہلوان کون ہونگے۔ تو مُسلمان لوگ جھٹ پٹ عقل کو بغلیں دبا کر اپنی اپنی بولی بولنے لگ جائیں گے کوئی کہہ دیگا۔ کہ یہ ایک جانور ہے۔ جو زمین سے اِس طرح پیدا ہوگا جسطرح کہ اللہ میاں کی اونٹنی پتھر سے پیدا ہوئی تھی۔ کوئی بول اٹھیگا۔ کہ دابہ ایک چوپایہ جانور ہوگا۔ اس کا قد ساٹھ گز لمبا ہوگا۔ اس کے جسم پر زرد روئیں ہوں گے۔ جیسا کہ پرندوں کے بچّوں پر ہوتے ہیں۔ اس کے دو بازو ہونگے وہ ایسا تیزرو ہوگا۔ کہ کوئی اُسکو پکڑ نہیں سکیگا۔ اس کا چہرہ آدمی کا سا ہوگا۔ کوئی میاں زبیر کا قول سُنا دیگا۔ کہ اس کا سر گائے کے سر جیسا ہوگا۔ کوئی میاں عین المعانی کی قسم کھا کر کہدے گا۔ کہ اسکی آنکھیں سوئیر کی

آنکھوں جیسی کان ہاتھی کے کانوں جیسے۔ سینگ پہاڑی گائے کی سینگوں کی مانند۔ رنگ چیتے کا سا۔ گردن شتر مرغ کی سی۔ سینہ شیر کا سا۔ پسلیاں چیتے کی سی۔ پاؤں اونٹ کی مانند۔ دُم مینڈھے کی سی۔ کوئی بڑبڑا اُٹھیگا کہ یہ جانور صفا کے پہاڑ سے نکلیگا۔ کوئی کہہ دیگا۔ کہ مروہ کے پہاڑ سے کوئی کہدیگا کہ اجیا کے پہاڑ سے کوئی کہہ دیگا کہ تہامہ کے جنگلوں سے کوئی کہہ دیگا کہ بحر سدوم سے حدیث والا بول اٹھیگا۔ کہ مسجد حرام سے نکلیگا مگر علامتہ الساعت والا میاں عین پتے کی سنائیگا۔ کہ یہ جانور خانہ کعبہ کے کونے میں سے نکلیگا۔ لوگ اسکو دیکھیں گے۔ یہ آفتاب کیطرح سیر کریگا۔ اور بلند ہو جائیگا۔ تین دن کے بعد ایک تہائی باہر آئیگا۔ کوئی کہدیگا کہ نہیں میاں! اس کا سر اور گردن ہی زمین سے باہر نکلیں گے اور کچھہ نہیں۔ دوسرا بول اُٹھیگا۔ ارے میاں اسارا باہر نکل آئیگا اس کے پاس موسیٰ والا ڈنڈا۔ اور سلیمان والی انگوٹھی ہوگی۔ وہ ایمان والوں سے اپنا ڈنڈا چھو دیگا۔ اُنکا چہرہ چمک اُٹھیگا۔ اور کافروں کی پیشانی پر سلیمان کی انگوٹھی سے مہر جڑ دیگا۔ ان کا مُنہ کالا بھوت ہو جائیگا غرضیکہ جتنے مُنہ اتنی باتیں۔ ہم تو اُن لوگوں کی تفسیریں پڑھتے پڑھتے تھک گئے۔ مگر ان بلاؤں کے اُلٹ پھیر کا پتہ نہ لگا۔ اب پوچھتے ہیں تو علماء اسلام کانوں پر موذن کی طرح انگلی رکھ کر بات ٹال دیتے ہیں اُلٹا گلے پڑ جاتے ہیں۔ کہ تو مر جائیگا۔ تو یہ ہوگا۔ وہ ہوگا۔ خیر۔ ایں ہم غنیمت است۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ " اس سے بعد کیا مشہور

بیکار رہیگا۔ اور دُنیا کے مخمصوں سے چھوٹ جائیگا۔؟ کیونکہ سارا دھندا تو جیو آتما کا ہے۔ جو اس وقت نکمی بالکل بیکار۔ گہری نیند سو رہی ہوگی۔ ستیارتھ صہ ۲۸۱؎

پرمیشور دُنیا کے مخمصوں میں پھنسا ہی کب تھا۔ کہ اس سے آزادی کی خواہش کرے۔؟ ہاں اللہ میاں جی تو ضرور دُنیا کی جھگڑوں رگڑوں۔ شیطانوں۔ جنوں۔ بھوتوں۔ کی دھکاپیل سے دق آ گئے ہونگے۔ اور چاہتے ہونگے۔ کہ جسطرح وہ پہلے آزاد اور نیست آباد کے دارغہ تھے۔ دوبارہ پھر اُسی پوسٹ پر واپس چلے جاویں۔ پرنے میں ہر ایک جیو کو اس کی حالت کے مطابق مکتی یا شُشپتی میں رکھنا۔ پرکرتی کو قابو میں رکھنا وغیرہ وغیرہ پرماتما کو نیست خانے کا محرر بنانے سے مانع ہیں۔ ہاں جس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ ہو۔ وہ اس مد کے لئے درخواست کرسکتا ہے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں وہ کیا نادانوں کی سی باتیں ہیں! لالہ صاحب آپنے خدا کو کسی ریاست کا راجہ سمجھا ہے۔ کہ سلطنت کے کاموں سے فرصت ہوئی۔ تو تاش شطرنج میں دل بہلانے لگ گئے؟؛

ہمنے خدا کو تو ایسا ویسا راجہ نہیں سمجھا۔ کیونکہ خدا ہمارے نزدیک قابل عزت واجب التعظیم۔ قابل پرستش۔ سویم بھو پرماتما کا نام ہے۔ خدا اور سویم بھو دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ ہاں اللہ میاں کی حیثیت ہمارے نزدیک ایک معمولی رجواڑے سے بڑھکر نہیں ہے نہیں نہیں۔ ایک نام کے نواب سے بڑھکر نہیں ہے۔

کیونکر؟ اجی جناب! نواب پالکیوں میں سواری کیا کرتے ہیں۔ تو میاں بھی پالکی میں سوار ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ نوابوں کی پالکی کو آدمی اُٹھاتے ہیں۔ میاں صاحب کی پالکی کو فرشتے اُٹھا رہے ہیں۔ نام کے نواب اور نام کے فرشتے! نواب کے ایلچی میاں صاحب کے رسول۔ نواب کا بگل۔ میاں صاحب کا نرسنگا۔ نواب کے سپاہی۔ میاں صاحب کی آسمانی کیولری۔ نواب کے باڈی گارڈ میاں صاحب کے تخت کے اردگرد فرشتوں کی قطار۔ نواب کے منشی میاں صاحب کے کرامٌ کاتبین۔ نواب کے جیلر۔ میاں صاحب کے منکر نکیر۔ اور جہنم کے داروغہ۔ نواب کی گھُرکی۔ میاں صاحب کا غضب۔ دیوالیئے نواب کا مقروض ہونا۔ میاں صاحب کا قرض لینا۔ نواب کا قسمیں کھانا۔ میاں صاحب کا قسمیں کھانا۔ کھلانا۔ اور تڑوانا۔ نواب کا وزیر۔ میاں صاحب کا خلیفہ۔ نواب کی سواری میاں صاحب کا سوارہ۔ بھئی! ٹھاٹھ تو بالکل نوابانہ ہے۔ مگر ہاتھ پلّے کچھ نہیں۔ مفت کی چھیم چھاہٹ ہے۔ وہ بھی فرضی دعوت! پڑے دانت کاٹ گٹ گئے جاؤ۔ رکابی خالی پیالہ اوندھا!!۔

مولویصاحب فرماتے ہیں۔ قرآن مجید تو اس سوال کا جواب دے سکتا ہے۔ کہ بعد فنا ہونے اس موجودہ دُنیا کے جنت دوزخ والوں کی پرورش کرے گا۔ اور اب اگر چاہیگا۔ تو اور دُنیا بھی بنا لیگا۔ مگر وید پر افسوس کہ وہ بالکل خاموش ہے۔ بتا نہیں سکتا۔ کہ پرلے کے وقت خدا کو کیا شغل ہوگا۔"

بات تو حضور بھی نہیں سمجھے ۔ یونہی سیاپہ کر اُٹھے۔ جنت دوزخ والوں کی پرورش تو میاں کو اُس وقت سوجھیگی ۔ جب وہ ٹکڑی پلڑے کے بکھیڑے سے آزاد ہو جائے گا۔ اس زمانہ کو ہم دوسری پیدائیش کہہ سکتے ہیں ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپ لوگ تو بقول قرآن مسل نامہ لیکر شراب کباب میں پھنس جائینگے ۔ مگر پرماتما از سر نو دُنیا کو پیدا کر کے لوگوں کو اُن کے اعمال کے مطابق جنم دیکر اعمال حسنہ کا موقعہ دیگا ۔ اور وہی قوانین بدستور جاری رہیں گے ۔ جو کہ اس سے پہلے کلپ میں تھے ۔ شائید میاں صاحب کے تمام رجسٹر ۔ تمام منشی ۔ تمام وکیل تمام داروغہ ۔ تمام دربان ۔ تمام کتابیں ۔ تمام حکمنامہ ۔ تمام قصص کہانیاں غرضیکہ تمام تمام ہمیشہ کے لئے بیکار معطل از کار رفتہ ہو کر حرف غلط کی طرح مٹ جائینگے ۔ یا لپیٹ لپٹا کر عرش کے نیچے حوض کوثر میں پھینک دئے جاویں گے ۔ کیونکہ جب لوگوں کو دوبارہ اعمال کرنیکی اجازت نہیں ہوگی ۔ تو اس تمام ٹنٹے کی کیا ضرورت ۔ مگر ایشوریہ گیان ہمیں بتاتا ہے ۔ کہ پرماتما کے تمام قوانین ہر ایک کلپ میں یکساں رہتے ہیں کوئی بیکار و معطل نہیں ہو سکتا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "وہ اتنے دنوں تک اپنے روحوں پر جو اسکی مخلوق نہیں ملک نہیں ۔ ناجائیز حکومت کر کی اس سے بعد کیا کرے گا ۔ ۵

آخر بشر کے واسطے کچھ شغل چاہیئے
کیا کیجیگا اس ستم ناروا کے بعد "

آخر اپنی پرانی کھونٹی پر گھوم آئے! اگر میموریل کا جواب ملا ہو یا ملنے کی امید نہ ہو۔ تو بتا دیجئے۔ ہم ایک ری مائینڈر (Reminder) اور بھیج چھوڑیں۔ تاکہ انگریز لوگ مسلمانوں پر جو اُنکی مخلوق نہیں ہیں رعیت نہیں ہیں۔ ناجایز حکومت نہ کریں۔ بھلے میاں! پرمیشور کو تو جب جیو اور مادہ کی نسبتی پر اس قسم کی بیکاری کی حالت پیش آئیگی۔ تو اسوقت دیکھ لیا جاوے گا۔ مگر ذرا پالکی سواری کی کہئے۔ کیوں میاں! البشر کے لئے تو شغل کی ضرورت بتا دی۔ مگر بشر کے بڑے کے لئے کچھ علاج نہ بتایا وہ بیچارہ بنیتی کا مارا۔ تمہاری اور تمہارے دادا جان کی پیدائش یا دُنیا کی پیدائش سے پہلے کیا شغل رکھتا تھا۔؟ تاش کھیلا کرتا تھا۔ یا کپڑے پھاڑ پھاڑ کر سیتا رہتا تھا۔ یا اس ادھیڑ بن میں رہتا تھا۔ کہ دنیا کو پیدا کردوں یا نہ کروں۔ اگر کروں۔ تو شیطان کو بناؤں یا نہ بناؤں۔ اگر بناؤں تو اسکو فرشتوں کا اُستاد مقرر کروں یا نہ کروں اگر کروں۔ تو پھر آدم کو بناؤں یا نہ بناؤں۔ اگر بناؤں۔ تو اسکی پسلی چراؤں یا نہ چراؤں۔ اگر چراؤں تو اس سے حوا بناؤں۔ یا نہ بناؤں اگر بناؤں تو اُسکو آدم کے ساتھ رکھوں یا نہ رکھوں۔ اگر رکھوں تو شیطان سے سجدہ کراؤں یا نہ کراؤں۔ اگر کراؤں تو اسکو مردود کردوں یا نہ کروں۔ اگر کردوں تو اسکو میاں بیوی کے سہر ہونے دوں۔ یا نہ ہونے دوں۔ اگر ہونے دوں۔ تو اسکو بہکانے کی اجازت دوں۔ یا نہ دوں۔ اگر دوں۔ تو پھر میاں بیوی کو دھکے دوں یا نہ دوں۔ اگر دھکے دوں۔ تو نیچے پھینکوں یا نہ پھینکوں۔ اگر پھینکوں۔ تو ان کی اولاد

ہونے دوں یا نہ ہونے دوں۔ اگر ہونے دوں تو اُنکی تعداد بڑھاؤں یا نہ بڑھاؤں۔ اگر بڑھاؤں تو اُن کے لیئے بہشت بناؤں یا نہ بناؤں۔ اگر بناؤں۔ تو اس میں شراب کباب اور حور و غلمان رکھوں یا نہ رکھوں۔ اگر رکھوں تو اتنے عرصہ پہلے اُن کو پیدا ہونے دوں یا نہ ہونے دوں اگر ہونے دوں۔ تو آدم کے بیٹے اُن کو پسند کریں گے یا ناپسند۔ اگر ناپسند کریں گے تو میرا سارا چرخہ بگڑ جائیگا۔ غرضیکہ اس قسم کی ادھیڑ بن میں غلطاں و پیچاں رہتا ہوگا۔ مگر حیرانی کی بات ہے۔ کہ اگر اسنے جیو اور پرکرتی کو کہیں سے چرانہیں لیا۔ تو اُن کو نکالا کہاں سے۔ نیستی سے ہستی تو ہونے سے رہی خیر! وہ جانے۔ اسکی ایمانداری!! ہمارے نزدیک تو یہ توہمات ہی توہمات ہیں۔ جیسے اللہ میاں کا چھو منتر نرالا۔ ویسے ہی اس کا بگل نرالا نہ کوئی بگل کا پتا بتائے۔ نہ بگلچی کا۔ یہ لوگ یوں ہی ڈر ڈر کر خون خشک کرتے رہیں گے۔ کیونکہ وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ دُنیا کا خاتمہ کسی بگل یا نرسنگے کی آواز سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جس پرماتما نے اسکو مختلف صورتوں کے اندر سے گزار کر موجودہ صورت دی ہے۔ وہی پار برھم اسکو مختلف حالتوں کے اندر سے گذار کر پرلے کی حالت میں پہنچائے گا۔ جیسے موجودہ کائنات کی پیدائش یک لخت نہیں ہوئی۔ ویسے ہی اس کی فنا بھی یک لخت نہیں ہو سکتی فنا و بقا کا سلسلہ رات اور دن کی مانند ہے۔ پرلے کو رات کی تاریکی اور پیدائش کو دن کی روشنی سے تشبیہ دیجا سکتی ہے

نہ رات کی تاریکی یکدم آتی ہے

نہ یکدم جاتی ہے

نہ دن کی روشنی یکدم زمین پر پھیلتی ہے۔ نہ یکدم غائب ہو سکتی ہے۔ اس
مضمون کی بابت ایشوریہ گیان ہمیں بتاتا ہے۔ کہ:

ओ३म् ऋतञ्च सत्यञ्चाभीद्धात्तपसोऽध्य
जायत ततो रात्र्यजायत ततः समुद्रो
अर्णवः॥ ॥ ॥



ओ३म्

येन द्यौरुग्रा पृथिवी च दृढा येन स्वः स्तभितं येन नाकः। यो अन्तरिक्षे रजसो विमानः कस्मै देवाय हविषा विधेम॥ य० अ० ३२। मं० ६॥

جس نے پرکاشمان سورج وغیرہ اور زمین کو دھارن کئے ہوئے ہے - جس نے سکھ کو دھارن کیا ہے۔ جس نے موکش کو دھارن کیا ہے

جو انترکش میں تمام لوک لوکانتروں کو آکاش میں جیسے پرندے ... بناتا ہے

ہم اسی سکھ سروپ قابل پرستش ہے۔

دوسری فصل

اعتراض ۲

نیا جال

گرمی شروع ہوئی گیہوں کے کھیتوں نے رنگ بدلا - بٹیر بازوں کی آنکھیں کھلیں - پالتو بٹیروں کو مختلف گرم سرد چیزیں کھلانے لگے پنجرے کے قیدی اپنے مالک کی اِس تھوڑی ہی عنایت پر مفتوح قوم کی طرح پر و پرزہ جھاڑنے اور گلا پھاڑنے لگتے ہیں - بٹیر باز کی یہ موسمی عنایت بٹیروں پر اِس لئے نہیں ہوتی - کہ وہ ان کو پیار کرتا ہے - یا اُنکا

حقیقی خیر خواہ ہے۔ بلکہ اسکی تہ میں اسکی اپنی خود غرضی موجود ہے
گیہوں کے کھیت پکنے پر آگئے ہیں۔ وہ جانتا ہے۔ کہ جنگلی بٹیروں کو
پکڑنے کا یہی مناسب موقعہ ہے۔ بٹیروں کے پنجروں کی سفید لستنی چڑھاتا ہے
خوب آؤ بھگت کرتا ہے۔ جب دیکھتا ہے۔ کہ ہاں! اب اپنے مطلب کے
لائق بن گئے ہیں۔ تو اندھیرے منہ ایک کندھے پر جال اور دوسرے
پر بولتے بلارے کو لیکر جنگلی بٹیروں کے کھیتوں کے پاس اڈہ جماتا
ہے۔ بٹیرباز ہوشیار ہے۔ مگر اول درجہ کا مکار ہے۔ وہ جنگلی بٹیروں کو اپنے
دلالوں کے ذریعہ یہ جتاتا ہے۔ کہ جو بٹیر اس کے قبضے میں آتے ہیں۔ وہ
سب کے سب مزے کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ خوب چہچہاتے ہیں۔ ملائی
بادام۔ مکھن۔ باجرہ اڑاتے ہیں۔ ارے جنگلی بٹیرو۔ دانہ دنکا چگنے والو
ٹڈی مکوڑے کھانیوالو۔ آؤ! ذرا بات تو سنو۔ بھولے بھالے جنگلی بھائی
اپنے شہر کے بھائیوں سے ملنے آتے ہیں۔ مگر جبھی خبر ہوتی ہے۔ کہ جال
کے خانوں میں گردن پھنس جاتی ہے۔ اور وہ لٹکنے لگ جاتے ہیں۔ انکو
اس جال کا پتہ نہیں تھا۔ پتہ بھی کیسے ہوتا۔ جبکہ بٹیرباز نے اسکو نیلا رنگ
دیکر رات کی تاریکی سے ملا دیا ہو۔ دن چڑھنے پر آتا ہے۔ بٹیرباز اپنی گھات
سے نکلتا ہے۔ جال کے شکار کو تو پہلے قابو کر لیتا ہے۔ دوسرا قدم پاس والے
کھیت کی طرف اٹھاتا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ کچھ مہمان اس میں بھی موجود ہیں
کھیت کے ایک طرف سے لمبی رسی ڈالکر ایک سرا اپنے ہاتھ میں دوسرا
دوسرے کے ہاتھ میں دیکر پوشیدہ مہمانوں کو جال کی طرف ہانکا جاتا ہے
جب جال نزدیک آجاتا ہے۔ تو پیچھے سے تالی پیٹنے یا کوئی اور اسی قسم کی

آواز نکالنے لگ جاتا ہے۔ بٹیر مارے ڈر کے اِدھر اُدھر بھاگنے لگتے ہیں۔ پیچھا رُکا ہوا ہے۔ آگے بڑھتے ہیں۔ آگے نیلا جال لگ رہا ہے۔ جھٹ اس میں پھنس جاتے ہیں۔ بٹیر باز کی خاطر جمع ہو جاتی ہے۔ تمام بٹیروں کو پکڑ کر ایک تھیلی میں ڈال لیتا ہے۔ بعدازاں اپنے بیٹھے بیٹھے جال کو لپیٹنا شروع کرتا ہے۔ جب لپیٹ چکتا ہو تو ایک ہاتھ میں شکار دوسرے میں جال پکڑ چل دیتا ہے۔ بٹیر بازوں کی اس گری ہوئی حالت کو دیکھکر ہمیں کئی بار افسوس کرنا پڑتا ہے۔ ہم اندھیرے مُنہ اُٹھکر کھیتوں میں ہوا خوری کے لیئے گئے۔ سامنے جال لگا ہوا دیکھا۔ قریب تھا۔ کہ ہم خود بھی اس جال میں پھنس جاتے۔ مگر بٹیر باز نے ہمیں اپنے مطلب کا شکار نہ دیکھ کر آواز دیدی۔ کہ ذرا بچ کر جانا ہم بچ گئے۔ ہمارے لیئے یہ حیرانی کی بات تھی کہ اس قسم کے جتنے بٹیر باز ہمنے دیکھے۔ وہ زیادہ تر مُسلمان تھے۔ ہم نے کبھی کسی ہندو۔ یا عیسائی کو تادمِ تحریر نیلا جال کندھے پر ڈالے اس نامبارک کام کے لیئے جاتے نہیں دیکھا۔ ہمارے لیئے یہ اور بھی حیرانی کی بات تھی اور ہے۔ کہ وہ بٹیر باز جو جنگلی بٹیروں کو پکڑتا ہے۔ اپنی باری میں خود بھی پکڑا جاتا ہے۔ اور پکڑا ہوا ہے۔ وہ جذبات رذیلہ کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔ مگر اس جال سے بے خبر ہے۔ صرف وہی نہیں۔ بلکہ کتنے ہی انسان نہ صرف نہائت ہی مذموم عادتوں کے غلام ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر توہمات کے جال میں بھی پھنس رہے ہیں۔ توہمات سے آزاد شدہ انسان اپنے دوسرے بھائیوں کو آزاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر دیکھا یہ جاتا ہے۔ کہ بعض مرد اور عورتیں اپنی جادو بھری تقریر سے

توہمات سے نکلنے کی کوشش کرنے والوں کو بچوں کی طرح لوری دیکر سلادینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ توہمات کے پنجرے میں بند انسانوں کی بظاہر امدد کر رہے ہیں۔ اُن کو نچلے درجے سے اوپر اُٹھانے کا دم بھر رہے ہیں۔ مگر باریک بین جانتے ہیں۔ کہ وہ فصیح البیان جو بھوت بھوتوں۔ پریتوں۔ اور خاک پرستی وغیرہ کے توہمات کو لوگوں کے دلوں پر نقش کرتا پھرتا ہو۔ وہ اگر افصح الفصحا بھی ہو جاوے۔ تو بھی لوگوں کا اصلی بھلا نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے بہت سے سادہ لوح اسکی چکنی چوپڑی باتوں کے جال میں گردن پھنسا لیں۔ اور سر منڈوالیں۔ مگر آنکھ کھلنے پر ایک دفعہ تو وہ ضرور پھڑ پھڑائینگے۔ جال کو توڑ کر نکل بھاگیں گے لیکن قابل افسوس حالت اُن لوگوں کی ہے۔ جو اس جال کو ہی زندگی کا مقصد سمجھ بیٹھے ہوں۔ اور توہمات کے پنجرے میں بند رہنا ہی ان کے نزدیک آزادی ہو۔ ایسے لوگوں کا راہ راست پر آنا بہت مشکل ہے۔ وہ خود راہ راست پر نہیں آتے۔ اپنی اولاد کو بھی اِن ہی توہمات میں جکڑ جاتے ہیں۔ جس عیسائی بچے کے دل پر اس کے والدین نے عین ابتدا سے ہی یہ بات نقش کردی ہو۔ کہ ہمارا خداوند خدا آسمان کے اوپر رہتا ہے۔ وہ بڑا ہو کر آسمانوں کے خیال کو کیونکر چھوڑ سکتا ہے۔ اگر وہ دعا بھی مانگیگا۔ تو آسمانی باپ کہہ کر۔ اگر روٹی مانگیگا۔ تو آسمانی باپ سے۔ اگر مرنے کے بعد کوئی جگہہ تلاش کرے گا۔ تو آسمانوں کے اوپر آسمانی باپ کی گود میں۔ وہ آسمانی باپ کی سلطنت زمین پر لانے کے لئے دست بدعا ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اے ہمارے آسمانی باپ

تیری سلطنت اِس زمین پر بھی ویسی ہی ہو۔ جیسا کہ آسمانوں کے اوپر ہے۔ شاید اسی کے زعم فاسد میں زمین پر شیطان کی بادشاہت ہے اور خداوند خدا کا قبضہ محض آسمانوں تک ہی محدود ہے۔ عیسائی بچے سے پوچھو۔ خداوند خدا کہاں ہے۔ تو وہ اوپر کی طرف اُنگلی اُٹھا کر اشارہ کر دیگا۔ کہ وہاں!! مسلمان بچے سے پوچھو کہ اللہ میاں کہاں ہے۔ وہ بھی اوپر کی طرف ہی سر اُٹھا دیگا۔ ہندو بچے سے پوچھو سورگ کہاں ہے۔ وہ بھی اوپر کو ہی اشارہ کر دیگا۔ ایسا کیوں؟ اس لئے کہ والدین نے عین ابتدا سے ہی اوپر کی طرف انگلی اُٹھانے کا کام اُن کو سکھا دیا ہے۔ یہ ایک وہم ہے۔ جو جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے پرماتما محض اوپر ہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ دائیں۔ بائیں۔ پیچھے۔ اوپر اندر۔ باہر سب جگہ موجود ہے۔ ہاں بشکل خلا محیط ہے۔ لوگوں کے اندر اوپر کا خیال کہاں سے آیا؟ اس خیال کی بنیاد وہ نیلگون چیز ہے۔ جو ہم سروں کے اوپر دیکھتے ہیں۔ نادان لوگوں نے اِس نیلگون چیز کی ماہیت کو تو سمجھا نہیں۔ بلکہ اسکو آسمانی جال۔ نیلا جال سمجھ کر اِس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ یہ کوئی ٹھوس چیز ہے۔ یا چھت ہے۔ یا سرپوش ہے۔ اور اللہ میاں اسکے اوپر براجمان ہے۔ ان کو اِس جال کا اور بھی زیادہ یقین ہو گیا۔ جبکہ اُنہوں نے اپنی کسی فرضی وہرم پُستک میں اِس جال کے اوپر بیٹھے ہوئے وجود کو۔

والسماء ذات الحُبُکْ (پ ۲۶ ذاریت)

"وہ جالیدار آسمان کی قسم" کہاتے سُنا۔ وہ اور بھی اپنی بات پر پُختہ ہو گئے۔ جبکہ اُنھوں نے آسمانوں کے اوپر بیٹھے ہوئے وجود کو یہ کہتے سُنا کہ

وجعلنا السماء سقفاً محفوظاً (پ ۱۷ انبیاء)

"ہم نے آسمانوں کو محفوظ چھت بنایا ہے۔" یہ محض خیال باطل تھا۔ مگر اس بیہودہ بات نے ہوتے ہوتے لوگوں کے دلوں پر یہاں تک اثر کیا۔ کہ انہوں نے اس نیلے جال کو پھٹنے اور اُدھڑنے والی چیز سمجھ لیا۔ اور بقول:-

اذا السماء انشقت (پ ۳۰۔ انشقاق)

"جبکہ آسمان پھٹ جاوے" وہ اس کے پھٹنے کے منتظر ہوئے۔ کہ کب اس میں سوراخ ہوں۔ اور ہم بھاگیں۔ مگر وہ وقت جو اس نیلے جال کے پھٹنے کا ہے۔ یا وہ وقت جبکہ اس نیلے جال کی بنتولی اللہ میاں۔

واذا السماء کشطت (پ ۳۰۔ تکویر)

"کھال ادھیڑی جاوے گی" وہ کہیں بھاگ جانے کا وقت نہیں ہوگا۔ بلکہ اُن کے خیال کے مطابق وہ اور بھی مصیبت کا وقت ہوگا جال میں پھنسے ہوئے بٹیرے یہ آرزو کر سکتے ہیں۔ کہ کب جال پھٹے۔ یا لپٹیا جاوے اور ہم آزاد ہو جائیں۔ مگر جال والا جانتا ہے۔ کہ جال کو لپیٹنے سے پہلے بٹیروں کو نیم مُردہ یا مُردہ کر کے تھیلی میں ڈال لینا چاہئے۔ پھر جال لپیٹنا چاہئے۔ سچ پوچھو تو ہشیار چڑیمار یا بٹیر باز ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ ہم اللہ میاں کو بٹیر باز یا چڑیمار نہیں کہنا چاہتے۔ مگر اس میں کیا شک ہے۔ کہ وہ قیامت کے دن:-

والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیامۃ والسموات

مطویت بیمینہٖ (پ ۲۴ - زمر)

"وہ زمین کو تو ایک مٹھی میں لے لیگا - اور آسمانوں کو لپیٹ کر دائیں ہاتھ میں لے لیگا -" مگر ہم دیکھنا چاہتے ہیں - کہ یہ آسمانی میاں بٹیر بازوں کی طرح آسمانی جال کو کس طرح لپیٹ کر دائیں ہاتھ میں اُٹھائیگا - اس کا جواب ہمیں یہ ملتا ہے - کہ :-

یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب

(پ ۱۷ - انبیاء)

"آج ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹ لیں گے - جسطرح کہ رقعوں پر طومار لپیٹ لیا جاتا ہے -" رقعوں پر طومار لپیٹنے کی مثال بھی پر جال لپیٹنے سے ملتی ہو - یا نہ - مگر اس میں شک نہیں - کہ اللہ میاں ایک دن اس تانے بانے کو ضرور لپیٹ لیگا - عقلمند اس قسم کے لپیٹ لپیٹا دے کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے - کہ آسمان کیا بلا ہیں - جو تہ کر لئے جاوینگے اسکی حیرانی اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے - جبکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اللہ میاں بنے :-

خلق الارض فی یومین (پ ۲۴ - سجدہ)

"وہ زمین کو دو دن میں بنایا -" بعد ازاں -

وجعل فیھا رواسی من فوقھا وبرک فیھا

وقدر فیھا اقواتھا فی اربعۃ ایام (پ ۲۴ سجدہ)

"اس میں بوجھ رکھ دئے - اور اس میں مختلف خوراکوں کو پیدا کیا چار دن میں -" پھر یہ میاں جی -

ثم استوی الی السماء وھی دخان ؕ۔

(پ ۲۴ سجدہ)

وہ آسمان کو چڑھ گیا۔ اور وہ دھواں ہو رہا تھا۔"

(ترجمہ شاہ عبدالقادر رح)

وہ دھواں دھار آسمان کو دیکھ کر شاید لڑائی پر آمادہ ہوگیا۔ یا ڈر گیا۔ بنابریں اُس نے :۔

فَقَالَ لَہَا وَلِلۡاَرۡضِ ائۡتِیَا طَوۡعًا اَوۡ کَرۡہًا (پ ۲۴ سجدہ)

"وہ آسمان سے اور زمین سے کہا۔ کہ تم دونوں آؤ۔ خوشی سے یا زور سے۔"

مطلب یہ کہ اگر تم خوشی سے میری اطاعت نہیں کروگے۔ تو میں زبردستی تم کو دبا لونگا۔ مگر ان غریب وجودوں کا صرف تھوڑا ہی کھجلا رہا تھا کہ یسے ٹھا کر کی اطاعت سے سر پھیرتے۔ چنانچہ دونوں بول اُٹھے کہ :۔

اَتَیۡنَا طَآئِعِیۡنَ (پ ۲۴ سجدہ)

"ہم خوشی سے آتے ہیں" جب اس طرح اُنپر قبضہ کرلیا۔ تو جھٹ پٹ اُن کو :۔

فَقَضٰہُنَّ سَبۡعَ سَمٰوَاتٍ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ (پ ۲۴ سجدہ)

"دو ہی دن میں سات آسمان بنا دیا" عقلمند کو کیوں حیرانی نہ ہو۔ جبکہ وہ دیکھتا ہے۔ کہ قرآن میں زمین و آسمان کی پیدائش بعض جگہ تو چھ دن میں بتائی گئی ہے۔ مگر یہاں دو جمع چار جمع دو یعنی سارے آٹھ دن لگے۔ خیر جب یہ دیوانی بندوبست ہوگیا۔ تو :۔

اوحی فی کل سماءٍ امرھا (پ۲۴ ۔ سجدہ)

"ہر ایک آسمان میں اس کے مطابق حکم نازل کیا۔" مگر مسلمانوں کے سروں پہ جو آسمان بنایا۔ اس کو آسمان دُنیا کہہ کر بتا دیا۔ کہ:-

زینا السماء الدنیا بمصابیح وحفظاً

"ہمنے آسمان دُنیا کو چراغوں سے سجا دیا۔ اور اسکو حفاظت بنا دیا" ہر ایک عقلمند اِن باتوں کو بالکوں کا پرچاوا سمجھتا ہے۔ مگر آسمانوں کا کاریگر اس نیلے جال کا کاریگر اِس فلاسفی سے منکر لوگوں کو ڈرا رہا ہے۔ کہ:-

ان اعرضوا فقل انذرتکم صعقۃ مثل صعقۃ عادٍ وثمودٍ (پ۲۴ ۔ سجدہ)

تو ان کو کہہ دے۔ کہ اگر اِس بات سے مُنہ پھیرو گے تو میں ڈراتا ہوں تمکو بجلی کے عذاب سے۔ جیسا کہ بجلی گری تھی عاد اور ثمود کی قوم پر۔ آہ! ہمارے لئے یہ کیسا نازک وقت تھا۔ کہ ایک طرف تو ہماری عقل سلیم اِن واہیات کو تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔ دوسری طرف آسمانی میاں کی گھُرکی سے بھی ڈر لگتا تھا۔ کہ اگر آسمانوں کے جال سے انکار کیا۔ تو کیا معلوم وہ میاں سچ مچ ہی ہم پہ بجلی چھوڑ دے۔ اور تباہ کر دے۔ مگر ہمنے عقل کو سوکھا پر اور آتما کو جسم پر ترجیح دی۔ اور یہ سوچ کر کہ اگر آسمانی بجلی سے ہمارا جسم تباہ کیا جا سکتا ہے۔ تو ہونے دو۔ اگر آسمانی بلا سے ہمارا جسم خاک میں ملایا جاتا ہے۔ تو ملنے دو۔ مگر ہمیں اپنے جسم کی خاطر اپنی عقل و تمیز کو برباد نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں جسم تو کیا آتما کو مقدم رکھنا

چاہیئے۔ بنابریں ہم نے بے دھڑک ترک اسلام میں ستائیسواں اعتراض سورۂ انبیاء کی آسمانوں والی آیت پر جڑ دیا۔ اور اہل اسلام سے سوال کیا۔ کہ بتاؤ تمہارے اللہ میاں نے یہ نیلا جال کیوں پھیلا رکھا ہے۔ اسکی کیا حقیقت ہے۔ یہ کیا چیز ہے۔ کیا آسمان کو اللہ میاں نے نماز پڑھنے کی چٹائی بنا رکھا ہے۔ کہ دنیا کی نماز ادا ہو چکنے کے بعد لپیٹ لیجاویگی۔ یا لوگوں کو پھانسنے کے لیئے ان کے سر و نپر یہ جال لگا رکھا ہے۔ کہ وہ اوپر کو نہ اُڑ جائیں۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ مگر ہمیں افسوس سے لکھنا پڑتا ہے۔ کہ ہمارے ستائیسویں اعتراض کی عبارت کارکنان مطبع کی لاپرواہی سے ہمارے چھپے ہوئے لیکچر میں چھپنے سے رہ گئی ہے۔ اِس اعتراض کا پورا حوالہ ہمارے اعتراضوں کی فہرست میں موجود ہے۔ یہ فہرست ترک اسلام کے آخری صفحہ پر دی ہوئی ہے۔ گویا حوالجات تو پورے ایک سو سولہ دیئے گئے ہیں۔ مگر اعتراضوں کی تعداد بوجہ نہ لکھے جانے اعتراض نمبر ۲۷ کے ایک سو پندرہ رہ گئی ہے۔ اسی بنا پر بعض علماء اسلام نے ۱۱۶ کی بجائے ۱۱۵ اعتراضات سمجھے ہیں۔ ہم کسی صورت میں بھی اِس غلطی کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ مطبع والوں کی بھول ہے۔ نہ کہ ہماری۔ ہمنے اِس کتاب کے دیباچہ میں بھی لکھ دیا ہے۔ کہ ابتداء میں ہمارا ارادہ ہرگز یہ نہیں تھا کہ ہمارا لکچر چھاپا جاوے۔ یا عام طور پر تقسیم کیا جاوے۔ اسی واسطے ہمنے مختصر سے نوٹوں کو فضول سمجھ کر ردی میں پھینک دیا تھا۔ مگر کہا جاتا ہے کہ دُنیا میں کوئی چیز فضول نہیں ہے۔ جو بات ہمارے نزدیک ردی تھی وہ اہل اسلام کے لیئے نعمت غیر مترقبہ تھی۔ ہمنے اِس نعمت کے وارثوں کے

تقاضے کو دیکھ کر وہ الابلا مطبع والوں کے سپرد کر دی ۔ کہ چھاپ دو۔ جو مانگے اُسکو دو۔ غریب مطبع والوں کو مُسلمان کاتبوں ۔ مُسلمان قلیوں ۔ مُسلمان پریس مینوں سے واسطہ پڑا ۔ مُسلمان کاتب لتنے ازاد منش کہاں سے ہو سکتے ہیں ۔ کہ کوئی شخص قرآن پر نکتہ چینی کرے ۔ اور وہ اُسکو نقل کریں مطبع والوں نے اس چھوٹے سے پمفلٹ کے چھاپنے میں جتنے پھیر تڑوائے ۔ کاپیاں خراب کروائیں ۔ اور نقصان اُٹھایا ۔ وہ وہی جانتے ہیں ۔ ہمنے پمفلٹ مذکور کے پہلے چند پروف دیکھے ۔ مگر بعدازاں اس قضیہ کو اسکی قسمت پر چھوڑ دیا ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ اکیسو سولہ کے اکیسو پندرہ اعتراض رہ گئے موجودہ اعتراض شاید دیانتدار کاتب نے اجرت میں چُرالیا ہوگا ۔ یا دانستہ چھوڑ گیا ہوگا ۔ یا بھول گیا ہوگا ۔ بہرکیف ! یہ وہ جانے ۔ اسکی ایمانداری ہمارے اس اعتراض کا حوالہ ترک اسلام کے صفحہ پر موجود ہے ۔ سیپارہ موجود ۔ سورۃ موجود ۔ آیت موجود ۔ ہم بری الذمہ ہیں ۔ ہاں ہمیں اتنا افسوس ضرور ہے ۔ کہ اگر دیانتدار کاتب اس اعتراض کو اُجرت میں نہ رکھ لیتا ۔ تو ہمیں علماء اسلام کے خیالات آسمانی چٹائی یا نیلے جال کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ تو معلوم ہو ہی جاتے ۔ اور پتہ لگ جاتا ۔ کہ وہ اپنے اللہ میاں کے لپیٹ لپیٹا دے کو کیا سمجھتے ہیں ۔ مگر افسوس ۔ دل کی دل ہی میں رہ گئی ۔ ہمارے اس نمبر کی یاد میں مولوی صاحب نے جو نکتہ چینی کی ہے ۔ وہ درحقیقت قابل تعریف ہے ۔ چنانچہ :-

مولوی صاحب فرماتے ہیں ۔ " یہ نمبر غلط ہے ۔ اصل میں (۲۸) ہے ۔ نمبر ۲۷ لکھا ہی نہیں ۔ کیونکہ نمبر ۲۷ کا حوالہ آپنے سورۃ انبیا کی

۱۰۴ کا دیا ہے - حالانکہ وہاں اس قسم کا کوئی ذکر ہی نہیں - البتہ نمبر ۲۸
والا حوالہ اس مضمون کا ہے - ایک نمبر آپ بھول گئے - کیونکہ نمبر ۲۷ سے
آگے نمبر ۲۹ ہے پس فہرست اور حوالہ کے مطابق صحیح بات یہ ہے - کہ
نمبر ۲۷ بھولے ہیں - اور یہاں ۲۷ کا ہندسہ غلط لگایا گیا ہے - ۲۸ چاہئے
تھا - مگر چونکہ ہماری غرض دھوکہ بازی اور میدان جیتنے کی نہیں اس
لئے ہم اس مضمون کا خواہ نمبر کچھ ہی ہو - جواب دیتے ہیں - ۵

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے "

یہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں - کہ نمبر ۲۷ نہیں لکھا گیا - نمبر ۲۸ کا حوالہ
سورہ انبیا کی آیت ۱۰۴ کا دیا گیا ہے - اور یہ ٹھیک ہے - کیونکہ اس آیت
میں قیامت کے دن آسمانوں کے لپیٹے جانے کا ذکر ہے - اسی پر ہم نے
نشانہ لگایا تھا - نشانہ تو ٹھیک لگا تھا - مگر کاتب میاں شکار کو مع تیر
لے کر چنپت ہو گیا - اور آپ خواہ نخواہ مارے ڈر کے گر پڑے - اٹھئے
گرد جھاڑئے - دوبارہ طبع آزمائی کیجئے - گھبرائیے مت ! ہم آپ جیسے عالم
فاضل مولویوں کے قاتل نہیں ہیں - آپ جیسے لائق - فائق - انسانوں کو قتل
کرنے کا خیال تک بھی دل میں لانا ہمارے نزدیک ایسا ہی مہا پاپ ہے
جیسا کہ کسی وزیری - آفریدی - یا کگازئی وغیرہ پٹھان کے نزدیک کسی
آریہ کو قتل کروانا حج اکبر اور کلید درجنت ہے - ہاں ہم قاتل ہیں
جہالت کے - قاتل ہیں توہمات کے - قاتل ہیں غلط فہمیوں کے جو ہمارے
بھائیوں کو ہمارے پہلو سے الگ کر کے تباہ کر رہی ہوں - ان ہی توہمات

میں سے ایک وہم باطل موجودہ اعتراض کا مضمون ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس نیلے جال کو کاٹ کر آپ کو اس سے آزاد کر کے یہ سمجھا دیں کہ آکاش دیکھے جانے کی چیز نہیں۔ اسکی کھال نہیں اتاری جاسکتی۔ اس کو کاٹا نہیں جاسکتا۔ اسکو پیٹا نہیں جاسکتا۔ تمہارے سر پر جو نیلگوں چیز ہے وہ چھت نہیں ہے۔ بلکہ مٹی۔ پانی۔ وغیرہ کے ذرات ہیں۔ اس میں جو نیلاپن دکھائی دیتا ہے۔ وہ زیادہ تر پانی کی وجہ سے ہے۔ آکاش محض اوپر ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے نیچے بھی ہے۔ دائیں بائیں۔ آگے۔ پیچھے بھی ہے۔ ہماری زمین۔ ہمارا چاند۔ ہمارا سورج اور دیگر ستارے سیارے سب آکاش میں چکر کاٹ رہے ہیں۔ ان سب کروں کا سہارا وہی ایک پرماتما ہے۔ جو مکش سروپ ہے۔ اسی مضمون کی طرف یہ وید منتر اشارہ کرتا ہے۔ کہ:-

येन द्यौरुग्रा पृथिवी च दृढा येन स्वः स्तभितं येन नाकः यो अन्तरिक्षे रजसो विमानः कस्मै देवाय हविषा विधेम ॥

ओ३म्

न यस्य द्यावा पृथिवी अनु व्यचो न सिन्धवो रजसो अन्तमानशुः। नोत स्ववृष्टिं मदे अस्य युध्यत एको अन्यच्चकृषे विश्वमानुषक्॥ ऋ० १।५२।१४

[illegible] میں زمین وغیرہ ایک ہے۔ نہ انترکش۔ نہ سمندر ۔ نہ اول۔

یعنی [illegible] واحد [illegible] تمام جگت میں سرو ویاپک [illegible] تمام جگت کی [illegible]

قیام اسی میں قایم ہے

تیسری فصل

اعتراض ۲۸

آمد نامہ

کسی بڑے آدمی کی آمد آمد کا شور مچا۔ لوگوں کے کان کھڑے ہوئے۔ بہت سے آدمی تو آنیوالے کے دیدار کے ہی شوقین ہوتے ہیں آنیوالا آیا۔ اُنھوں نے درشن کئے۔ اور گھروں میں جا بیٹھے۔ بعض ایسے ہوتے ہیں۔ کہ جن کے لئے بڑے آدمی کی آمد کچھ معنی رکھتی ہے۔ اگر آنیوالا کوئی حاکم اعلیٰ ہے۔ تو ادنےٰ حکام اسکے استقبال کے لئے ہفتوں پہلے سے تیاریاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ میونسپل کمیٹی کے ممبر شہر کے گلی کوچوں۔ بدرروں۔ باہر کی سڑکوں۔ باغوں کی صفائی کی طرف خاص توجہ دیتے ہیں۔ رات کیوقت روشنی کا خاص انتظام کرتے ہیں۔ اگر وہ

زیادہ خوشامدی ہوں تو آتش بازی وغیرہ فضول حرکات میں بھی روپیہ ضایع کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ بہرصورت وہ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کا حاکم اُن سے خوش ہو۔ کہیں ناراض نہ ہو جائے۔ حاکم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وہ میونسپل کمشنر جس کے اپنے گھر کا کوڑا کرکٹ بھی باقاعدہ نہ اُٹھایا جاتا ہو۔ سڑکوں اور گلیوں میں جھاڑو دلاتا پھریگا۔ اگر اپنے گھر کی چھت پر مکڑیوں نے لچھن چھوٹے بنا رکھے ہیں۔ دیواروں پر گرد جم رہی ہے۔ مگر وہ ایسا شرمگین ہے۔ کہ کبھی آنکھ اُٹھا کر اوپر نہیں دیکھتا۔ بڑے حاکم کے استقبال کی خاطر لوگوں کے گھروں کو صفا کرادیگا مگر اپنا گھر اس کے لئے پھر بھی گھر کی گنگا ہی رہیگا۔ اِس کا نام صفائی کا پیار نہیں ہے۔ بلکہ ڈنڈے کا ڈر ہے۔ اگر صفائی کا پیار ہو۔ تو اسکو چاہئے۔ کہ پہلے اپنے گھر کو صفا کرائے۔ حاکم تو چند گھنٹوں میں یا چند دنوں میں وہاں سے گزر جائے گا۔ مگر اس کو سالوں تک اُسی جگہ رہنا ہوگا۔ شاید وہ حاکم کے ناک کی اپنی ناک سے زیادہ قدر کرتا ہے۔ حاکم کی آنکھ کو اپنی آنکھ سے زیادہ دوربین سمجھتا ہے۔ تبھی تو گلی سڑی چیزوں کو بعض اوقات آبادی سے دُور پھینکنے کی بجائے پاس ہی گھڑا کھود داکر دبا دیتا ہے۔ یا اوپر ریتی ڈالکر سطح ہموار کرا دیتا ہے۔ وہ خود اُس غلاظت کو دیکھتا رہے تو مضایقہ نہیں۔ لیکن بڑا صاحب نہ دیکھنے پائے۔ اِس قسم کی نمائشی صفائی کا نقشہ دیکھنا ہو۔ تو کسی چھوٹے سے گاؤں میں دیکھنا چاہئے۔ شہر کا میونسپل کمشنر یا داروغہ صفائی تو پھر بھی کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ مگر گاؤں کے چودھری یا نمبردار تو اس سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں۔ جتنا چھوٹا گاؤں۔ اتنی ہی زیادہ غلاظت

ایک طرف روڑی جمع ہو رہی ہے۔ دوسری طرف کھاد کا ڈھیر لگ رہا ہے
تیسری طرف پاخانہ پڑا ہے۔ چوتھی طرف جیل بند ہے ہیں۔ انہی حدود اربعہ
کے اندر گاؤں والے عمریں گذار دیتے ہیں۔ اُن کو کچھ پتہ نہیں۔ کہ صفائی کس
بلا کا نام ہے۔ مگر جیسے کسی بڑے حاکم کی آمد آمد پر بڑے شہر کے بڑے داروغہ
جی کی آنکھیں کھل جایا کرتی ہیں۔ ویسے ہی بعض اوقات کسی چھوٹے حاکم کی
آمد آمد پر چھوٹے گاؤں کے چھوٹے موٹے چودہری بھی کروٹ بدل ہی لیتے ہیں
تھانہ دار یا تحصیلدار کے آنے کی اوائی اڑی۔ اور چودہری صاحب بھنگیوں
کے گھروں میں گھسے۔ دو چار کو پکڑ ادہر کھینچ اودہر گھسیٹ یہ اٹھا وہ دبا۔ یہ
گرا وہ شا کرنے لگ گئے۔ صفائی اتنی زیادہ نہیں ہوتی جتنی کہ چھپائی کی جاتی
ہے۔ دیکھا کہ یہاں غلاظت کا ڈھیر زیادہ ہے۔ وہیں گڑھا کھود کر بھرتی کر دی
اگر مقدار کم ہے تو اسپر مٹی ڈلوادی۔ حاکم گذر گیا مٹی اُڑ گئی۔ گنج قارون پھر
نکل آیا۔ اگر چھوٹا حاکم عقلمند ہو۔ تو اُسکو چاہئے۔ گاؤں میں جہاں کہیں
آبادی کے عین نزدیک ناہموار گہری موئی زمین دیکھے۔ اُسکو دوبارہ کھدوا کے
اندر پوشیدہ مالی وہ پھینکوا دے۔ مگر چھوٹا حاکم گاؤں کی صفائی کی اتنی پرواہ
نہیں کرے گا۔ جتنی کہ اُسکو اپنے بوٹ کے میلا ہونے کی پرواہ ہے۔ اگر
کہیں دیہاتی پگڈنڈی کی خاک اڑ اڑ کر حضور کی داڑھی مونچھ کو ریشمی سمائی
بنادے۔ پھر تو وہ اپنی مادری زبان کو انگلش کر کے "تم سالا لوگ۔ چھڑکاؤ کرنا
نہیں مانگتا" کرنے لگ جائے گا۔ جن نمبرداروں کو اس قسم کی سندیں مل
چکی ہوتی ہیں۔ وہ پہلے ہی سے چھڑکاؤ وغیرہ کا انتظام کر چھوڑا کرتے ہیں
مبادا چھوٹے حاکم کی اونچی نیچی زمین پر پگڑ ایڑی کے ٹانکے کھو بیٹھے۔ اور

اور چودھری صاحب کو چٹی بھرنی پڑے۔ وہ حاکم کی گزرگاہ کو عین ہموار کروایا کرتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ حاکم صاحب ضلع شہر کا۔ ایک دو دن پہلے موقعہ پر پہنچ جاتا ہے۔ تاکہ دیکھ لے۔ آیا ہر ایک چیز ٹھیک ہے یا نہیں۔ اگر راستہ میں اسکو کہیں ٹیلا یا اونچی جگہ دکھائی دیتی ہے۔ تو وہ مزدوروں کو بلاکر حکم دیتا ہے۔ کہ اسکو اُڑا دو۔ مزدوروں کو اپنے چودھری پر بھروسا ہوتا ہے۔ کہ وہ فوراً اس ٹیلے کو اُڑا دینگے چنانچہ وہ الہ میاں کی طرح مشیر کار کو کہہ دیتے ہیں کہ :-

ینسفہا ربی نسفاً فیذرہا قاعاً صفصفاً لاتری فیہا عوجاً ولا امتا (پ سورہ)

"تمہارا مالک اس ٹیلے کو ایک دم میں اُڑا دے گا۔ اور زمین کو صاف میدان کردے گا۔ یہاں تک کہ اس میں تمہیں اونچائی نیچائی نظر نہیں آئے گی۔"

خیر گاؤں کا چودھری موقعہ پر پہونچتا ہے۔ اور اس اونچی نیچی جگہ کو ہموار کروا دیتا ہے۔ اگر ابھی ہموار نہ ہو۔ تو وہ کوئی ایسی ترکیب سوچتا ہے جس سے کہ وہ :-

کلا اذا دکت الارض دکا دکا (پ ۳۰ - فجر)

"زمین کو کوٹ کوٹ کر ہموار کردے" آخر سوچ سوچ کر وہ گاؤں کے لوگوں کو بلا کے رسہ یا رولر پھروا دیتا ہے۔ جب اسطرح سب کام ٹھیک ہو جاتا ہے تب وہ حاکم کے آنے کی انتظاری کرتا ہے۔ تمام گاؤں میں حاکم کی آمد آمد کا شور مچ جاتا ہے۔ ہر ایک شخص دوسرے سے کہتا پھرتا ہے۔ کہ آج تو -

جاءَ ربّک والملک صفاً صفاً (پ ۳۰ - فجر)

"تیرا رب یا حاکم اعلےٰ آئیگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ فرشتے یا مشیر کار صف باندھے ہوں گے۔" اس میں کچھ بھی شک نہیں۔ کہ حاکم اعلیٰ کا آنا دیہاتی لوگوں کے لئے کچھ ایسا ہی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ اہل اسلام کے لئے اللہ میاں کا فرشتوں کی قطاروں کے ساتھ ساتھ میدان حشر میں قدم رنجہ فرمانا جیسے گاؤں والے حاکم کی سواری کے گذرنے کے لئے سڑک تیار کیا کرتے ہیں۔ ویسے ہی اللہ میاں کی آمد کی خوشی میں زمین کو کوٹ کوٹ کر ہموار کیا جاویگا۔ آخر اللہ میاں مع فرشتوں کے دربار عام میں رونق افروز ہوں گے۔ جن لوگوں نے دلّی کا نمائشی دربار دیکھا ہو۔ یا دور سے اس ڈھول کی آواز کو سنا ہو۔ وہ اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ آسمانی لاٹ صاحب کا یہ نمائشی دربار عام کس سج دھج سے منعقد کیا جاویگا۔ اس دربار کی شان وشوکت اور بھی بڑھ جاویگی۔ جبکہ اللہ میاں کے ایک پہلو میں:-

جاءَ یومئذٍ بجہنم (پ ۳۰ - فجر)

"اس دن جہنم کو بھی لایا جاویگا" دلّی دربار میں تو کسی کو تھوڑا بہت سوچنے کا بھی موقعہ مل گیا ہوگا۔ مگر اس دربار میں تو کچھ ایسا رعب چھا جائیگا۔ کہ:-

یومئذٍ یتذکر الانسان وانّیٰ لہ الذکریٰ (پ ۳۰ - فجر)

ترجمہ "آدمی اس دن کچھ سوچنا چاہیگا۔ مگر اس کے لئے سوچنے کا موقعہ کہاں!" آخر بیچارہ مایوس ہو کر بول اٹھیگا۔ کہ:-

یٰلیتنی قدمت لحیاتی (پ ۳۰ - فجر)

"کاش مینے جیتے جی کچھہ آگے بھیجا ہوتا۔" اور درحقیقت یہ اس کا بڑا بھاری جرم ہے۔ کہ اس نے لاٹ صاحب کو خوش کرنے کے لئے نہ تو کچھہ تحائف بھیجے۔ نہ ہی اپنا ایلچی! اس باغی راجہ کو :-

فیومئذ لا یعذب عذابہ احد (پ ۳۰ - فجر)

"اسدن ایسی مار پڑے گی۔ کہ کوئی ویسی سزا دی ہی نہ سکے۔"

صرف سزا پر ہی بس نہ ہوگی۔ بلکہ۔

ولا یوثق وثاقہ احد (پ ۳۰ - فجر)

"اس کو ایسا باندھا جاویگا۔ کہ کوئی ایسا باندہ نہ سکے" مگر جو صاحبان کہ اس آسمانی لاٹ کے مطیع و فرمانبردار ہونگے۔ انکو کہدیا جاویگا کہ :- ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ

"تم اپنے اللہ میاں کے پاس چلو۔ وہ تمسے خوش اور تم اس سے خوش"۔ جب وہ اس کے پاس جاویں گے۔ تو آسمانی لاٹ بولے گا۔

قول :- فادخلی فی عبدی وادخلی جنتی۔ (پ ۳۰ - فجر)

"تم ہمارے لوگن میں ملنا مانگ۔ اور ہمارے گارڈن میں گھستا چاہ"۔

غرض اس طرح اس دربار عام کا خاتمہ ہو جائیگا۔ ہمنے اس آسمانی لاٹ کی آمد آمد کی خبر پڑھی۔ ہمیں سخت تعجب ہوا۔ کہ جو حاکم ہر وقت اپنی رعایا کا انصاف نہیں کرسکتا۔ وہ ایک دن میں کیا انصاف کریگا۔ قہر درویش برجان درویش۔ ہمیں ترک اسلام میں اٹھائیسواں اعتراض اس آسمانی راجہ کی دہوم دہام کے جلوس پر کرنا پڑا۔ آسمانی لاٹ کی آمد آمد کا ڈھنڈورا

جواتے ہوئے ہمارے دوست :-

مولوی صاحب تو شاید عرش پر بیٹھنے اور عرش کو اٹھانے کا ذکر تو نمبر ۱۷ میں ہو چکا ہے۔ یہاں پر اللہ اور فرشتوں کی صفیں باندھکر آنیکا جواب دیتا ہے۔ پس پہلے آیت کے اصل الفاظ سُنو۔

کلا اذا دکت الارض ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

جس کا صحیح ترجمہ یہ ہے۔ کہ جبدن یعنی قیامت کے روز زمین کوٹ کوٹ کر برابر کیجاویگی۔ اور تمہارے پروردگار کا حکم اسپر ایسا کرنے کی بابت آپہونچیگا۔ اور فرشتے تمام عاجزانہ صفیں باندھکر حاضر ہو جاویں گے ::

عرش کے لمبے جھگڑے کا فیصلہ ہماری طرف سے بھی ہو چکا ہے۔ اب یہاں پر اللہ میاں کی آمد آمد کی تیاری ہے۔ آپنے بھی آیت کا صحیح ترجمہ کیا ہے۔ ہم بھی کرتے ہیں۔ عقلمند خود ہی جان جائیں گے۔ کہ کون غلطی پر ہے۔ آیت مذکورہ بالا یہ ہے :-

کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملک صفا صفا (پ ۳۰ - فجر)

لفظی ترجمہ

کلا - نہیں نہیں۔	دکا دکا - کوٹ کوٹ کر
اذا - جب	و - اور
دکت - ہموار کی جاویگی۔	جاء - آوے۔
الارض - زمین۔	ربک - تیرا اللہ

و - اور	صفاً صفاً - قطار در قطار
ملک - فرشتہ	

ہمارا صحیح ترجمہ

"نہیں نہیں۔ جب ہموار کیجاوے گی۔ زمین کوٹ کوٹ کر اور آئے تیرا اللہ اور فرشتے قطار در قطار"

آپ کا صحیح ترجمہ

"جس دن یعنی قیامت کے روز زمین کوٹ کر برابر کیجاوے گی۔ تمہارے پروردگار کا حکم اسپر ایسا کرنے کی بابت آپہونچیگا۔ اور فرشتے تمام عاجزانہ صفیں باندہ کر حاضر ہو جاویں گے۔"

(۱) آپ کلا۔ کا ترجمہ بالکل چھوڑ گئے۔

(۲) ربک کا ترجمہ "تمہارے پروردگار کا حکم" صریحاً غلط ہے۔ رب۔ کے معنے پروردگار ک۔ کے معنے تیرا۔ حکم کہاں سے آیا؟

(۳) "اسپر ایسا کرنے کی بابت" کس عبارت کا ترجمہ ہے؟

(۴) "عاجزانہ" کس لفظ کے معنے کئے ہیں؟

دو فقروں کا ترجمہ اور اسمیں کم از کم چار غلطیاں۔ اگر صحیح ترجمہ یہی ہے۔ تو پھر غلط کونسا ہوگا۔ جاؤ پہلے کسی اچھے استاد سے پڑھو۔ تاکہ غلط اور صحیح میں تمیز کرسکو!

مولوی صاحب فرماتے ہیں "اس ترجمہ میں ہم نے اور کچھ نہیں کیا۔ صرف ایک مضاف مقدر مانا ہے۔ یعنی جاء ربک کے معنے جاء امر ربک کے کئے ہیں۔ پس اس مضاف میں امر

کے مقدر ہونے کا ثبوت دینا ہمارے ذمہ ہے اور بس!"

ہاں میاں! اللہ میاں کو تو بموجب ترجمہ علمائے اسلام ضرور نسیان ستا رہا ہوگا۔ وہ ضرور جاء ہا بلکہ میں امر کا لفظ بھول گیا ہوگا آپنے اللہ میاں کی غلطی یا بھول کو دُم سے پکڑ کر باہر نکال مارا۔ اور قرآن کی تصحیح کر دی۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ۱۶ میں فیہ کی بجائے فیہا بنا دیا تھا۔ ویسی ہی چالاکی یہاں کی ہے۔ مگر ہمارا خیال ہے۔ آپ اللہ میاں سے بڑھکر کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ نہ ہی ان حیلہ بازیوں اور مکروں کو اللہ میاں کی حیلہ بازی اور مکر سے سبقت دیجا سکتی ہے۔ مانا کہ اللہ میاں بھول جانیوالا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک اس کا نسیان اتنا زیادہ نہیں ہے۔ جتنا کہ علماء اسلام نے فرض کر رکھا ہے۔ اگر اللہ میاں یہاں امر کا لفظ بھول گیا ہوتا۔ تو یقین کرو۔ اللہ میاں کسی دوسری جگہ بھی بھول کر کھاتا۔ مگر اُسنے جہاں جہاں جاء کے ساتھ ساتھ امر کا لکھنا ضروری سمجھا۔ وہاں وہاں فوراً لکھوا دیا۔ مثلاً اللہ میاں نوح کی قوم کی بابت بتلا رہا ہے۔ کہ :-

حتی اذا جاء **امرنا** وفار التنور (پ ۱۲۔ ہود)

"یہاں تک کہ **ہمارا حکم آپہونچا**۔ اور تنور نے جوش مارا۔"

اسی سورۃ میں "قدم آگے چل کر اللہ میاں ہود کی بابت کہہ رہا ہے کہ :-

فلما جاء امرنا نجینا هوداً (پ ۱۲۔ ہود)

"اور جب ہمارا **حکم آپہونچا** ہمنے ہود کو نجات دی۔"

اِس سورۃ میں تین قدم آگے چلکر اللہ میاں صالح پیغمبر کی بات کہہ رہا ہے۔ کہ:-

فلمّا جاء امرنا نجینا صالحاً (پ۱۲ - ھود)

"پس جب ہمارا حکم آپہونچا ہم نے صالح کو نجات دی"۔

اِسی سورۃ میں چار قدم آگے چل کر اللہ میاں لوط کی قوم کی بابت ابراہیم کو کہہ رہا ہے۔ کہ:-

انہ قد جاء امر ربک (پ۱۲ - ہود)

"تحقیق آچکا ہے حکم تیرے رب کا۔"

اسی سورۃ میں پانچ قدم آگے چل کر اللہ میاں قوم لوط کی ہلاکت بتاتا ہوا کہہ رہا ہے۔ کہ:-

فلما جاء امرنا جعلنا عالیہا سافلہا (پ۱۲ - ہود)

"جب ہمارا حکم آپہونچا۔ ہمنے اس بستی کی چھتوں کو الٹا دیا۔"

اِسی سورۃ میں چھہ قدم آگے چل کر اللہ میاں شعیب کی بابت کہہ رہا ہے۔ کہ:-

ولما جاء امرنا نجینا شعیباً (پ۱۲ - ھود)

جب ہمارا حکم آپہونچا۔ ہمنے شعیب کو نجات دی"

اِسی سورۃ میں سات قدم آگے چلکر اللہ میاں دوسرے لوگوں کی بابت کہہ رہا ہے۔ کہ:-

لما جاء امر ربک ومازادوھم غیر تتبیت (پ۱۲ - ھود)

جب تیرے رب کا حکم آپہونچا۔ تو نہ بڑھا یا اُن کو مگر ہلاک کرنا۔"

ہم اللہ میاں کو کہاں تک چلاتے جائیں! سات قدم ہی کافی ہیں۔ جو عقلمند ہیں۔ وہ تو اس ہفت رنگی رفتار کو دیکھہ کر فوراً سمجھہ جائیں گے۔ کہ اللہ میاں نے جہاں جہاں جاآر کے ساتھ اپنے آمر کو لکھنا مناسب سمجھا۔ وہاں وہاں تو آمر لکھہ دیا۔ مگر جہاں بہ نفس نفیس قدم رنجہ فرمانیکا وعدہ کیا۔ وہاں جاآر کے ساتھ آمر کو نہیں لکھا بلکہ محض

جاء ربک

کہہ دیا یعنی تیرا اللہ میاں آیگا۔ نہ کہ اُس کا حکم۔ لاٹ صاحب آئیں گے۔ نہ کہ لاٹ صاحب کا حکم۔ مولوی فاضل صاحب تو شاید اس بات کو اب بھی نہیں سمجھیں گے۔ وہ اللہ میاں کی بہول پکڑنے پر ہی تلے رہیں گے۔ میاں جانے دو اس ضد کو۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "پس سنو۔ قرآن شریف اپنی خود تفسیر کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔ اتی امر اللہ فلا تستعجلوا (سورہ نحل) کفار عرب قیامت کا نام سُنکر جلدی چاہتے تھے۔ تو انکی فہمائیش کو یہ کلام نازل ہوا تھا۔ کہ اللہ کا حکم آنیکو ہے۔ پس تم جلدی نہ کرو۔"

آپکی پیشکردہ آیت سے پہلے اس سورۃ میں ہرگز ہرگز یہ کہیں یہ ذکر نہیں ہے۔ کہ کفار مکہ قیامت کا نام سنکر جلدی چاہتے تھے۔ یا یہ آیت انکی فہمائیش کے لئے نازل کی گئی۔ اگر اس سے کسی پہلی آیت میں کفار

مکہ کا اس قسم کا کوئی سوال اسی سورۃ میں موجود ہو۔ تو دکھائیے۔ مگر ہمیں پورا یقین ہے۔ کہ آپ ہرگز نہیں دکھا سکیں گے۔ کیونکہ آیت مذکورہ بالا خود ہی اس سورۃ کی سب سے پہلے آیت ہے۔ اس صورت میں کفار مکہ کا سوال جس کے جواب میں یہ آیت نازل کی گئی ہو۔ اللہ میاں کے انتظار کی طرح مفقود ہے۔ مغالطوں اور چالاکیوں نے کیا چھل۔ یہاں پر تو اللہ میاں کے حکم کا ذکر ہے کہ حکم آئے گا۔ مگر جس موقعہ کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ وہاں اللہ میاں بذاتِ خود قدم رنجہ فرمائیں گے۔ اور لوگوں کو درشن دیں گے۔ اسی لئے تو اللہ میاں کہہ رہا ہے کہ قیامت کے دن

وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الیٰ ربھا ناظرۃ

(پ ۔ قیمتہ)

"بہت سے مُنہ تر و تازہ ہوں گے۔ اور وہ اپنے اللہ میاں کیطرف دیکھ رہے ہونگے۔"

اگر کسی کو اس دیدار بازی کا مفصل حال دیکھنا منظور ہو تو وہ رویۃ اللہ۔ کے بارے میں صحیح حدیثوں کا مطالعہ کرے۔ ہم یہاں پر صرف ایک حدیث سُنا دیتے ہیں۔

آنحضرت کی حدیث دربارہ نزول اللہ تعالےٰ مشکوۃ شریف صفحہ ۵۰۶ پر یوں ہے۔ کہ "جب اہل جنت بہشت میں خوشیاں منا رہے ہونگے تو اُن کے اوپر ایک نور بلند ہوگا۔ پس وہ اپنے سروں پر اوپر کی طرف اُٹھا کر کیا دیکھیں گے۔

فاذا الرب تعالیٰ قد اشرف علیہم من فوقھم

کہ اُن کا اللہ ظاہر ہوا اُن پر اُن کے اوپر سے۔ اور اللہ اُنکو کہیگا۔

اسلام علیکم یا اہل الجنۃ

یعنی بہشت والو! سلام علیکم۔ پھر

فینظر الیہم وینظرون اللہ

اللہ میاں تو اُن کی طرف دیکھیگا۔ اور وہ اللہ کی طرف (ٹکٹکی باندھکر) دیکھیں گے۔ اور

فلا یلتفتون الی شئی من النعیم۔

بہشت والے کسی چیز کی طرف رغبت ظاہر نہیں کریں گے۔ جب تک

ما داموا ینظرون الیہ

وہ اپنے اللہ میاں کی طرف دیکھتے رہینگے۔ پھر کیا ہوگا۔

حتی یحتجب عنہم ویبقی نورہ

یہاں تک کہ اللہ اُن سے چھپ جائیگا۔ اور صرف اس کا نور باقی رہجائیگا واہ! صاحب! اللہ نہ ہوا۔ کوئی دُم دار ستارہ ہوا۔ کہ تھوڑی دیر تو نظر آتا رہیگا۔ اور پھر غائب ہو جائیگا۔ اور محض اسکی روشن دم کچھ دیر تک نظر آتی رہیگی۔ پھر وہ بھی غائب۔ یہ سب بچو نگڑانہ باتیں ہیں۔

مولویصاحب فرماتے ہیں۔ "شاید آپکو یا آپکے کسی دیانندی مہاشہ کو شبہ ہو۔ کہ ہمنے ان کے سوال سے دب کر یہ معنے کئے ہیں۔ تو وہ سنیں کہ تفسیر معالم چھ سینکڑوں سال اور کئی صدیوں کی بنی ہوئی ہے۔ اس میں بھی حضرت حسن البصری رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر تابعی کا قول یوں لکھا ہے۔

"قال الحسن جاء امرہٗ وقضاءہٗ"

اگر حسن نے جاء امرہٗ وقضاءہٗ لیعنی اللہ میاں کا حکم اور اسکی قضا آئیگی۔ لکھا ہے۔ تو ذرا آنکھیں کھولکر دیکھا ہوتا۔ کلبی نے عین اسی جگہ جاء ربک کے لئے ینزل لکھا ہے۔ جس کا مطلب ہے۔ کہ اللہ میاں بہ نفس نفیس قدم رنجہ فرماویں گے۔ ہمارے نزدیک کلبی کا قول زیادہ معتبر ہے۔ کیونکہ اس میں نہ تو کچھ انچ پیچ سے کام لیا گیا ہے۔ نہ ہی بھول چوک کو درست کیا گیا ہے۔ اور یہ قول حسب موقعہ بھی ہے۔ کیونکہ اللہ میاں کے نزول کے ساتھ فرشتوں کا بھی نزول ہوگا وہ بھی صفیں باندھکر میدان حشر میں خیمہ زن ہونگے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں میاں ضحاک کہتا ہے۔ کہ:-

اھل کل سماء اذا نزلوا الیوم لقیامتہ کانوا صفاً

مختلطین بالارض ومن فیھا فیکون سبع صفوف

ہر ایک آسمان کے رہنے والے جب قیامت کے دن اترینگے تو وہ زمین پر صف آرائی کریں گے۔ اور زمین والے بھی صف بستہ ہوں گے۔ کل سات قطاریں ہونگی۔"

نہ صرف اللہ میاں اور فرشتے ہی نازل ہونگے۔ بلکہ جہنم بھی تشریف لائیگی۔ اللہ میاں کہتا ہے۔ کہ:-

وجیٓئ یومئذٍ بجھنم (پ ۳۰۔ فجر)

"اس دن جہنم کو بھی لایا جائے گا۔" کیونکر لایا جائے گا پالکی میں بٹھاکر یا کندھے پر اٹھاکر لایا جاویگا۔ یا کسطرح؟ ہنیں صاحب

سرکش گھوڑے کی طرح پکڑ کر لایا جاویگا۔ اسکے لئے کوئی گواہ۔ ہاں صاحب۔ لیجئے گواہ تو ہمارے دروازہ پر موجود ہی رہتے ہیں۔

قال عبد اللہ ابن مسعود و مقاتل فی ھذہ الآیت۔ یقاد جھنم بسبعین الف زمام کل زمام بید سبعین الف ملک لھا تغیظ و زفیر حتی تنصب علی یسار العرش (معالم)

"عبد اللہ ابن مسعود و مقاتل نے اس آیت کی بابت لکھا ہے۔ کہ جہنم کو ستر ہزار لگام دی ہوئی ہوگی۔ ہر ایک لگام ستر ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگی۔ جہنم فرائے ماریگی اور ہنہنائیگی۔ یہاں تک کہ عرش کے بائیں طرف کھڑی کردی جاوے گی۔"

مذکورہ بالا عبارت میں موٹے الفاظ کو باریک نظر سے دیکھنا چاہئے۔ یہ اس گواہ کی شہادت ہے۔ جو ہمارے مولوی صاحب کے نزدیک سینکڑوں برس کا بوڑھا ہے۔ میاں! یہ جہنم ہے کہ سکندر کا سرکش گھوڑا سکندر نے تو اکیلے ہی اپنے باپ کے طعنہ کو سنکر جھٹ گھوڑے کو

قابو کر لیا تھا۔ مگر یہاں اس آسمانی گھوڑے کی لگاموں کو ستر ہزار ضرب ستر ہزار مساوی ہے چار ا۔ ب نوے کروڑ فرشتے پکڑے ہوئے ہونگے۔ اس کا ہنہنانا پھر بھی بند نہیں ہوگا۔ بقول مفسر حسین تمام پیغمبر اور پیغمبر زادے مارے خوف کے اوندھے مُنہ گر پڑیں گے۔ اور سب کہیں گے۔

رب نفسی رب نفسی

"اے اللہ تو مجھے بچا لے۔ مجھے بچا لے"۔ مگر حضرت محمد صاحب کہیں گے۔

رب اُمتی اُمتی

"اے اللہ میری امت کو بچا۔ میری امت کو بچا۔"

حضرت محمد صاحب کی آواز کو سُنکر آسمانی سرکش گھوڑا بولیگا۔

مالی ومالک یا محمد

"اے محمد میرا اور تیرا کیا میل"

خیر یہ مسلمان جانیں۔ یا مُسلمانوں کا اللہ میاں۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں۔ کہ مشکوۃ شریف صفحہ ۴۵۰ پر ایک نہائیت ہی صحیح حدیث میں صہیب رضی اللہ سے روائیت ہے۔ کہ آنحضرت نے فرمایا۔ جب بہشت والے بہشت میں چلے جاویں گے۔ تو

یقول اللہ تعالے

"اللہ تعالے اُن سے کہیگا"

تریدون شیئاً ازید کم۔

"کیا تم چاہتے ہو۔ کہ میں تمکو کوئی اور چیز بھی دوں؟" تمام بہشتی
بول اُٹھیں گے۔ کہ اے ہمارے اللہ میاں کیا آپنے

الم تبیض وجوهنا۔

"ہمارے چہروں کو۔ روشن نہیں کر دیا۔؟" اور کیا آپنے ہمکو

تدخلنا الجنۃ

"بہشت میں داخل نہیں کر دیا" اور کیا آپنے ہم کو

بخینا من النار

"دوزخ سے نہیں بچالیا۔؟" اتنی چیزیں دیکر تو اور اب ہمکو کیا
دیگا۔ ناگہاں اللہ میاں اپنے چہرہ پر سے

یرفع الحجاب

پردہ کہو۔ گھونگٹ کہو۔ برقعہ کہو۔ حجاب کہو۔ جو کچھ کہو اُٹھا دینگے"
پھر کیا! بس تمام بہشتی۔

فینظرون الی وجہ اللہ

"اللہ میاں کے مُنہ کی طرف ٹکٹکی باندھکر دیکھتے رہینگے"!
واہ! واہ! کیا چاند سا مکھڑا نکل آیا معلوم ہوتا ہے۔
اہل اسلام نے عورتوں کے مُنہ پر برقعہ پہنانے کی رسم اللہ
میاں کے نقاب کو دیکھ کر ہی ایجاد کی ہے۔ بھلا کوئی مُسلمان ہیں
ذرا اتنا تو بتا دے۔ کہ یہ گھونگٹ والی بی صاحبہ اللہ ہے یا آپکی
دِتی کا شاعر تو اس بی صاحبہ کو دیکھ کر فوراً بول اُٹھیگا۔ ے
پردہ کی کچھ حد بھی ہے اے پردہ نشیں   کھل کے مل بس مُنہ چھپانا چھوڑ دے

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "پس کہئے۔ خدا کے امر اسوقت بھی دُنیا پر آتے ہیں یا نہیں۔ آپکی اور میری پیدائش بلکہ گئو ماتا کے جینے اور مرنے کے متعلق بھی اس کے احکام آتے ہیں یا نہیں۔"

میاں! آپ اللہ کی جگہ خدا کا لفظ نہ لکھا کریں۔ خدا کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ آپ اللہ میاں کا جاپ کریں۔ دیکھو ہم بھی تو تمام کتاب میں اللہ اللہ ہی کرتے آئے ہیں۔ اللہ اللہ کرتے ہی اس کتاب کا خاتمہ کردیں گے۔ اگر ہم سے کسی جگہہ اللہ میاں کی بجائے خدا لکھا گیا ہو۔ تو ہم اسکو اللہ بنا دینے کے لئے تیّار ہیں۔ اگر اللہ میاں کے دار الخلافہ سے احکام نازل نہ ہوتے۔ تو اللہ کیوں کہتا کہ :-

انا انزلنٰہ فی لیلۃ القدر (پ ۳۰۔ قدر)

"ہمنے اِسکو (قرآنی احکام کو) لیلۃ القدر میں نازل کیا"

کوئی پوچھے لیلۃ القدر کیا بلا ہے۔ تو اللہ میاں کہدیگا۔

وما ادرٰک ما لیلۃ القدر (پ ۳۰۔ قدر)

"تو کیا جانتا ہے۔ کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے۔" نہ صاحب! ہم کچھہ نہیں جانتے۔ کرپا کر کے آپ ہی بتا دیجئے۔ ارے لالہ :-

لیلۃ القدر خیرٌ من الف شھر (پ ۳۰۔ قدر)

القدر ایسی رات ہے۔ جو ہزار مہینے سے بھی اچھی ہے"

میاں! تیراسی سال چار ماہ کیوں نہ کہہ دیا۔ بھلا جو رات سوا تیراسی سال سے بھی افضل ہے۔ اس میں کیا خوبی ہے۔ آہ! بھولے لالہ! یہ رات ایسی رات ہوتی ہے۔ کہ بس!۔

تنزل الملٰئکۃ والروح فیھا باذن ربھم
من کلِّ امر (پ ۳۰ - قدر ۲)

"فرشتے اور روح (جبرئیل؟) اسی رات کو اللہ میاں کے حکم سے ہر ایک کام پر نازل ہوتے ہیں" بھلاجی! یہ تار برقی کب تک رہتی ہے؟-

ھی حتی مطلع الفجر (پ ۳۰ - قدر ۱)

"صبح تک رہتی ہے" ارے میاں! فرشتے نہیں ہونگے چمگاڈر ہوتے ہونگے۔ جو صبح کی روشنی کے ساتھ ہی اودھر اودھر اندھیری جگہوں میں چھپ جایا کرتے ہیں۔ اگر فرشتے ہوتے۔ تو کبھی دن کو بھی درشن دیتے۔ اللہ میاں نے احکام بھیجنے کا وقت اچھا پسند کیا ہے۔ کیونکہ ہو پردہ نشین اندھیرے میں ہی سیر سپاٹا کیا کرتے ہیں۔ آپنے اپنی کتاب میں کئی جگہ گائے کو گئو ماتا لکھا ہے۔ درحقیقت وہ جانور جو ماتا کیطرح میٹھا دودھ دیتا ہو۔ قابل تعریف ہے۔ مگر وہ شخص جو اسکو ماتا کہہ کر اس کا مانس بھی کھالیتا ہو۔ اُسکو مادر خور بننے سے بچنا چاہئے۔ حکم احکام کا فیصلہ کچھ ہوچکا کچھ اور ہو جاوے گا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "بس اسی طرح قیامت یا آپکے لفظوں میں پرلے کے متعلق بھی اس کا حکم آجاوے گا۔ تو کیا اعتراض کرنے کی عقل بڑی ہے یا بھینس۔؟"

اس موٹی عقل سے جو حاکم اور حکم میں تمیز نہ کرکے بھینس کیا ہاتھی بھی چھوٹا ہے۔ ہمنے پیچھے دکھادیا ہے۔ کہ حکم نہیں آئیگا۔ بلکہ حاکم صاحب

خود تشریف لائیں گے۔ اللہ میاں کے احکام تو دُنیا میں آج کل آرہے ہیں۔ مگر قیامت کے دن لاٹ صاحب خود آویں گے۔ ساتھ فرشتوں کی قطاریں ہونگی۔ اچھی دہوم دھام ہوگی۔ اللہ میاں کی دُنیاوی چال کو تو ہم پیچھے دکھا آئے ہیں۔ مگر یہ جیم چھاٹ قیامت کے دن ہوگی۔ بھلے میاں! اللہ صاحب کا حکم کہاں سے آویگا؟ عرش پر سے یا فرش پر سے؟ جبرئیل لیکر آئیگا۔ یا اندہیرے میں اُڑنے والے چمگاڈر؟ تار کے ذریعہ آئیگا۔ یا ٹیلیفون کے ذریعہ؟ جیسے زار روس اپنے دارالخلافہ سے اپنے جرنیلوں کے نام بذریعہ تار حکم بھیجتا ہے۔ شاید اسی طرح اللہ میاں بھی اپنے تخت پر سے حکم بھیجدیتا ہوگا۔ آنے جانے کے لئے فاصلہ کی ضرورت ہے۔ اللہ میاں کہیں فاصلہ پر ہوگا۔ تبھی تو میدان حشر میں آئے گا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "اصل سب فساد کی جڑھ تو یہ ہے۔ کہ آپ قرآن شریف کو عربی زبان میں نہیں سمجھے۔ اس لئے آپ دھکے کہاتے پھرتے ہیں۔ ورنہ اگر آپ عربی جانتے اور عربی میں قران شریف کو سمجھتے تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ملا"

اچھا میاں! مان لو! کہ ہم نہ تو عربی جانتے ہیں۔ نہ فارسی۔ نہ اردو۔ نہ انگریزی۔ نہ سنسکرت۔ نہ گورمکھی۔ نہ دوکانداروں کے لنڈے۔ مان لو کہ ہم کسی پیغمبر کیطرح بالکل اُمّی۔ ان پڑھ۔ جاہل مطلق۔ کالا اکھشر بھینس برابر ہیں۔ مگر آپ یہ بتائیں۔ کہ اسوقت تک جو کچھہ ہمنے لکھا۔ اور لکھہ رہے ہیں کیا وہ محض بیغبرانہ گپیں۔ یا بے بنیاد اور جہوٹی باتیں ہی ہیں یا ساتھہ ساتھہ اُن کا کوئی ثبوت بہی دیا ہے۔ ہمارے خیال میں اگر

قرآن و حدیث کے صحیح صحیح معنوں کو جلوہ گر کرتا۔ اور قرآنی باتوں کو اُنکی اصلی رنگ و روپ میں پبلک کے سامنے رکھنا محض دھکے کھانا ہی ہے تو سمجھہ لو جس میاں کے اندر سے قرآن نکلا۔ جسنے حدیثیں گھڑیں۔ تفسیریں بنائیں وہ ہم سے بھی بڑھکر دھکے کھانیوالے اور دھکے دینے والے ہونگے ہم خوش ہیں کہ ہمیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔ اور ہمنے توہمات کی اندھیری کوٹھڑی سے نجات پائی۔ کاش ایسا دن آپ یا آپکی اولاد کو بھی دیکھنا نصیب ہو! آمین!!

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ سُنئے ہم آپ کو اس آیت کی ترکیب بتلاتے ہیں۔ صفاً صفاً کا لفظ الملک سے (جو اسم جنس ہونے سے جمع کے معنے میں ہے۔) حال ہے۔ اور ذوالحال معطوف ہے۔ ربک پر۔ پر آپکو غلطی سے یہ لگی۔ کہ آپنے صفاً صفاً کو دونوں (معطوف اور معطوف علیہ) کا حال سمجھا حالانکہ وہ صرف معطوف کا حال تھا۔"

حضور! آپ نے آیت کی ترکیب بتلائی ہے۔ یا گورکھہ دھندا بنایا ہے۔ اگر ہمنے آپ کا عربی میں امتحان لینا ہو۔ اور آپ کو یہی آیت ترکیب کرنے کے لئے دیجاوے۔ اور آپ اسکی وہی ترکیب کریں۔ جو یہاں کی ہے۔ تو سو نمبر میں سے انگریزی کا گول صفر آپکے سپرد کریں۔ اگر ممکن ہو تو پرکار لگاکر صفر بھی آدھا کاٹ لیں۔ کوئی پوچھے۔ کہ یہ ترکیب ہے یا فریب۔ یا چال۔ یا جال۔ یا گورکھہ دھندا۔ یا اپنی اعرابیت کا اظہار! یا کیا!! شاید آپکے اُستاد نے آپکو ترکیب کی ترکیب بھی نہیں سکھائی۔ خیر ہم بتا دیتے ہیں۔

لیجئے

قرآنی آیت برائے ترکیب

جاء ربک والملک صفاً صفاً

جاء = فعل

رب = مضاف } مضاف مضاف الیہ

ک = مضاف الیہ } ملکر معطوف علیہ

و = حرف عطف

الملک = ذوالحال } حال ذوالحال ملکر

صفاً صفاً = حال } معطوف

} معطوف معطوف الیہ ملکر فاعل

} فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ

کہئے ہمکو وہ غلطی سے بہہ لگی،، تو کیا لگی؟ جو لگی۔ آپکے لگی ہم نے صفاً صفاً کو معطوف اور معطوف علیہ کا حال نہیں سمجھا۔ یہ محض آپ کی من گھڑت نرغیبت ہے۔ ہمنے اللہ میاں اور فرشتوں کے آنے کا ذکر کیا ہے فرشتے تو قطاروں میں آئیں گے۔ اللہ میاں شاید منڑلے کر اُن کے آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہوگا۔ بہرصورت اِس زنگروٹی فوج کے ساتھ بقول قرآن آئیگا ضرور۔ ورنہ کچہری خالی رہیگی۔ اِس صورت میں ممکن ہے جائے اُستاد خالی دیکھ کر شیطان ہی اسپر بیٹھ جائے۔ کیونکہ خالی دل شیطان کا گھر ایک مشہور بات ہے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں ،، دوسری آیت میں صرف ملائکہ ہی کا حال بنایا ہے۔ یوم یقوم الروح والملٰئکۃ صفاً یعنی روح او

فرشتے صفیں باندھ کر کھڑے ہونگے۔ پس آپ کا سارا تار و پود ٹوٹ گیا۔ تو کپڑا کیسے بُنیگا۔"

ہمنے مکاری۔ فریب۔ دہوکھہ دہی۔ چالبازی۔ ٹھگ ودیا کا جال لگایا ہی کسدن تھا۔ جو تمہارے توڑنے سے ٹوٹ گیا ہو۔ ہاں اللہ میاں کا تانا بانا ضرور ٹوٹ رہا ہے۔ بہتیری دیر مکر سے کام لے چکا دہوکھہ دیچکا۔ اُدھار کھا بیٹھا۔ آخر ایکدن بھانڈا پہوٹنا ہی تھا۔ سو پہوٹ گیا ہمنے تو پہلی آیت ہیں کہہ دیا ہے۔ کہ صفاً حال ہے الملک کا۔ دوسری آیت پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر پہلی آیت میں تو اللہ میاں اور فرشتوں کے قدم رنجہ فرمانیکا ذکر ہے۔ اس دوسری آیت میں ان کے کھڑا ہونیکا ذکر ہے۔ مگر اس اندر سبہا میں کسی کی مجال نہیں ہوگی۔ کہ دم مارسکے۔ بلکہ سب کے سب

لا یتکلمون (پ۔ بنا)

"خاموش ہونگے" ہاں جسکو سبھاپتی "من اذن لہ الرحمن بولنے کا حکم دیگا۔ وہی بولیگا۔ پس ہم بھی حکم دیتے ہیں۔ کہ تم چلے جاؤ۔ اب دوسرا اُمیدوار آتا ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "جار فعل ہے۔ افعال اور صفات کا طریق کیا ہے۔ یہ ہے۔ کہ فاعل اور موصوف کے لحاظ سے افعال اور صفات کا رنگ اور حالت بدلتی رہتی ہے۔ غور کرو۔ مثلاً بیٹھنا ایک فعل ہے۔ ایک آپکا بیٹھنا ہے۔ اور ایک کسی جانور کا بیٹھنا۔"

اور ایک اللہ میاں کا بیٹھنا۔ تبھی تو کہا گیا ہے۔ کہ ثم استوی

علے العرش یعنی اللہ میاں تخت پر بیٹھ گیا۔ مگر کسطرح بیٹھتا ہے۔ ہماری طرح یا بکری کیطرح گھٹنے ٹیک کر۔ نہیں صاحب اسوار کیطرح پلاکی مار کر جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "دیکھو اس بیٹھنے میں ایک جسم خاص کی ضرورت ہے۔ مکان کی ضرورت ہے۔"

غریب اللہ میاں کے لئے تو مکان چھوڑ عرش العظیم کی ضرورت ہے عرش بھی وہ جو کہاروں نے اُٹھا رکھا ہو۔ بیٹھنے کے لئے جسم کی ضرورت ہے مکان کی ضرورت ہے۔ خاص وقت کی ضرورت ہے۔ بیٹھنے سے پہلے کھڑے ہونے یا لیٹنے کی حالت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بیٹھنا نہ بیٹھنے کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اللہ میاں عرش پر بیٹھنے سے پہلے یا تو کھڑا رہتا ہوگا۔ یا لیٹا رہتا ہوگا۔ شائد گہری نیند میں سویا رہتا ہو۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "پھر کہا جاتا ہے۔ کہ یہ بڑا ساہوکار تھا۔ مگر اب بیٹھ گیا ہے۔ دیکھو یہ بیٹھنا اور طرح کا ہے۔"

اگر اس بیٹھنے سے آپکی مراد ساہوکار کا کنگال ہو جانا یا دیوالہ بنجانا ہے۔ تو اللہ میاں بھی ایک وقت میں بیٹھا ہوا ہوگا۔ کیونکہ اس کے پاس بھی کبھی پھوٹی کوڑی تک نہیں تھی۔ ہمیں اندیشہ ہے۔ کہ آپ اُٹھنے بیٹھنے میں ہی نہ بیٹھ جائیں۔ مطلب کی کہئے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "کہا جاتا ہے۔ کہ آج کل ہند وانگلستان کے تخت پر ایڈورڈ ہفتم بیٹھا ہے۔ اس بیٹھنے میں اُٹھتا بیٹھتا سوتا ہو۔ چلتا ہو۔ کہیں کھڑا ہو۔ بہر حال بیٹھا ہے۔"

ایڈورڈ تخت پر بیٹھنے سے پہلے شہنشاہ انگلستان وقیصر ہندوستان نہیں کہلاتا تھا۔ کیا آپکا اللہ میاں بھی تخت نشین ہونے سے پہلے پرنس آف ویلز کی طرح کسی کا وظیفہ خوار تھا؟ پھر موجودہ شہنشاہ کو ایک ایک دن تخت چھوڑنا پڑیگا۔ اللہ میاں کی بھی یہی حالت ہونی چاہئے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ اب اس سے بھی لطیف موصوف اور فاعل کا حال سُنو۔ تمہارے دل میں اسلام کا بُغض بیٹھ گیا ہے تمہارے دل میں آریہ سماج کی محبت بیٹھ گئی ہے۔ کیا محبت کوئی جسم ہے نہیں۔"

ہمارے دل میں پہلے اسلام کے لئے خاص محبت تھی۔ مگر ایسے سامان پیدا ہو گئے۔ کہ وہ محبت جاتی رہی۔ ہمارے دل میں آریہ دہرم کی لئے پہلے محبت نہیں تھی۔ مگر ایسے سامان پیدا ہو گئے۔ کہ آریہ دہرم کی لئے ہمارے دل میں محبت بیٹھ گئی۔ گو محبت کوئی جسمانی چیز نہیں ہے۔ مگر اسکا ہونا یا نہ ہونا سامانوں پر منحصر ہے۔ اگر ہم بفرض محال یہ تسلیم بھی کریں کہ اللہ میاں مجسم نہیں ہے۔ تو یہ ضرور کہنا پڑے گا۔ کہ ایک وقت میں وہ تخت نشین نہیں تھا۔ دوسرے وقت میں ہو گیا۔ یہ وقت ہے کہ وہ دُنیا میں نہیں آتا۔ محض اپنے حکم احکام ہی بھیج چھوڑتا۔ مگر ایسے سامان پیدا ہو جائینگے۔ کہ اسکو دُنیا میں آنا پڑیگا۔ وہ سامان قیامت کے سامان ہونگے۔ قیامت کو اللہ میاں فرشتوں کی قطاروں کے ساتھ ضرور تشریف لائیں گے۔ منتظر رہئے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ وہ اِس طرح آنا اور حرکت کرنا ایک صفت اور فعل ہے۔ فلانا آدمی آیا۔ یہ آنا ایک طرف ایک مکان کے چھوڑنے

کو چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف ایک مکان کی طرف آنے کو۔"
صفت کے لئے موصوف اور فعل کے لئے فاعل کی ضرورت ہے۔ اللہ
میاں فاعل ہے۔ اور آنا جانا اُس کا فعل۔ وہ قیامت کو آئیگا۔ جیسا کہ
ذکر ہوا۔ قصہ مختصر۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "اور سنو! تمہارے گروُ نے تو اپنی
دعاؤں میں الٰہی حرکت کو بھی مانا ہے۔ دیکھو نمبر ۴۔ ستیارتھ پرکاش"
آپ نے پھر گروُ کا لفظ استعمال کیا۔ ہم جانتے ہیں کہ گوروُ کا لفظ
بذات خود بہت اچھے معنوں کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر جب آپ لوگ ہمارے
رشی مہرشی نہیں نہیں تمام دُنیا کے رشی مہرشی شری سوامی جی مہاراج
کے ساتھ گروُ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ تو ہمارے سامنے موجودہ
گوروڈم۔ اسلامی گوروڈم۔ عیسائی گوروڈم۔ ہندو گروُڈم کی نہایت ہی
خوفناک تصویر آکر ہمیں مجبور کرتی ہے۔ کہ ہم گرو کی بجائے انیسویں صدی
کے رشی کو مہرشی کے اعلیٰ نام سے پکاریں۔ تا کہ کسی کو شُبہ نہ پڑے۔ کہ ہم بھی
کسی انسان کے بول و براز کو مقدس سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسی گرو کے معدے
سے اُبلا ہے۔ یا آریہ دھرمی کسی انسان کے تھوک کو چاٹتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسی
گورو کے مُنہ سے نکلا ہے۔ یا وہ کسی کی ولادت گاہ و مدفن کی زیارت کرنا ازالہ
معاصی سمجھتے ہیں۔ یا گورو کی جوتیوں۔ ہڈیوں۔ دانتوں۔ بالوں۔ کپڑوں وغیرہ
کو سروں پر لئے پھرنا مبارک سمجھتے ہیں۔ یہ اور اس قسم کی تمام خرابیاں ان
لوگوں کے اندر گھس رہی ہیں۔ جنہوں نے گورو کے لفظ کا بیجا استعمال کیا ہے
ہاں بجا استعمال کے ہم برخلاف نہیں ہیں۔ مگر تمہارا گورو والا طعنہ عموماً بیجا

استعمال کو ظاہر کرتا ہے۔ اس قسم کا طعنہ اگر اللہ میاں پسند کرلے۔ تو امر دیگر ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے اگر کوئی مکاری کا دم بھرے۔ تو وہ فوراً کہہ سکتا ہے کہ ہم مکاروں کے بھی گرو ہیں یا خیر الماکرین ہیں۔ مگر ہم اس آسمانی گورودم کے برخلاف ہیں۔ باقی رہا آپکا الہی حرکت پر اعتراض!! یہ تمہارے اپنے ہی گھر کا میلہ ہے۔ کہ اللہ میاں حرکت کرتا ہے۔ آسمانوں سے نیچے اُترتا ہی قیامت کے دن میدان حشر میں آئیگا۔ لمبے جھگڑے ہیں اس الہی حرکت کی بابت بہت کچھ لکھا جاچکا۔ ہاں اگر اللہ کے ساتھ ہی نسبتی لگا کر الہی حرکت سے آپکی مراد یہ ہو۔ کہ سرود یاپک پرماتما بھی اِدھر اُدھر بھاگتا ہوگا۔ تو یہ آپکی خام خیالی ہے۔ ایسی کوئی جگہ نہیں ہے۔ جہاں سرود یاپک۔ اچل پرماتما موجود نہ ہو۔ ہم نہیں جانتے۔ کہ "نمبر ۴ ستیارتھ پرکاش" سے آپکا کیا مطلب ہے۔ ستیارتھ پرکاش کے چوتھے صفحہ پر اس قسم کی کوئی عبارت نہیں ہے۔ ہاں رگویدآدی بھاشیہ بھومکا (اردو) صفحہ ۴ پر یہ عبارت موجود ہے:۔

"اے پرمیشور! جس جس مقام سے آپ دُنیا کے بنانے اور پالنے کے لیے حرکت کریں۔ اس اس مقام سے ہمارا خوف دور ہو۔ تاکہ ہم آپکی نظر عنائت سے سب مقاموں میں بیخوف رہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ"

معلوم ہوتا ہے۔ آپکی باریک نظر موٹے الفاظ کو دیکھ کر چندھیا گئی۔ اور آپنے سمجھ لیا۔ کہ پرمیشور ضرور مارا مارا پھرتا ہوگا۔ مگر آپکے دماغ میں اتنی موٹی بات نہ گھس سکی۔ کہ اگر پرماتما پرمانوؤں کو حرکت نہ دے۔ تو مختلف کرے اور مختلف اجسام کیونکر بن یا بگڑ سکتے ہیں۔ اگر وہ حرکت نہ دے

تو تمہارے کھانے کی چیزیں کبھی بھی زمین سے نہ اُگ سکیں۔ ممکن ہے آپنے غلطی سے "حرکت کریں" کو پرمیشور کی ذاتی حرکت سمجھہ لیا ہو۔ ہاں اگر "حرکت کریں" کی بجائے "حرکت دیں" لکھہ دیا جاتا تو شاید کوئی بھی موٹی عقل کا میاں اِس گھمن گھیری میں پھنسکر اعتراض نہ کرسکتا۔ مختصر یہ کہ پرماتما حرکت دیتا ہے کرتا نہیں۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں سُنو۔ ہاں اگر پرمیشور حرکت کرسکتا ہے۔ تو ملائکہ تو محدود ہوتے ہیں۔ اُن کا حرکت کرنا کیوں حیرت انگیز ہے۔ اگر حرکت کوئی سے سمجھ کرسکتی ہے۔ اور روپک النکار میں اسکو لے سکتی ہے تو قرآن کریم میں مسلمان کیوں مجاز نہیں کیا جاتا۔"

ہم پہلے بھی کئی دفعہ دکھلا چکے ہیں۔ آئیندہ بھی دکھائینگے۔ کہ آپ یا تو ہمارا آدہا نام لیتے ہیں۔ یا بگاڑکر یا تو تو کرکے بلاتے ہیں۔ گو ہم اِس بات کے خواہشمند نہیں ہیں۔ کہ کوئی ہمیں "آپ" یا "جناب" یا "حضور" کرکے بلائے مگر تاہم آپ کو اتنی بات یاد رکھنی چاہیے۔ کہ اگر کوئی مُنہ پھٹ آپکو بجائے نورالدین کے صرف "نورو" یا "نورا" یا "دینی" وغیرہ کہے۔ تو آپ ایک دفعہ تو اللہ میاں کی طرح ضرور غضبناک ہوجائیں گے۔ اگر آپ بھلے مانس ہونگے تو اِس بات کا آئیندہ خیال رکھیں گے۔ ورنہ اُن نالی والوں کی تحریر کیطرح کہ جن کا ہم کتاب ہذا کے دیباچہ میں ذکر کرآئے ہیں۔ ہمیں آپکی تحریر بھی اسی فایل میں نتھی کرنی پڑے گی۔ خیر یہ راہ چلتی ہدائیت ہے۔ اصلی بات یا پرماتما کی حرکت کا جھگڑا نپٹا دیا گیا۔ فرشتوں کی حرکت اللہ میاں کی گردش باقی تھی حرکت کو آپ مان گئے۔ مگر گردش کو چھوڑ گئے۔ یہی تو مطلب کی بات تھی جسکا

آپ نے آخر تک کوئی جواب نہیں دیا۔ اللہ میاں کی آمد آمد پر کوئی رنگ و روغن چڑھایا ہوتا۔ یا اب کوچی ڈھیلی پڑ گئی ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مظاہر قدرت میں جلوہ گری کرتا ہے۔ وہ حلول واتحاد سے منزہ وراء الورا مظاہر قدرت میں اپنی قدرتوں۔ طاقتوں بلکہ ذات سے جیسے اسکی لیس کمثلہ ذات اور الوہیئم کی شان ہے آتا ہے اور کہیں سے جاتا ہے۔"

میاں ایک بات ہمیشہ یاد رکھو! عبارت عام فہم لکھو۔ تاکہ ہر کس و ناکس سمجھ سکے۔ تمہاری آسمانی ڈھنگ کی عبارت کو کون سمجھا ہوگا۔ انگریزی والوں نے الوہیئم کو شاید اوہیئم "Omnium" ہی سمجھ لیا ہو۔ دوسروں کے ہاتھ پلے سوائے گڑبڑ کے کچھ نہیں پڑا ہوگا۔ خیر اتنا تو آپ بھی مان گئے۔ کہ اللہ میاں کہیں سے آتا ہے اور کہیں کو جاتا ہے۔ یہی ہمارا اعتراض تھا۔ جہاں سے وہ چلا جاتا ہوگا۔ وہ جگہ شاید شیطان گھیر لیتا ہوگا۔ اور جہاں وہ آتا ہوگا۔ وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہوگا۔ یا دونوں میں لڑائی ہو جاتی ہوگی۔ آخر حق شفع کر کے فیصلہ ہوتا ہوگا۔ کیا کود کانہ باتیں بناتے ہیں!۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ وہ کیا جیسے ودوان دھارمک کے ہردے میں آتا ہے۔ ویسا ہی دُشٹ اناڑی۔ کے ہردے میں ہوتا ہے اور آتا ہے۔ ہرگز نہیں۔"

حضور نے "ہرگز نہیں" کو مسجد کے موٹے ملاں کی طرح موٹا کر دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور عالی تبار کے نزدیک اللہ میاں کی ہمہ تن

محض وھارمک لوگوں کے دل میں ہی ہے۔ اور ادہرمیوں کے پاس سے تو
وہ بستر ا باندہ کر بیرنگ بھاگتا ہوگا۔ ہائے توبہ! پیچھا مڑکر بھی نہیں دیکھتا
ہوگا! اجی پاس تک نہیں پھٹکتا ہوگا۔ دُور ہی کھڑا گھورتا رہتا ہوگا۔ اگر
کوئی میاں صاحب کی منت خوشامد کرتا ہوگا۔ تو جھٹ اندر آگھستا ہوگا۔
مگر ادہر اسنے بدینی کا کام کیا۔ ادھر میاں صاحب پھر بھاگ نکلتے ہونگے
ادہر اسنے توبہ کی۔ میاں صاحب پھر چپکے سے آگھستے ہونگے۔ کروڑوں اربوں
انسان! ہر ایک انسان دم بدم دہرم و ادھرم کے کاموں میں لگا رہتا
ہے۔ وہ کس کس کے پاس سے بھاگتا اور کس کس کے اندر آتا جاتا ہوگا!
بیچارے کے لیئے یہ دوڑ کدائی وبال جان ہورہی ہوگی۔ اوہ! ہو!
وہ تو عرش پر بیٹھ رہا ہے۔ قیامت کے دن گھونگٹ اُٹھا کر لوگوں
کو درشن دیگا۔ تبھی اللہ میاں کے محرم خاص نے چودھویں رات کے
چاند کی طرف دیکھ کر یہ کہا تھا۔ کہ قیامت کے دن

انکم ترون ربکم کما ترون ھذا القمر ولا تضامون

فی رویتہ (حدیث شریف)

"تم لوگ اپنے اللہ کو اس طرح دیکھو گے جسطرح کہ تم اس چاند کو دیکھتے
ہو۔ اور اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔" وقت تو تب
ہو اگر اللہ میاں نیچے اُتر آئے۔ پھر اسکو پتا لگے۔ کہ درشن ابھلاشی اسکا
کیسا ناک میں دم بند کرتے ہیں۔ اللہ ہے بڑا عقلمند۔ اس جھنجھٹ سے
آزاد ہوکر اوپر جا بیٹھا ہے۔ کاش ہم بھی درشن ابھلاشیوں سے سنجات
پاکر ایک طرف ہو جائیں۔ درحقیقت درشن ابھلاشی آئے دن وِق کرتے

رہتے ہیں۔ اللہ میاں کسی ایسے ہی کڑوے تجربہ کو دیکھ کر بالاخانہ پر چڑھ گیا ہوگا۔ ارے بھولے لوگو! کیوں بھولے پھرتے ہو۔ کیوں جگت ہنسائی کراتے ہو۔ تمہاری ان باتوں سے کیا اسلام قائم رہ سکتا ہے ہرگز نہیں۔ یہ آج نہ اڑا کل اڑا۔ اس کاغذی محل کی بُنیاد ایمان کی ریت پر رکھی گئی ہے۔ دلیل کا دریا اس ریت کو بہا لیجائے گا۔ محل گر جائے گا آخر دُنیا کو ماننا پڑے گا۔ کہ پرماتما ہر ایک جگہ موجود ہے۔ وُشٹ سے وُشٹ اور چنڈال سے چنڈال آدمی کے اندر بھی موجود ہے۔ کُتے۔ بلی سوئیر۔ جل۔ تھل۔ غرضیکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کے اندر موجود ہے۔ وہ اننت ہے۔ نہ ہی سورج وغیرہ روشن کرے۔ اس کے انت کو پا سکتے ہیں۔ نہ ہی زمین وغیرہ تاریک کرے۔ کیونکہ وہ سب کے بیچ میں پریپورن ہو رہا ہے۔ اسکا انت انترکش (अनु व्यच:) کا لوزانی (न मित्थव:) عالم بھی نہیں پا سکتا۔ نہ ہی بادل اور بجلی اسکی انتہا کو پا سکتے ہیں۔ وہ اننت سروپ (एक:) وحدہٗ لاشریک لہ ہے۔ وہ

(वश्वम अनुषक)

تمام جگت میں ویاپک ہے۔ خالقِ کائنات ہے۔ جگت کے پدارتھ اس کا پار نہیں پا سکتے۔ وہ کبھی بھی جگت روپ نہیں بن سکتا۔ جب وہ ہے ہی سرو ویاپک۔ تو اس کا آنا جانا کیا معنی! ہم اپنے بھائیوں سے زوردار الفاظ میں اپیل کریں گے۔ کہ وہ ایک طرف تو قیامت کے دن والے اللہ میاں کے دھوم دھام سے آنے

جانے والے مضمون پر غور کریں۔ اور دوسری طرف وہ نیک نتیجہ پر پہنچنے کی خاطر سچائی کو مدنظر رکھ کر ضد۔ تعصب۔ ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اس ویدمنتر پر وچار کریں۔ کہ:۔

न यस्य द्यावा पृथिवी अनु व्यचो न
सिन्धवो रजसो अन्तमानशुः।
नोत स्ववृष्टिं मदे अस्य युध्यत ए-
को अन्य. च्चकृषे विश्वमानुषक॥



ओ३म्

वायुरनिलममृतमथेदं भस्मान्तँ शरीरम् ॥ यजु॰ अ॰ ४०॥ मं॰ १५ ॥

جیو آدی روپ والے پرکاش روپ والیو۔ سکارن روپ والیو۔ ابناشی کارن کو دھارن کرتا ہے۔ انسان کا جسم آخرکار نشٹ ہو کر بھسم ہونے والا ہے

چوتھی فصل

اعتراض ۲۹

مُردہ بدست زندہ

وقت تھا۔ کہ انگلینڈ کی کشتی خانہ جنگیوں کے گرداب میں چکر کھا رہی تھی۔ بیوفا بادشاہ ملک اور قوم کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کر رہا تھا۔ رعایا حیران و سرگردان تھی۔ آخر بغاوت کا جھنڈا بلند ہوا۔ راجہ پارٹی اور پرجا پارٹی کے درمیان جنگ شروع ہوا۔ ملک کی حالت مردہ کی سی تھی۔ آج اس پارٹی کے ہاتھ میں ہے۔ تو کل دوسری کے ہاتھ میں۔ مگر اس تمام گڑبڑ کا فیصلہ کرنا کرام وَل کا ہی کام تھا۔ اس شیر دل نے ڈوبتی کشتی کو بچا لیا

دوست و دشمن کے دلوں پر وہ رُعب بٹھایا۔ کہ کوئی چوں تک نہیں کر سکتا تھا۔ فوج کٹھ پتلی کی طرح اُس کے اشاروں پر چلتی تھی۔ ادھر اشارہ کیا۔ اودھر پارلیمنٹ کی صفائی ہوئی۔ جس کرام دل کو جیتے جی یہ طاقت حاصل تھی۔ کہ شاہ وقت پر پھانسی کا فتویٰ لگوا دے اسکا سر اُڑوا دے۔ اُس کے مرنے کے ساتھ ہی دوبارہ کھلبلی مچ گئی وہ شیر جیتا تھا۔ کوئی آنکھ سامنے نہ کر سکتا تھا۔ مگر اس کی لاش کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟ قبر میں سے کھود کر پھانسی پر لٹکائی گئی۔ زندوں کو پھانسی دینے کی بات تو کئی بار سُنی تھی۔ مگر مردوں کو قبروں سے نکالکر ان کے گلے میں رسی ڈالکر پھانسی پر لٹکانے کا بہادرانہ کام بہادر قوم کی تواریخ میں پڑھکر عاقل انسان اس نتیجہ پر پہونچنے کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ اگر مردوں کو جلا دیا جاتا۔ تو انکی مٹی پلید نہ کی جاتی۔ مردوں کو دبانے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ وہ جلانے سے نہیں ہو سکتیں۔ مرحوم شریمان پنڈت لیکھرام جی نے مُردہ جلانے کے متعلق ایک نہایت ہی معقول ٹریکٹ لکھا تھا۔ اسکی کچھ عبارت یہ ہے:-

مُردہ جلانے کے فوائد

فائدہ اول۔ مُردوں کے جلانے میں زمین کم خرچ ہوتی ہے ایک بگھہ یا کنال یا مرلہ زمین میں خواہ تمام جہان کے مُردوں کو جلا دیں اور پھر وہ زمین ویسی کی ویسی باقی رہے۔ بلکہ اس سے بھی بہت کم میں آسانی اور آرام سے گذارہ ہو سکتا ہے۔

فائدہ دوم۔ بت پرستی یا شرک کی بنیاد اُکھڑ جاتی ہے کیونکہ نہ قبریں ہونگی اور نہ کوئی اُن سے مُراد مانگیگا اور نہ گناہ کے مرتکب ہونگے اصل میں یہی پیر پرستی یا گور پرستی سے مُردہ پرستی کا رواج جاری ہے۔

فائدہ سوم۔ بیماریاں جو گورستان کے متعلقات سے وقوع میں آتی ہیں قطعی بند ہوجاوینگی آب و ہوا اور غلہ خراب نہ ہوگا اور نہ خلق خدا تباہ ہوگی غلہ عمدہ پانی مصفے ہوا لطیف اور پاک استعمال کرنیکے واسطے ملیگی۔

حال کے اور پورانے زمانہ کے ڈاکٹروں نے نہایت واضح دلایل سے ثابت کیا ہے اور تمام زندہ دل لوگوں کا تجربہ ہے کہ عمدہ اور صاف کھلی ہوا۔ شفاف اور پاکیزہ پانی انسان کی صحت کیواسطے کتنے ضروری ہیں ایک منٹ بھر بھی اگر ہوا نہ ملے تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور اسی طرح پانی بھی کیونکہ سب سے زیادہ عمدہ اور اعلےٰ اشیاء جن سے اور جن پر انسانی زیست کا اعلیٰ مدار ہے وہ یہی ہیں۔ درحقیقت طبیعت اور برتاو اور کیریکٹر کا عمر کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے جس کی اعلیٰ اور عمدہ بنیاد آب و ہوا ہے۔ جس وقت مردوں کے جلانے کا تمام دُنیا میں رواج تھا یعنی تین ہزار سے پہلے اُسوقت آدمیوں کی جیون (زندگیاں) مضبوط۔ صحیح کامل۔ درست ہوتی تھیں۔ وہ پورے جوان اور قوی ہیکل اور تندرست ہوتے تھے۔ اگر مُردہ جلانے کا رواج بدستور سابق ہوجاوے تو صحت نہایت ہی عمدہ ہوجاویگی۔

فائدہ چہارم۔ وہ جانور جو اکثر مُردہ نکالکر لے جاتا یا بعضے کفن کش جو قبریں اکھاڑ کر کفن اوتار لیتے ہیں اور ان افعال سے مُردہ

کی بیعزتی ہوتی ہے۔ اور جرائم وقوع پذیر ہوتے ہیں اُن کا انسداد ہو جاویگا

فائدہ پنجم۔ قبر کن اور مجاوران گورستان جو ایک بے خواہی خلایق و حرامخوری کے ذریعہ روٹی کماتے اور بسا اوقات اور مرتکب واردات ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی اچھے پیشہ میں لگ جاویں گے۔

فائدہ ششم۔ صدہا مُردوں کی خانقاہوں پر جو ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کرکے بڑے بڑے مقبرے اور عمارتیں بنائی گئی ہیں اور بنائی جاتی ہیں وہ روپیہ آیندہ ضایع نہ ہونے پاویگا۔ بلکہ وہ روپیہ کسی عمدہ مفید خلایق کام مثلاً تعلیم یا یتیم خانہ یا ہسپتال وغیرہ میں خرچ ہوگا۔

فائدہ ہفتم۔ کوتے یا شیطان کی تقلید چھوڑ کر ہم عقل علم۔ سائنس اور صداقت کے مُقلد یا پیرو کہلاویں گے۔

فائدہ ہشتم۔ تیل یا عرس وغیرہ کا خرچ جو لاکھوں روپے سالانہ کے قریب ہے وہ بھی بالکل نہ رہیگا۔ ایسا خرچ بھی نیک کام میں خرچ ہوگا۔ اب تو صرف مُردہ کے سرہانے تیل جلتا ہے جس سے اُسے مطلق خبر نہیں۔ پھر مسجدوں۔ دہرم سالوں۔ مندروں میں جلیگا یا شارع عام پر جہاں خلق خدا کا بہت فائدہ اور ثواب ہوگا۔

فائدہ نہم۔ چرس۔ گانجا۔ افیون اور تمباکو نوشی۔ زنا کاری۔ قمار بازی جو اکثر ایسے مقاموں (تکیوں) میں زیادہ ہوتی ہو اُسکا بھی انسداد ہو جاویگا۔

ذیل کے انتخاب سے جوکہ ایک مشہور تصنیف سے لیا گیا ہو صاف

ظاہر ہوگا کہ یہ تجویز ہے کہ مُردہ جلانے کی طرف رغبت دلائی جائے اور اس کا باقاعدہ عمل اور انتظام کر لیا جاوے (ایک قانونی فیصلہ ۱۸۸۴ء میں ہوا تھا کہ مُردہ کو جلانا جائز ہے۔ جلانا کسی طرح نہیں روکا جا سکتا ہے سوا اس کے کہ اس طریق پر کیا جاوے۔ کہ اس کا عمل عام کے لئے مضر ہو) ہوم سکریٹری کے کنٹرول میں اثر روئے ان قواعد کے جو وہ مقرر کرے جلانے کے لئے مقرر کئے جاویں۔ ایک قسم کا سرٹیفکٹ جو موت کا سبب ظاہر کرے جلانے سے پیشتر پیش کیا جاوے اور کسی افسر سے لاش کو بلا روک ٹوک دکھایا جاوے اس تجویز کے جاری ہونے کے لئے دلائل ذیل سے تائید کی گئی ہے۔

(۱) زندوں کا خیال مردوں سے زیادہ مناسب ہے اور دفن کرنیکا موجودہ قاعدہ انسانی زندگی کے لئے مضر ہے۔ کیونکہ قبرستان بہت بڑھے جاتے ہیں۔ اور ان میں اور ان کے حوالی میں مضر پانی اور گیس سرایت کرتے جاتے ہیں۔

(۲) قبرستانوں کے بننے سے خطرہ بہت ہے اور زیادہ آباد متصل میں دقتیں بڑھتی جاتی ہیں۔

(۳) بہت سے قبرستان جو کہ آبادی کے حدود سے پرے تھے۔ اب وہ گھروں سے گھرے ہوئے ہیں۔

(۴) دفنانے کا کوئی طریقہ اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔ کہ وہ جسم کے اجزا کی علیحدگی کو روکے کسی طرح دفنانے میں علامات ایک ہی ہے لیکن جلا دینا ہوا کا تنقیہ ہے اور معمولی دفن کرنا اجسام کا سڑانا ہے۔ یا یوں کہو کہ ایک جلد جلانے والی آگ کے مقابلہ میں آہستہ آہستہ بوسیدگی ہے۔

(۵) اگرچہ دولتمند آدمی اچھی طرح دفنائے جا سکتے ہیں مگر غریب آدمیوں کی قبریں (آباد مقامات میں) صرف گندگی کے گڑھے ہیں۔ غریب جلد سڑنے والے کفن میں دبائے جاتے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے علیحدہ مشکل سے ہوتے بلکہ قریب قریب ہوا کرتے ہیں اور بہت ہی کم مٹی میں ڈھانکے جاتے ہیں اور جذب ہونے سے پہلے ہی کھودے جاتے ہیں۔

(۶) اگر ٹھیک قاعدہ کے موافق عمل کیا جاوے تو جلانا کسی طرح غیر واجب نہیں بدن کے جل کر سفید بلور جیسے ٹکڑے ہو جاویں گے جو نقصان دہ نہیں اور مدت تک رکھے جا سکتے ہیں۔

(۷) کریمیشن کمال شائستگی کے ساتھ ہو سکتا ہے اور اس کو مذہبی عقائد میں کوئی فرق نہیں آ سکتا معمولی رسمیات بھی اس موقعہ پر ادا ہو سکتے ہیں۔

(۸) اس سے عام لوگوں کے خیالات پر کوئی صدمہ نہ پہنچے گا اگر پہلے پہل ہی عوام کے چھوٹے اور تنگ خیالات پر کچھ برا اثر ہو گا تو یہ دور ہو جائیگا اور جلانے کے فوائد جلد تسلیم کر لئے جاویں گے۔

(۹) موجودہ جلانے والے آتشکدوں سے فائدہ اٹھانے کے رستہ میں بہت سی دقتیں ڈالی گئیں ہیں اور جو رغبت باقاعدہ طریقہ اور معقولیت کی خوش ادائی سے ہوتی ہے اسکا اندازہ اس تھوڑے سے استعمال سے جو آجکل ہو رہا ہے نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) ایک کہنہ کے قبرستان اور گاؤں کے گرجا گھر کا لوگوں کو بہت انس ہے مگر یہ انس وہاں نہیں رہتا۔ جبکہ مردہ کو کسی بعید قبرستان یا چنیدہ

میں بیجا کر دفن کرتے ہیں۔ جہاں نہ کوئی اُسکا نگران ہے اور نہ کوئی قبر کی تعظیم کرنیوالا ہے۔

(۱۱) اِس تجویز کی پسندیدگی کا سب کو اختیار ہے یہ ضرورت نہیں کہ کوئی آدمی اپنے یا اپنے رشتہ داروں کی مرضی کے خلاف جلاویں۔ اور اُس میں نہائیت خود غرضی پائی جاتی ہے۔ کہ جو لوگ خود یا اپنے رشتہ دارو کو جلانا چاہتے ہیں۔ اُنھیں اِس گارنٹی سے انکار کیا جاوے جو معقول اور مناسب ہے۔

(۱۲) مراد یہ ہے کہ کریمیشن کو قواعد میں لایا جاوے اُسکو ترقی ہو اور اجازت دیجاوے۔ جلانیکی بنسبت کوئی قاعدہ جاری ہونا چاہئیے فی الحال اسکی اجازت تو ہے مگر اس کے قوانین نہیں۔

(۱۳) زہر خورانی یا دھوکھہ سے قتل کرنے کے جُرم کو کریمیشن کے جایز کرنے سے ترقی نہیں ہوگی۔ برخلاف اِس کے جو سخت قواعد تجویز کیئے گئے ہیں اُنسے بدمعاشوں کو روک ہوگی کہ وہ اپنے مارے ہوئے آدمیوں کے جسموں کو نہ جلانے پاویں گے۔ کیونکہ بوجہ سرٹیفکٹ لازمی ہونے اور بلامداخلت معائینہ کے وجہ سے زہر خورانی یا مارپیٹ کے راز کھل جاویں گے۔

(۱۴) فی الحال دفنانے کے مُتعلق قوانین ایسے ناقص ہیں کہ تین ہزار آدمی خاصکر بچے ہر سال بغیر موت کے سرٹیفکٹ یا کسی قسم کے سارٹیفکٹ کے دفنائے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح زہر خورانی اور دغا سے قتل کو جرأت ہوتی ہے۔

(۱۵) مشتبہ حالتوں میں یا ہمیشہ اگر مناسب معلوم ہو تو تشخیص امتحان

کے لئے انتڑیوں کے رکھے جانے میں آسانی ہوگی۔

(۱۶) بناتاتی اور حیوانی زہروں کا دریافت کرنا تمام حالتوں میں بہت مشکل ہے۔ اور معدنی زہروں کا امتیاز آسانی سے ہوگا۔

(۱۷) سنکھیا گو کسی قدر آگ میں کم ہو جاتا ہے۔ تو بھی تحقیق اجزاء اور تشخیص کیمیائی کے لئے اُس کا کافی مادہ باقی رہجاتا ہے۔

(۱۸) بوسیدہ یا سڑا جسم خود بعض زہروں کو پیدا کرتا ہے۔ اور بہت سے زہروں پر بھی اپنا کیمیائی اثر ڈالتا ہے۔ کیونکہ موت کے تھوڑی دیر بعد ہی اُس اصلی زہر کا جو باعث ہلاکت ہوا علم فزیالوجی سے کما حقہ دریافت ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۱۹) آج کل جسم بہت کم قبروں سے کھود کر نکالے جاتے ہیں۔

(۲۰) ممکن ہے کہ بعض اوقات مردہ جلانے سے تشخیص میں دقت اور دھوکا ہو۔ مگر یہ نتیجہ اکثر موجودہ انتظام کی وجہ سے عائد ہوتا ہے۔

(ماخوذ از ٹریکٹ پنڈت لیکھرام جی مرحوم) (ہارنجر آف ہیلتھ فروری ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۰)"

باوجود اس قدر فواید کے مُردہ کو کیوں دبایا جاتا ہے؟ جلایا کیوں نہیں جاتا۔

اِن سوالوں کا جواب حاصل کرنے کے لئے ہمیں اس زمانہ میں واپس جانا پڑتا ہے۔ جبکہ گروہ کے گروہ آریہ قوم کے بڑے جتھے سے الگ ہو کر ملک بہ ملک پھیل گئے۔ افریقہ کے حبشی۔ اسٹریلیا کے جنگلی۔ امریکہ کے ریڈ انڈین۔ یوروپ کے گورے مُنہ والے چین کے لمبوترے مُنہ والے ہندوستان کے گول چہروں والے غرضیکہ تمام لوگ ایک ہی جتھے کے مختلف ٹکڑے

ہیں۔ گو بعض خود غرض لوگوں نے باہر کی رنگت کو دیکھ کر ایکدوسرے کو پائمال کرنے کے لئے وہ تھیوری گھڑلی ہے۔ جسکو کہ ریس تھیوری (Race Theory) کے نہایت ہی نامبارک اور منحوس نام سے پکارا جاتا ہے۔ اسٹریلیا کا جنگلی انسان اور اسٹریا کا مہذب انسان ایک ہی آباو اجداد کی نسل ہیں۔ مگر جیسے جنگلی انسان دھارمک سوسائیٹی سے الگ ہوکر وحشی بن گیا ہے۔ ویسے ہی مہذب انسان اس سوسائیٹی سے قطع تعلق کرنے کے باعث بہت کچھ دہرم ہین ہوکر مٹی میں پھنسکر رہگیا ہے۔ اس کا مٹی میں پھنس جانا ضروری تھا۔ کیونکہ وہ اسوقت تک یہی سمجھ رہا ہے۔ کہ میں مٹی سے ہی بنا ہوں۔ اور مٹی میں ہی واپس چلا جاؤں گا۔ اس غلط خیال کی بُنیاد پر وہ نہیں چاہتا ہو کہ اس کے جسم کو آگ کے سپرد کیا جاوے۔ اس خیال کی پیدائیش اُس زمانہ میں ہوئی۔ جبکہ انسان آتمک روشنی سے محروم ہوکر اندھیرے میں پھنس گئے یا یہ زمانہ وہی زمانہ ہے۔ جبکہ اودہر ویدوں کا سورج اوٹ میں آگیا۔ ادہر مختلف قصے کہانیوں کا جنم ہوا۔ یہ وہی زمانہ ہے۔ جبکہ بابا آدم مٹی سے بنایا گیا۔ اس زمانہ کو گزرے چھ سات ہزار سال سے زیادہ نہیں ہوے۔ اس عرصہ میں انسانی دُنیا بہت سی اُلجھنوں میں مبتلا ہوتی رہی۔ ان میں سے بہت بڑی اُلجھن اُسکی اپنی زندگی کے متعلق تھی۔ لوگ آتما کی حقیقت کو بھول گئے جسم ہی جسم ان کے سامنے رہگیا۔ وہ جسم پرست بنتے گئے۔ بھائی مرگیا ہے مگر وہ اس کے جسم کو اپنے سے علیحدہ نہیں کرسکتے۔ کیونکہ موہ کے بندھنوں نے ان کو اس جسم سے مضبوط باندھا ہوا ہے جسم سڑ گیا۔ مگر بندریا کی طرح وہ اس مُردہ کو اپنے گھر سے باہر نکالنا نہیں چاہتے۔ وقت آیا۔ کہ انہوں نے مُردوں

ہیں مختلف مصالح بھر کر گھڑوں میں رکھنا شروع کیا۔ پھر مُردوں سے پُر ہو گئے۔ آخر صندوقوں میں رکھ کر قبریں گاڑنے لگے۔ مگر قبر میں روشنی اور ہوا کے لئے روشن دان رکھ دیتے۔ جو لوگ زیادہ جاہل تھے۔ وہ یہ خیال کر کے کہ ہمارا مُردہ بھائی قبر میں اکیلا اداس نہ ہو جاوے۔ اُس کے ساتھ اسکی بیوی کو بھی دفن کرنے لگے۔ بیوی کے ساتھ اُس کے زیورات کا جانا ضروری تھا۔ پُرانے وقتوں کی ایسی قبروں میں سے اب تک زیورات نکل رہے ہیں۔ ہوتے ہوتے لوگ اس وہم میں مبتلا ہو گئے۔ کہ ہمارے بھائی کو قبر کے اندھیرے راستے سے گزر کر آسمانوں پر جانا ہوگا۔ وہ اس کے سرہانے دیا جلانے اور مرتے وقت اسکو روشنی دکھانے لگے۔ تاکہ راستہ تاریک نہ ہو۔ زمانہ جہالت کا یہ خیال ٹوٹی پھوٹی شکل میں برابر جاری چلا آیا۔ آخر بعض فرقے ایسے پیدا ہو گئے۔ جن کے نزدیک مُردہ کو جلانا گناہ کبیرہ سمجھا گیا۔ کیونکہ اُن کے زعم فاسد میں جب مُردے کو دبا دیا جاتا ہے تو آسمان کی طرف سے خاص دُوت آتے ہیں۔ جو اسکو از سرِ نو زندہ کر کے اُس سے مختلف سوالات کرتے ہیں۔ اور بعد ازاں اسکی لیاقت کے مطابق اُس کے لئے خوشی یا عذاب کا دروازہ کھولکر چلے جاتے ہیں مردہ زندہ ہو کر اس قیدخانہ میں اسدم تک قید رہتا ہے۔ جب تک کہ اس کا حساب کتاب نہیں چکایا جاتا۔ اس قسم کے توہمات میں پھنسکر لوگوں نے مُردوں کو بجائے جلانے کے گاڑنا شروع کر دیا۔ ان کے خیال کے مطابق یہ گاڑے ہوئے مردے اُسوقت تک برابر گڑے رہیں گے

حیکہ :- اِذَا الْعِثْرُ مَا فِی الْقُبُورِ - (پ ۳۰ - عدیت)

"کرید ا جاویگا۔ جو کوئی کہ قبروں میں ہو گا۔"

اس قسم کی کرید بازی اُسوقت کیجا دیگی۔ جبکہ آسمانی بادشاہ تمام لوگوں کا انصاف کرنے کے لئے دربار عام کریگا۔ دربار عام لگانے سے پہلے تمام مُردوں کو قبروں سے نکالا جاویگا۔ اس سے پہلے وہ مٹی میں ہی دبے پڑے رہیں گے۔ نہ ہی وہ دُنیا میں واپس آسکتے ہیں۔ کیونکہ:-

من وراھم برزخ الی یوم یبعثون (پ۱۸۔ مومنون)

"ان کے پیچھے اٹکاؤ ہے۔ جبدن تک کہ اُٹھائے جاویں (شاہ عبدالقادر)"

اُٹھاکر ان کے ہاتھ پاؤں سے گواہی لیجاویگی۔ اور خبر نہیں کیا کیا کچھ ہوگا۔ ہم نے ان مُردوں کو زندوں کے ہاتھ میں پہنسے ہوئے دیکھکر ترک اسلام میں اُنتیسواں اعتراض اس بارے میں کیا تھا۔ کہ وہی مُردہ اجسام کیونکر زندہ کئے جاسکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے اس اعتراض کے جواب ہیں۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ توکیا آپ لوگ سزا وجزا کے قایل نہیں۔ کیا جب آپ مرجائیں گے۔ تو کیا آریہ کا پرمیشور معطل ہو جائیگا یا تمہارے سرسوتی نام دھاری نے جھوٹ بولا ہے۔ جہاں کہا ہے دیکھو جواب نمبر ۲۲ اور کیا مرکر جی اُٹھنا غلط ہے۔ اور جنکو آرین جلاتے ہیں۔ وہ پھر نہیں اُٹھیں گے۔ اور کیا جب تمکو جلایا گیا۔ تو تم بالکل فنا ہو جاؤ گے؟ مجھے معلوم نہیں ہوسکتا۔ کہ تم کس مذہب کے آدمی ہو۔ کیونکہ تمام ایسے مذاہب جو خدا کے قایل ہیں۔ مُردوں کے جی اُٹھنے سے مُنکر نہیں۔"

ہاں! بڑا لمبا پیراگراف ہے۔ ہم پھر کہیں گے۔ کہ ہماری اعتراض کا یہ ایسا ہی جواب ہے۔ جیسے کوئی خر کے معنے کُتا بتائے۔ اے حضور! ہم سزا و جزا کے قایل ہیں۔ ہمارے جسموں کے ہلاک ہوتے سے پرمیشور معطل نہیں ہوسکتا۔ ہمارا آتما اور آتما کے گھر کے ذرات ازل سے پرماتما کے محکوم چلے آتے ہیں۔ اور ابد تک محکوم رہیں گے۔ ہمارے ہادی نے جھوٹھ نہیں بولا۔ اُس نے ہمیں ستیھنی سرشٹی کا حال بتایا ہے۔ اِس سرشٹی کا حال نہائیت ہی بھدے طور پر آپ کے جھوٹھ بلوانے والے اور مکر و فریب کرنیوالے اللہ میاں نے بھی لکھا ہے۔ ستیھنی سرشٹی کا مسئلہ ہمارا اور آپ کا مشترکہ ہے۔ ہاں ہم یہ پوچھتے ہیں۔ کہ جس جسم کو کیڑے مکوڑے کھا گئے۔ گدھوں۔ کتوں۔ بھیڑیوں نے کھا پی کر پاخانہ کے راستہ سے خارج کر دیا۔ یا جو جسم زمین میں دبایا جا کر خاک میں ملگیا۔ یا آگ میں جلایا جا کر ہوا۔ پانی۔ آگ۔ مٹی میں تقسیم ہوگیا۔ اور پھر ان ذرات کے ذریعہ کسی مسلمان کا جسم بنا۔ وہ پہلا جسم اللہ میاں قبروں میں سے کرید کر کہاں سے نکالیگا۔ ہم دوبارہ جنم پانے کے قایل ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک جلائے ہوتے جسم کو دوبارہ حاصل کرنیکا دم بھرنا محض ہوائی بات ہے۔ جب آپنے ہمارے اعتراض کو ہی نہیں سمجھا۔ تو جواب کیا خاک دیتے؟ اللہ میاں کی طرح چالبازی کرنے سے کیا حاصل! آپ صریحاً جانتے ہیں۔ کہ ہم کس مذہب میں تھے۔ مگر آپ دیدہ و دانستہ جاہل بن رہے ہیں۔ اس تجاہل عارفانہ کو ہمارے اعتراض سے کوئی علاقہ نہیں۔ نہ تم ہمارے اعتراض کا جواب دے سکو۔ نہ تمہارا پیچھا چھوٹے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ بابو صاحب! کہاں کے ریزے۔ اور کہاں کے ذرّے۔ ھو بکل خلقٍ علیم۔ کہیں بھی ہوں سبکو اکٹھا کر لیگا۔ کس طرح کریگا۔ اس کے جواب کے لئے اصول موضوعہ نمبر ا ملاحظہ ہو۔"

اگر ہر ایک جسم کے ذرات قبر کے اندر صندوق میں ہی مقفل پڑے رہیں۔ تب تو شائد اللہ میاں کو کوئی دقت پیش نہیں آئیگی۔ مگر جس صورت ہیں کہ ایک جسم کے ذرات ہوا۔ پانی وغیرہ کے ذریعہ معدنیات اور نباتات کی شکلوں میں سے گزر کر حیوانوں۔ انسانوں کے جسموں کے حصہ بن گئے ہوں۔ اس صورت میں اللہ میاں کو سخت دقت پیش آئیگی۔ نہ وہ آدم کا پہلا جسم بنا سکیگا۔ نہ زید۔ عمر۔ بکر کا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کے جسم کے ذرّات دوسرے جسموں کا حصہ بن چکے ہیں۔ لو! ہم مفصل طور پر بتاتے ہیں۔ ہیومن اناٹومی میں انسانی جسم کی چھان بین یوں کی گئی ہے۔ کہ انسان کے جسم میں کل تین قسم کے اجزا ہیں:۔

(۱) فلوئڈ یعنی رقیق (۲) سالڈ یعنی غلیظ (۳) ہارڈ یعنی سخت۔

(۱) بلڈ ۔۔ ۔۔ ۔۔ یعنی خون
(۲) کائل ۔۔ ۔۔ ۔۔ کیلوس
(۳) لمف ۔۔ ۔۔ رطوبت لمفاویہ
(۴) ڈرمک ٹشو ۔۔ ۔۔ جلدی مادہ
(۵) ایڈی پوز ٹشو ۔۔ شحمی مادہ
(۶) سیلوز ٹشو ۔۔ ۔۔ التحاقی مادہ
(۷) فائیبرس ٹشو ۔۔ وتری مادہ
(۸) مسکولر ٹشو ۔۔۔۔ لحمی مادہ
(۹) نروس ٹشو ۔۔ ۔۔ ۔۔ عصبی مادہ
(۱۰) وسکولر ٹشو ۔۔ ۔۔ عروقی مادہ
(۱۱) گلینڈولر ٹشو ۔ غدودی مادہ
(۱۲) پگمنٹ ٹشو ۔ لونی مادہ

(۱۳) کارٹیلیج ٹشو عضروفی مادہ | اوش ٹی اس ٹشو۔ عظمی مادہ

ہرایک کی مفصل کیفیت لکھنا تو مشکل ہے۔ ہاں ذرا خون اور عظمی مادہ کی کیفیت سُنئے۔ یہ مانا گیا ہے کہ انسان کے جسم میں جوانی کی حالت میں جبکہ وہ تندرست ہو۔ خون کا وزن ساڑھے سات سیر ہوتا ہے۔ گویا جسم کا آٹھواں یا دسواں حصہ خون ہوتا ہے۔ اُسکے کیمیاوی اجزا سُنئے۔ ایک ہزار حصہ خون میں:-

(۱) پانی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۷۸۴ حصہ

(۲) ایل بیومن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۷۰ حصہ

(۳) فائی برن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲ء۲ حصہ

(۴) چکنائی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱ء۴ حصہ

(۵) سُرخ دانے ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۳۰ حصہ

(۶) جمادات مثلاً کلورائیڈ آف سوڈیم
کلورائیڈ اف پوٹاسیم۔ فاسفوٹ اف سوڈا
لائم میگنشیا۔ آئرن سلفیٹ اور
کاربونیٹ اف سوڈا۔ } ۶ حصہ

(۷) اکسٹر یکٹو میٹر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴ء۶ حصہ

اسی طرح ہڈی کے سو حصہ کیمیاوی اجزا میں

حیوانی مادہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳۰ء۳۳ حصہ

معدنی مادہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶۷ء۶۶ حصہ جس میں ۵۴ء۳۴ء۶ حصہ

لائم (چونا) ہوتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ ہڈی سخت ہوتی ہے۔

اب ذرا غور فرما دیں کہ انسانی جسم کس چیز سے بنتا ہے۔
مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جسم انسان پانی۔ چونا نمک
پوٹاش وغیرہ معدنیات اور حیوانی ذرات سے جو بذاتہ معدنیات سے
حاصل ہوتے ہیں۔ مرکب ہے۔ جب اسکو جلا دیا گیا۔ تو جسم کا بڑا حصہ
یعنی پانی تو بخارات بنکر ہوا میں مل گیا۔ اور پھر پانی بن کر زمین پر
برسا۔ جبکو دوسرے آدمی یا جانور یا پودے پی گئے۔ یا جذب کر گئے
اور باقی اجزاء معدنیات علیحدہ علیحدہ طور پر خاک میں مل گئے۔ دریا
بُرد ہو گئے۔ یا ہوا سے اُڑ کر کسی کھیت میں جا پڑے۔ جہاں اُنہوں
نے کھاد کا کام دیا۔ اور پودوں کی جڑوں کے ذریعہ پہنچے جا کر پھل
پھول۔ وغیرہ کی شکل میں نمائیں ہو گئے۔ اور پھر یہی ذرات جو کسی
وقت ایک آدمی کے جسم کا حصہ تھے۔ کسی دوسرے آدمی کے جسم میں
پہنچے۔ اور اس کے جسم کا حصہ بن گئے۔ یا کوئی حیوان اُن کو کھا گیا
اور وہ حیوان اپنی باری میں انسان سے کھایا گیا۔ گویا ایک آدمی کے
جسم کے ذرات تحلیل ہونے ہوتے۔ ایک اور حیوان یا آدمی کے جسم کا
حصہ بن گئے۔ یا یوں کہو کہ ایک آدمی کے جسم کے ذرات بہت سے
آدمیوں کے جسم کے ذرات سے مرکب ہیں۔ جو کہ حیوانات یا نباتات یا
جمادات کی معرفت اس کے جسم میں آ گئے۔ اب فرض کیجئے اسرافیل میاں
کا بگلچی بگل بجاتا ہے۔ لوگوں کے زندہ ہونیکا وقت آ گیا ہے۔ دیکھنا
ذرا ایک طرف سے ایک لنگڑا آدمی میدان حشر میں ننگا آتا
ہے۔ وہاں وہ ایک مولوی کو بیٹھا دیکھتا ہے۔ اس کے پاس آ کر

وہ اس کے مُنہ پر طمانچہ کھینچ مارتا ہے۔ "تیری بُرے کی۔ نکال میری ٹانگ!!" مولوی صاحب لنگڑدین کی اِس مُوسویانہ حرکت کو دیکھ کر حیران ہیں "میاں تیری ٹانگ!! تیری ٹانگ!! تیری ٹانگ میرے پاس کہاں ؟" لنگڑدین دوسری طرف بھی چپت رسید کر دیتا ہے۔ "ارے مردود نکال!! نہیں تو ابھی تثلیث پوری کرتا ہوں" مولوی صاحب حیران ہو کر پوچھتے ہیں "میاں! عقل ٹھکانے ہے! میں نے تیری ٹانگ کب لی ہے" لنگڑدین جھٹ تثلیث پوری کر کے کہتا ہے "اب تو بھولتا ہے۔ تُو میری ٹانگ کھا گیا!! اب دینے سے انکار کرتا ہے" مولوی صاحب لاحول پڑھ کر کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں "میاں! میں تو نمازی آدمی ہوں۔ آدم خور نہیں ہوں۔ تم کچھ عقل کی بات کرو۔" لنگڑا کہتا ہے "ہاں! تو آدم خور تو نہیں ہے۔ مگر گوشت خور تو ہے۔! میری ٹانگ لا۔ ٹانگ!! دیکھ تو نے میری ٹانگ کھا لی۔ اور میں لنگڑا ہو گیا ہوں" مولوی صاحب پوچھتے ہیں "بھئی! میں نے تیری ٹانگ کب کھائی۔" منطقی لنگڑا کہتا ہے "دیکھ! میں تجھ سے سو برس پہلے مرا تھا۔ فلاں نے میرا جنازہ پڑھا۔ اور قبرستان میں گاڑ دیا۔ میری قبر پر کدو کی بیل اُگی۔ بیل کی جڑوں نے میرے جسم کے ذرات کو تحلیل کر کے پتوں میں تبدیل کر دیا۔ میرے جسم کا چونا۔ پوٹاش وغیرہ تمام مرکبات کو پھول وغیرہ کے اندر سے گذار کر کدو کا پھل بنا دیا تو عید کی رات کو اندھیرے مُنہ قبرستان میں آیا۔ اور کدو چرا کر لے گیا اور پکا کر کھا گیا۔ میری ٹانگوں کے ذرات خاصکر اس کدو میں ہی تھے وہ

ذرات تیرے جسم کا حصہ بن گئے۔ کیونکہ تو نے اس پھل کو ہضم کیا تھا (چپت لگا کر) لا! اب تو میری ٹانگ دے " ابھی لنگڑے کا فیصلہ ہونے ہی نہیں پایا۔ کہ ادھر سے ایک کانا سر ہو گیا ہے " میاں مولوی! یار ہمنے تو تجھے نمازی سمجھا تھا۔ مگر تو تو بڑا مرشد نکلا۔ دیکھ یار! تو میری ایک آنکھ کھا گیا اور میں کانا ہو گیا ہوں۔" مولوی پوچھتا ہے بھئی یہ کس طرح؟ کانا بولتا ہے " میری قبر پر بیری کا درخت اگا تھا۔ درخت کی جڑوں نے میرے جسم کے ذرات کو پھل۔ پتوں۔ شاخوں میں تبدیل کر دیا۔ کریمو چرواہے کی بکری ہر روز آتی اور اس درخت کی شاخوں کو کھا جاتی۔ اس طرح میرے جسم کے ذرات درخت کے ذریعہ اس بکری کے جسم کا حصہ بن گئے۔ تو نے اس بکری کو خرید لیا۔ کچھ مدت تک تو اسکا دودھ پیتا رہا۔ پھر اسکو ذبح کر کے کھا گیا۔ پس میرے جسم کے بہت سے ذرات درخت اور بکری کے ذریعہ تیرے جسم کا حصہ بن گئے۔ یار! باقی کے ذرے تو مل گئے ہیں۔ ایک آنکھ کے نہیں ملے۔ میں انکی تلاش میں تھا۔ کہ اتنے میں کمالا درزی بولا۔ کہ فلاں مولوی صاحب کی پیشانی میں تیرے ذرات جمع ہیں۔ اس سے مل۔ اور مطالبہ کر۔ بھلے میاں! لا! میرے جسم کے ذرات نکال! نہیں تو ابھی تیرا سر پھوڑتا ہوں" ان دونوں کا فیصلہ ابھی بیچ میں ہی ہوگا۔ کہ اتنے میں ایک بچہ کانوں کی تلاش میں پھرتا ہوا مولوی صاحب کے کان پکڑ لیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ " میرے کان کے ذرات نباتات کے ذریعہ تیرے اندر آ گئے ہیں۔ بھلا مانس ہے۔ تو دیدے۔ ورنہ ابھی کان کھینچ ڈالونگا" خیر!

اس قسم کے بیسیوں لوگ صاحب موصوف کے سر ہو رہے ہیں اور اپنے اپنے جسم کے ذرات لیکر چلتے بنتے ہیں۔ اب صاحب موصوف کو اپنے جسم کے اصلی ذرات کی تلاش میں دوسروں کے سر ہونا پڑتا ہے۔ غرضیکہ عجیب گڑبڑ مچتی ہے۔ مگر اس گڑبڑ کا ذمہ وار کون ہے؟ وہی میاں ہے۔ جو کسی مولوی کو یا قاصد کو مخاطب کر کے یہ کہہ رہا ہے۔ کہ :-

افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور (پ ۳۰۔ عدیت)

"کیا وہ نہیں جانتا اسوقت کو جبکہ کرید دے جاویں گے (مردے) جو قبروں میں ہیں"

نہ میاں! ہم اس کرید بازی کو نہیں جانتے۔ قبروں کو کریدنا کفن چوروں اور لگڑبگڑ وغیرہ جانوروں کا کام ہے۔ یا کسی بھلے مانس کا بھی؟

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "باقی یہ سوال کہ ایسا کبھی ہوا بھی۔ تو اس کے لئے اصول موضوعہ نمبر ۲ کو دیکھو۔ اور اپنی پرلے اور پرلے کے بعد ایشوری سرشٹی کا مضمون یاد کرو۔"

میاں! لاحول پڑھو! آپکی قیامت کو ایشوری سرشٹی سے کیا نسبت! اصول موضوعہ تو پھر دیکھیں گے۔ مبادا مریض جلدی ہی چل بسے پہلے آپکے مغالطہ کی نبض دیکھنی ضروری ہے۔ ایشوری سرشٹی میں مکتی سے واپس شدہ جیو جنم لیتے ہیں۔ مگر اللہ میاں کی سرشٹی میں تو تمام نیک و بد۔ اچھے گندے۔ کفن جھاڑ۔ کپڑے پھاڑ۔ قبروں

سے بھاگ نکلیں گے۔ یا بقول رسول اللہ۔

ثم ینزل اللہ من السماء ماء فینبتون

کما ینبت البقل (حدیث شریف)

"اللہ میاں آسمان سے پانی برسائیگا۔ اور اس سے لوگ اس طرح پیدا ہونگے۔ جسطرح کہ گھاس پات"

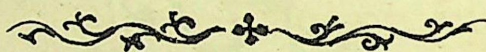
ایشوری سرشٹی میں شیوں کی پیدائش کسی کرم خوردہ ریڑھ کی ہڈی سے نہیں ہوتی۔ مگر بموجب حدیث شریف حشر کی پیدا وار ریڑھ کی ہڈی سے بھی مانی گئی ہے۔ ایشوری سرشٹی کے وجودوں کا جسم وہی نہیں ہوتا۔ جوکہ ان کا پہلی پیدائیش میں تھا۔ مگر اللہ میاں کے ہاں تو اُن ہی جسموں کو زندہ کیا جاویگا۔ جوکہ گل سڑ کر مذکورہ بالا گڑ بڑ کا باعث ہونگے۔ اگر کہو کہ اللہ میاں ان ہی جسموں کو زندہ نہیں کریگا۔ تو وہاں زید۔ عمر۔ بکر۔ کو یہ پتہ کیونکر لگیگا۔ کہ ہمارا رسول کونسا اور خلیفہ کونسا؟ اگر روح دوسرے جسموں میں جائیگی۔ تو اللہ میاں کو تناسخ ماننا پڑیگا۔ ایشوری سرشٹی اس لئے ہوتی ہے۔ کہ لوگ اعمال کریں مگر الٰہی سرشٹی میں تو اعمال ہی نہیں ہونگے۔ شاید کھیل تماشا ہی ہوا کریگا۔ اور سزا و جزا کا دروازہ بند ہو جائیگا۔ ایشوری سرشٹی کے لئے پرماتما کو قبریں نہیں کریدنی پڑتیں۔ کہ اگنی رشی کے ذرات کہاں ہیں۔ اور آدتیہ کے کہاں۔ مگر اللہ میاں کو تو قبریں کریدنی پڑینگی۔ غرضیکہ تمہاری آلہی سرشٹی کو ایشوری سرشٹی سے کوئی بھی نسبت نہیں ہے۔ اور یہ بات تو از سر تا پا لغو ہے۔ کہ بگل بجتے ہی

تمام انسان وحیوان اپنے اپنے جسموں کے ساتھ یکدم اُٹھ کھڑے
ہونگے۔ حیوانات کو تو جانے دیجئے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر وہی انسانی جسم
از سر نو بنجاوے گا۔ تو ذرا خیال تو کیجئے۔ کہ دُنیا میں آدمی کب سے آباد
ہیں۔ ہمارے حساب کے مطابق تو ایک ارب کئی کروڑ کئی برس سے
انسانی آبادی ہے۔ اِس اثناء میں بیشمار انسان وحیوان پیدا ہوئے
اور مرے۔ زمین کا وزن چند کواڈریلین ٹن سے ہرگز زیادہ نہیں
ہے۔ اور ایک ارب کئی کروڑ برس میں ٹریلین۔ کواڈریلین۔ کیا بلکہ
بیشمار انسان وحیوان پیدا ہوئے۔ اور تباہ ہوئے۔ اس کا اندازہ یوں
لگ سکتا ہے۔ کہ اگر ہم زمین کی موجودہ آبادی ایک ارب چند
کروڑ فرض کر لیں۔ تو یہ ماننا پڑیگا۔ کہ آج سے پانسو سال کے
اندر موجودہ متنفسوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں رہیگا۔ اور
انکی جگہ اُنکی اولاد یا نسل ہوگی۔ جب ایک ہزار سال میں دُنیا کے
کم از کم دو ارب کئی کروڑ آدمی۔ حیوان وغیرہ مرتے ہیں۔ تو اِس
حساب سے ایک ارب کئی کروڑ۔ کئی لاکھ۔ کئی ہزار سال میں آپ
دیکھ سکتے ہیں۔ کہ کتنے متنفس تباہ ہونگے۔ اگر ان میں سے ہم
پچاس آدمیوں کا بوجھ ایک ٹن فرض کر لیں۔ اور حیوانات کو
شمار نہ بھی کریں تو مرے ہوئے آدمیوں کا بوجھ کواڈریلین
ٹن سے بھی زیادہ ہو جائیگا۔ بنا بریں اگر ان مردہ آدمیوں حیوانوں
کے اجسام کے عناصر مختلف شکلوں کے اندر سے گذر کر دوسرے
انسانوں اور حیوانوں کا جسم نہیں بناتے۔ بلکہ وہ اسلامی قبر میں

محفوظ رہتے ہیں۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ پھر دوسرے اجسام کے لئے نئے ذرات
آتے ہیں۔ لیکن جس صورت میں کہ اب تک مرے ہوئے انسانوں اور حیوانوں
کے اجسام کے ذرات کا بوجھ زمین کے بوجھ سے بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ تو پھر نئے
ذرات کیا آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ پس یہ مسئلہ کہ قیامت کے دن وہی
تمام اجسام یکدم زندہ ہو جائیں گے۔ جو کہ اس دُنیا میں کبھی موجود تھے ہر ایک
پہلو سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ ہماری زمین کی ہوا۔ پانی مٹی
وغیرہ کے ذرات ایک مقررہ تعداد میں ہیں۔ ایک جسم بگڑتا ہے۔ تو اس کے
ذروں سے دوسرا جسم بنتا ہے۔ پانی اتنا ہی ہے۔ مگر کبھی وہ سمندر میں
چلا جاتا ہے۔ کبھی خشکی پر آجاتا ہے۔ ہماری رائے میں اگر اہل اسلام اپنے
مُردوں کو اسلئے قبروں میں گاڑتے ہوں۔ کہ وہ قبر میں جاکر زندہ ہو جاتے
ہیں۔ منکر نکیر ان سے سوال و جواب کرتے ہیں۔ انکو ثواب و عذاب دیتے
ہیں۔ تو ان کے لئے اور بھی ضروری ہے۔ کہ وہ اس ٹنٹے کو مٹانے کے
لئے مردوں کو جلانا شروع کر دیں۔ کیونکہ نہ مُردہ قبر میں جاوے۔ نہ منکر
نکیر آویں۔ نہ حور دیکھے۔ نہ کُتا بھونکے۔ الحمد الحمد خیر صلاح۔ اگر وہ اس لئے
گاڑتے ہوں۔ کہ قیامت کے دن تک یہ جسم صحیح و سالم رہیں گے۔ اور انمیں
دوبارہ جان ڈالی جاویگی۔ تو یہ سراسر لغو خیال ہے۔ اگر اللہ میاں اتنا
شوقین ہے۔ کہ وہ ان ہی جسموں کو زندہ کر کے خوش ہونا چاہتا ہے۔ تو وہ
جلائے ہوئے مُردوں کی راکھ کو زندہ کر کے دل خوش کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ
وہ ایسا کر سکے۔ اور کرنا چاہئے۔ ورنہ مردوں کو جلانا نہایت ہی ضروری
امر ہے۔ مرحوم شریمان پنڈت لیکھرام جی نے مُردہ جلانے کے متعلق ایک

نہائیت ہی دلچسپ رسالہ لکھا ہے۔ جو خاص و عام کے مطالعہ کے لائق ہے۔ ہم اس کا اوپر بھی ذکر کر آئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ اس ویدوکت صداقت کو جلدی ہی سمجھنے کی کوشش کریں کہ:-

वायुनिमत्त ममृतम थेदं भस्मान्तं शरीरम् ॥



ضروری نوٹ

جلد ہذا کے ص ۱۱ سطر ، کی پوری عبارت یہ ہے:-

"وہ ہاں اپنے سند کرموں کی بدولت گائے کے جنم میں آیا ہوا جیو اپنے اعمال کا ثمرہ بھگت کر دوسرے جنم میں اس سے اچھا مرتبہ پا سکتا ہے۔"

(مصنف)

ओ३म्

पुनर्मनः पुनरायुर्म आगन्पुनः प्राणः पुनरात्मा म आगन्पुनश्चक्षुः पुनः श्रोत्रम्म आगन्। वैश्वानरो अदब्धस्तनूपा अग्निर्नः पातु दुरितादवद्यात्॥ यजु॰ अ॰ ४ मं॰ १५

[illegible] سے علم وغیرہ نیک گنوں سے آراستہ من اور عمر نیک خیالات سے [illegible] اور آنکھ کان عطا ہوں۔ اے [illegible] ہمیں جنم جنم میں پاپ کے کاموں سے بچائیو۔

پانچویں فصل

اعتراض ۳۰

بنئے کی ترازو

پاؤں زخمی ہے۔ چلنے کو جی چاہتا ہے۔ مگر چلا نہیں جاتا ٹانگ زخمی ہے۔ بھاگنے کو دل چاہتا ہے۔ مگر بھاگا نہیں جاتا۔ ہاتھ اُڑ گیا ہے۔ بازو کٹ گیا ہے۔ روٹی سامنے پڑی ہے۔ کھائی نہیں جاتی سر کٹ گیا۔ جھگڑا مٹ گیا۔ دوسرے اعضا کے کٹنے یا روگی ہو جانے پر

تو پھر بھی زندگی کی اُمید باقی رہ سکتی ہے۔ گو وہ زندگی کیسی ہی ردی اور بے لبسی کی زندگی ہو۔ مگر سر کے کٹنے پر زندگی کہاں! اس قسم کے لنگڑوں۔ لُولوں لنجوں کی سینکڑوں مثالیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ وہ اپاہج ہیں۔ کچھ کر نہیں سکتے۔ در بدر بھیک مانگتے اور جھڑکیاں کھاتے پھرتے ہیں۔ دوربین شخص انکی حالت کو دیکھ کر جہاں ایک طرف اُنکی مناسب مدد کرتا ہے۔ وہاں وہ اپنے تندرست جسم پر نگاہ مار کر جسم عطا کرنیوالے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ لولا۔ لنگڑا انسان پورا انسان نہیں کہلایا جا سکتا۔ پورا انسان وہی ہے جسکو تندرست جسم کی گاڑی کو چلانیوالے گھوڑے اور گاڑیبان دونوں کی حالت اچھی ہو۔ ورنہ محض جسم کے تندرست ہونے سے انسان انسان نہیں بن سکتا۔ جسمانی تندرستی گدھے کو بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

بہرکیف انسان کا تمام ڈھانچہ ہمیں یہ سبق ضرور دیتا ہے۔ کہ ایک پرزہ کے بگڑ جانے سے تمام پرزوں کو کم و بیش نقصان پہونچتا ہے۔ جیسے ایک جسم کے ایک پرزے کے بگڑنے کا اثر دوسرے پرزوں پر پڑتا ہے۔ ویسے ہی بہت سے جسموں کے بہت سے پرزوں کے بگڑنے کا اثر انسانی سوسائیٹی پر پڑنے کے بغیر نہیں رہ سکتا انسانی سوسائیٹی کیا ہے؟ انسان کے جسم کی نقل ہے۔!! جسم کی رہبری کے لئے اعلےٰ دماغ کی ضرورت ہے۔ سوسائیٹی کی رہبری کے لئے اعلیٰ دماغوں کی ضرورت ہے۔ جسم کی حفاظت بازوؤں کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ کوئی لاٹھی مارتا ہے۔ تو انسان بچاؤ کے لئے پہلے

بازو آگے کرنا ہے۔ اگر بازو ہی ندارد ہیں تو بچاؤ مشکل ہے۔ مگر بازو کیا کر سکتے ہیں۔ اگر بازوؤں کو طاقت دینے والے اعضاء ان میں تازہ خون نہ پہونچائیں۔ علےٰ ہذالقیاس دوسرے اعضاء کی بھی سخت ضرورت ہے۔ اس تقسیم کے مطابق سوسائیٹی کو چلانے کے لئے برہمن۔ کھشتری۔ ویش۔ شودر کی ضرورت ہے۔ جس ملک کے لوگوں میں یہ تقسیم ٹھیک نہیں ہے۔ وہ مٹی کے تودے پر کھڑے ہو کر کتنا ہی تہذیب تہذیب کا شور کیوں نہ مچائیں مگر اُن کی حالت لولے۔ لنگڑے انسان کی حالت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ وقت تھا کہ آریہ ورت میں اس تقسیم کا خاص دھیان رکھا جاتا تھا۔ محض جسم کو نہیں دیکھا جاتا تھا بلکہ جسم کے مالک کا مطالعہ کیا جاتا تھا۔ سوسائیٹی کے محل کی دیوار میں وہ جس جگہہ لگائے جانے کے مستحق ہوتا تھا۔ وہاں لگایا جاتا تھا۔ مگر وقت آگیا۔ کہ لوگوں کے سامنے محض جسم ہی جسم رہگیا۔ اصلی چیز آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ برہمن لوگ سر کی بجائے پیٹ بن گئے۔ پیٹ پوجا نے برھم پوجا کی جگہہ لے لی پیٹ پوجا کروادو۔ جو چاہو کروالو۔ ایک وہ برہمن تھے۔ جنکو راجہ مہاراجہ راج پاٹھ کے بدلے بھی خرید نہیں سکتے تھے۔ ایک وہ برہمن ہیں جنکی قیمت چار لڈوؤں سے زیادہ نہیں ہے برہمن سستے ہوئے شودر مہنگے ہو گئے۔ روٹی پکوانے کے لئے شودر کی تلاش کروگے مشکل سے ملیگا۔ برہمن شودر جتنے چاہو لےلو

برہمنوں کی یہ حالت! کھشتری اِن سے بھی گر گئے۔ برہمنوں نے توشہ دروں کی پوست سنبھالی۔ مگر کھشتریوں نے ویشوں کو دھکا دیا کھشتری سے کھتری بنے۔ کھتری سے بنئے بنے۔ بنئے سے روڑے۔ گھوڑے۔ ڈھائی گھرے۔ کنکر۔ شنکر۔ ٹھٹھرے۔ چوپڑے۔ معلوم نہیں کیا اڑنگ بڑنگ بنتے چلے گئے۔ تلوار اُٹھانے کا بل کھو بیٹھے۔ ترازو کی ڈنڈی پکڑ کر رہ گئے۔ مگر اِن لوگوں نے ڈنڈی کو ہی تلوار بنالیا۔ بیبود ببلول کی طرح سینکڑوں۔ ہزاروں گھروں کو تباہ کر دیا۔ زمیندار ایک دفعہ ان کے پنجے میں پھنس جاوے سہی۔ پھر چھوٹنا محال ہے۔ کوڑی کا کروڑ بنا کر دکھا دیں گے۔ غریب کی جھونپڑی تک بھی قرق کروا لینگے گو انکی یہ دو پلڑی تلوار۔ انتقال ارضی کا بل پاس ہو جانے سے کسی قدر ڈھیلی پڑ گئی ہے۔ مگر یہ لوگ پھر بھی اسی کے ذریعہ زمینداروں کے راجہ بن رہے ہیں۔ انکی ترازو میں عجیب جادو بھرا ہے۔ کبھی نہیں سنو گے کہ ایک سیر برابر ہے پون سیر کے۔ مگر بنئے کی ترازو میں یہ طاقت ہے۔ کہ آدھ سیر کو سیر بھر دکھا دے۔ ترازو کے پلڑوں نے ہی اسکو دولتمند بنا دیا ہے۔ اگر اس کے پاس ترازو نہ ہو۔ تو اسکی دوکان چل ہی نہیں سکتی۔ وہ اس چیز کی اتنی قدر کرتا ہے۔ کہ صبح اُٹھتے کے ساتھ ہی اپنے بتوں کو دھوتا ہے اگر وہ زیادہ دھرمی ہوتا ہے۔ تو اُن کو تلک بھی لگاتا ہے۔ ان کی باقاعدہ آرتی کرتا ہے۔ اس کے لئے یہ ترازو بڑے ہی پروردگار ہیں۔ کیونکہ انکے ذریعہ ہی وہ کھاتا کھاتا ہے۔ اس سے ترازو چھین لو۔ تو وہ کوڑی کا نہیں رہیگا۔ درحقیقت آٹا فروش بنئے کے یہ ترازو کا ہونا ایسا ہی

ضروری ہے۔ جیساکہ اللہ میاں کے لئے! اگر اللہ میاں کے پاس ترازو نہ ہوتی تو قیامت کے دن اسکو سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑتا اللہ میاں کی ترازو کا حال سُنکر لوگ حیران ہونگے۔ کہ کیا اللہ میاں بھی آٹا فروش ہے۔ یا ہلدی فروش؟ مگر حیرانی کی ضرورت نہیں۔ جیسے موجودہ زمانہ کا بنیا اپنی اصلی جگہ سے گرکر دکاندار بنگیا ہے۔ ویسے ہی اللہ میاں بھی قیامت کے دن اپنی اصلی جگہ سے گرکر ترازو پر جُھک آئیگا۔ مگر بنئے کی ترازو کی طرح اسکی ترازو چھوٹی موٹی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کا ایک پلڑا تو مشرق میں ہوگا۔ دوسرا مغرب میں۔ اس میں تولا کیا جائے گا۔؟ لوگوں کے اعمال تولے جاویں گے! جس کے اعمال کا

فاما من ثقلت موازینہ (پ۳۰۔ قارعہ)

"وزن بھاری ہوجائیگا،" وہ تو چین اڑائیگا۔ اور

فی عیشۃ الراضیۃ (پ۳۰۔ قارعہ)

"خوشیاں منائے گا" مگر افسوس! اس انوکھی دوکان کی ترازو میں

واما من خفت موازینہ (پ۳۰۔ قارعہ)

"جس کے وزن ہلکے نکلے" وہ بیچارہ مارا گیا۔ نہ اُس کے لئے خوشی۔ نہ چین۔ بلکہ:۔

فامہ ھاویہ (پ۳۰۔ قارعہ)

"اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔" دوزخ بھی کیسا؟ کیا تم۔

وما ادراک ماھیہ

"جانتے ہو کہ وہ کیا بلا ہے" نہ بھگوان! ہم نہیں جانتے۔ لالہ جی وہ

نارٌ حامیۃ (پ ۳۰۔ قارعہ)

"بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی" آہ! جیسے بنیا ترازو کے ذریعہ غریب کسانوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ ویسا ہی اندھیر کھاتا کچھ یہاں پر بھی ہے اللہ میاں کتنا ہی کہے۔ کہ:-

والوزن یومئذٍ الحق (پ ۸۔ اعراف)

"اس دن کا تول ٹھیک ہوگا" مگر ہمیں اس کا رتی بھر اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ ہمیں وہ بنئے سے بھی بڑھکر چالباز معلوم ہوتا ہے اور اپنی مکاری۔ چالبازی کا خود ہی اقرار کر رہا ہے۔ جب وہ اس دنیا میں مکر و فریب سے باز نہیں آتا۔ تو ترازو لیکر کیا پوری پائیگا؟ نامی قاتلوں کو وہ چھوڑ دیتا ہے۔ جھوٹوں کو وہ چھوڑ دیتا ہے۔ نامی چوروں کو وہ چھوڑ دیتا ہے۔ برعکس اس کے سچ بولنے والوں عالموں فاضلوں کے وہ سر ہوتا پھرتا ہے۔ اس صورت میں انصاف کی امید کہاں! یہ "**سچی دکان**" کا دکھلاوا محض دکھلاوا ہی ہے ایسی دکانداری کو دیکھ کر ہمنے ترک اسلام میں تیسواں اعتراض کیا تھا۔ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے:-

مولوی صاحب فرماتے ہیں "جس آیت کا آپ نے حوالہ دیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:- ونضع الموازین القسط لیوم

القیمۃ فلا تظلم نفس شیئاً وان کان مثقال حبۃ آتینا بہا وکفی بنا حاسبین "

مجھے آپکی دیانداری پر کچھ شک ہے۔ جس آیت کا ہمنے حوالہ دیاہے۔ اُس کے قرآنی الفاظ یہ ہیں:-

ونضع الموازین القسط لیوم القیمۃ فلا تظلم نفس شیئاً وان کان مثقال حبۃ **من خردل** اتینا بہا وکفی بنا حاسبین (پ۱۷۔ انبیاء)

جن الفاظ کو ہمنے موٹا کردیا ہے۔ وہ آپ دبا بیٹھے خردل کے معنی "رائی" ہیں۔ آپ نے یہ خیال کرلیا ہوگا۔ کہ رائی کیا اور اعمال کیا! دونوں کا مقابلہ کیا! چلو میاں رائی کو اُڑا لو۔ بات بن جائے گی۔ کیا گاجروں کا آچار ڈالنے کے لئے تو اسکو نہیں رکھ چھوڑا !! میاں! دیانداری بہت اچھی چیز ہے۔

مولویصاحب فرماتے ہیں۔ وہ میرے خیال میں اس آیت کا ترجمہ ہی آپ نے سوال کو اُٹھا دینے کے لئے کافی سمجھا ہوگا۔ پس سُنو القسط کا لفظ الموازین سے بدل ہے۔ اس لئے اسپر نصب (زبر) ہے پس آیت کا ترجمہ یہ ہوا۔ کہ قیامت کے دن ہم انصاف سے ہر ایک کو اُسکے عملوں کا بدلہ دیں گے۔ اگر ایک ذرّہ کے برابر بھی عمل ہوگا۔ تو وہ بھی لے آئینگے۔ اور ہم خود ہی حساب کرنے کو کافی ہیں۔"

آپ کا یہ ترجمہ سراسر غلط اور لغو ہے۔ آپنے بات کو سمجھا تک نہیں

یوں ہی سیر کا سوا سیر کر کے دکھا گئے۔ پیشتر اس کے کہ ہم آپکی غلطی کو درست کریں۔ ہم آپکے ایک دو مخدوموں کا ترجمہ دکھا دیتے ہیں۔

ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب

اور رکھیں گے ہم **ترازوئیں** انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ایک ذرہ۔ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانہ کے۔ وہ ہم لے آویں گے اور ہم بس ہیں حساب کرنے کو،،

ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب

"بنہیم **ترازوئے** عدل را روز قیامت پس ستم کردہ نشود بر ہیچکس ستے و اگر باشد عمل ہم سنگ **دانہ سپنداں** حاضر کنیم آنرا وما حساب کنندہ بسیم،،

آپ نے جو چالاک بنئے کی طرح ہاتھ مارا ہے۔ اب اس کی حقیقت سُنئے آپنے **القسط** کو **الموازین** کا بدل سمجھا ہے۔ اس لئے کہ دونوں ہی منصوب (مفتوح) ہیں۔ یہ آپکی طفلانہ غلطی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ یا تو آپنے عربی گرامر کا مطالعہ نہیں کیا۔ یا دیدہ و دانستہ مغالطہ دے رہے ہیں۔ معمولی عربی دان بھی جانتا ہوگا۔ کہ اگر کسی فقرہ میں دو مفعول منصوب (مفتوح) آجائیں۔ تو وہ ایک دوسرے کا بدل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً اس فقرہ میں

احضرت زید اَنھراً

"میں نے زید سے نہر کھدوائی" زید اور نہر دونوں ہی مفتوح ہیں مگر کون مورکھ ہے۔ جو یہ کہدے کہ چونکہ نہر پر نصب (زبر) ہے

اِس لیئے وہ زید کا بدل ہے۔ یا چونکہ اِس فقرہ میں

اعلمت زیداً عمراً فاضلاً

"جتایا میں نے زید کو عمر کے تئیں فاضل" زید۔ عمر۔ فاضل تینوں ہی منصوب (مفتوح) ہیں۔ اِس لیئے یہ سب ایک دوسرے کا بدل ہیں!! ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ نضع الموازین القسط میں موازین مفعول ہیں فعل نضع کے موازین مفعول بہ ہے۔ اور قسط مفعول لہُ۔ مفعول لہُ بہ تقدیر لام منصوب (مفتوح) آتا ہے مثلاً ضربتہ تادیباً میں تادیباً مفعول لہُ ہے۔ اور بہ تقدیر لام منصوب ہے۔ ورنہ اصل میں ہے ضربتہ للتادیب یعنی مارا میں نے اُسکو واسطے ادب سکھانے کے۔ اِسی طرح نضع الموازین القسط میں قسط مفعول لہُ ہے۔ اور بہ تقدیر لام منصوب آیا ہے۔ ورنہ اصل میں چاہیئے تھا نضع الموازین للقسط یعنی جس دن رکھیں گے ہم میزان کو واسطے انصاف کے یا عدل کرنے کے۔ یا بہ الفاظ دیگر لوگوں کے اعمال کو وزن کرنے کے لیئے۔ کیوں میاں! آپ کا اصلی بات کو چھپانا اور کچھ اور ہی ظاہر کرنا صریحاً بھولے آدمیوں کو مغالطہ دینا ہے یا نہیں۔ اِن باتوں سے گھر پورا نہیں ہوا کرتا۔ علاوہ ازیں آپ اہلحدیث ہیں۔ اور اہلحدیث کا اپنے تئیں خادم ظاہر کرتے ہیں۔ تو پھر اپنی من مانی تاویلوں سے صحیح حدیثوں کو کیوں پس پشت پھینکتے ہیں۔ اپنے آپکو اہلحدیث کہہ کر اور اُسپر عمل نہ کر کے ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور کا نشانہ کیوں بنتے ہیں۔ ترازو کا ذکر حدیثوں میں موجود۔ اس کے پلڑوں کا ذکر موجود۔ اور پھر

انکار۔تعجب۔تعجب!! اچھا ذرا سن لو! عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔کہ حضرت نے فرمایا۔کہ اللہ تعالےٰ میری امت میں سے ایک شخص کو تمام لوگوں کے سامنے خلاصی دیگا۔اس کے سامنے ننانوے دفتر اعمالوں کے کھولے جاویں گے۔ایک ایک دفتر اتنا لمبا چوڑا ہوگا۔کہ جتنی دور تک نگاہ جاسکتی ہے۔اللہ کہیگا۔کیا تو اپنے اعمالوں سے انکار کرسکتا ہے۔یا کیا ہمارے لکھنے والے منشیوں نے تم پر ظلم کیا ہے۔کہ جھوٹھ موٹھ لکھ مارا۔وہ بولیگا۔اے خداوند امیرے لیئے جائے انکار نہیں۔پھر اللہ کہیگا۔ہاں ہمارے پاس تیری ایک نیکی موجود ہے۔اور ہم اس نیکی کے باعث تجھ پر آج کوئی ظلم نہیں کریں گے۔پس ایک کاغذ کا ٹکڑا نکالا جاویگا۔اور اس میں کلمہ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ لکھا ہوگا۔پھر اللہ کہیگا۔کہ اپنے وزنوں کو لا وہ کہیگا اے خداوند کریم۔اس ذرا سے پارہ کاغذ کی اتنے بڑے دفتروں کے مقابلہ میں کیا حیثیت۔اللہ کہیگا۔تجھ پر آج ظلم نہیں کیا جاویگا۔آں حضرت نے فرمایا۔فتوضع السجلات فی کفتہ والبطاقتہ فی کفتہ پس ایک پلڑے میں تو تمام دفتر رکھ دیے جاویں گے۔اور دوسرے پلڑے میں وہ پارہ کاغذ (کفتہ کے لفظ پر غور کیجیے جس کے معنے کفتہ المیزان یا ترازو کا پلڑا ہیں) فطاشت السجلات وثقلت البطاقتہ پس وہ دفتر ہلکے ہو جاویں گے اور پارہ کاغذ بھاری نکلیگا۔فلا یثقل مع اسم اللہ شئی۔پس نہیں ہے کوئی چیز بھاری اللہ کے نام سے۔اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے

روائیت کیا ہے۔ مشکوۃ شریف ص ۴۰۱"

دیکھا میاں! چالاک بنئے کی طرح کیسی **جھوک** ماری۔ ذرا سی پرزہ کو تمام لمبے چوڑے دفتروں سے بھاری کر دکھایا۔ اگر اب بھی اس بنئے پن میں کچھ کسر باقی رہ گئی ہو۔ تو بتا دیجئے۔

مولویصاحب فرماتے ہیں۔ "آج معلوم ہوا۔ کہ علاّم الغیوب نے اخیر فقرہ جسپر ہمنے خط دیا ہے۔ آپ ہی کے جواب کو بڑھایا ہے کیسا صاف اور صریح لفظوں میں خدا کا عالم الغیب ہونا بتلایا ہے۔ کہ ہائیدو شائید۔"

آپکا خط کشیدہ فقرہ یہی ہے نہ کہ "ہم خود ہی حساب کرنے کو کافی ہیں۔" اس سے الہ میاں کا عالم الغیب ہونا بنئے کی غیب دانی سے بڑھکر نہیں ہے۔ بنیا بھی تو اپنا بہی کھاتہ آپ ہی پرتالا کرتا ہے ہاں جیسے بڑے بڑے سیٹھ ساہوکار اپنے لئے منیب یا منشی رکھ لیا کرتے ہیں۔ ویسے ہی اس آسمانی سیٹھ کے ہاں منشی حساب کتاب کا کام سنبھالے بیٹھے ہیں۔ اور لوگوں کے اعمال لکھ رہے ہیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "چونکہ آپکو خدا کے رنج ولعب کا بہت ہی خیال ہے۔ اور رحم آتا ہے۔ اس لئے آپکو بتلاتا ہوں کہ آپکی اس تجویز سے آسان تر تجویز پہلے ہی قرآن بتلا چکا ہے۔ سنو یعرف المجرمون بسیماھم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ یعنی مجرم بدکار اس روز چہروں کے نشان ہی سے پہچانے جاویں گے۔ پس ماتھے اور قدموں ہی پکڑے جائیں گے۔"

کیا چہروں پر گناہ لکھے ہوئے ہونگے۔ یا کوئی خاص چٹ لگی ہوئی ہوگی؟ مجرموں کے ماتھے اور قدموں سے پکڑے جانیکی بھی ایک ہی کہی۔ میاں! کوئی چپڑاسی نوکر ہوگا۔ یا اللہ بہ نفس نفیس لوگوں کے قدموں کو ہاتھ لگاتا پھریگا۔ بھلا اگر کسی گھوڑے۔ گدھے کو قدموں سے پکڑنے لگا۔ اور اُسنے منہ پر دولتی جڑدی۔ تو میاں کے ہلدی کون لگائیگا اللہ میاں کے جس جس برگزیدہ پیغمبر نے قتل۔ جھوٹھ۔ چوری وغیرہ کے جُرم کیئے ہیں۔ اُن کو شاید ناک سے پکڑا جاوے گا۔؟ یا اُن کے جُرم ہی غت ربود ہوگئے۔؟ جُرم قدموں اور ماتھے نے کیئے تھے۔ یا اللہ میاں کی پھونک نے؟ اگر میاں صاحب عقلمند ہوں۔ تو پھونک کو پکڑتے پھریں۔ کیا بچوں کی سی باتیں گھڑ رکھی ہیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "ہاں ہم آپکو بتلاتے ہیں کہ اعمال کا اندازہ بھی ہوگا۔ مگر کیوں؟ ... ... اس لیئے ہوگا۔ کہ مجرموں کو کوئی عذر باقی نہ رہے۔"

اس لنگڑی تول سے مجرموں کا عذر دور نہیں ہوسکتا۔ اگر اللہ میاں کسی قاتل کو جہنم رسید کرنا چاہیگا۔ تو وہ عذر کردیگا۔ کہ پہلے حضرت موسیٰ کو جہنم رسید کیجئے۔ تب میں جاؤں گا۔ کیونکہ وہ بھی تو قاتل ہے اس کے ساتھ موسیٰ کے اُستاد میاں خضر کو بھی بھیجئے۔ کیونکہ پیر و مرید دونوں ہی قتل ناحق کے مجرم ہیں۔ اللہ میاں یا تو دونوں قاتلوں کو جہنم رسید کرے گا۔ یا تیسرے قاتل کو بھی چھوڑ دیگا۔ اسی طرح جھوٹھا آدمی حضرت ابراہیم کی طرف اُنگلی اُٹھاکر کہدیگا۔ کہ پہلے بڑے

میاں کو بھیجئے۔ تب میں جاؤں گا۔ اسی طرح اگر مکار۔ فریبی۔ چالباز دہوکہ باز کو جہنم میں پھینکے جانے کا حکم ملیگا۔ تو وہ جھٹ اللہ میاں کا دامن پکڑ لیگا۔ اور بسور کر کہیگا "اوں! اوں!! پہلے تو چل۔ تو تو میرا بھی مرشد ہے!!" اگر اللہ میاں ان لوگوں کا انصاف نہیں کریگا تو مجرموں کا عذر بدستور باقی رہیگا۔ اور آپ کو تو دم مارنیکا موقعہ بھی نہیں ہے۔ آپ میزان شریف کا خود ہی اقرار کر رہے ہیں۔ اور جن لوگوں نے آپ پر یہ بہتان باندھا ہے۔ کہ آپ اللہ میاں کی ترازو سے منکر ہیں اُن سے چڑکر آپنے اپنی قلم سے اپنے رسالہ کلام المبین صہ ۵۳ پر یہ لکھ ہی دیا ہے۔ کہ:-

خاندان غزنویہ نے مجھ پر یہ الزام لگایا۔ کہ میں نے اس حدیث کا خلاف کیا۔ اور وزن اعمال سے منکر ہوا۔ جو حدیثوں میں آتا ہے۔ سبحانک ہذا بہتان عظیم۔"

حدیثوں والا وزن وہی بنئے کی سی "جھوک" ہوگا۔ جس کا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ ویدبانی پر جو آپنے اعتراض کیا ہے۔ اسکو ہم اس کے اصلی موقعہ پر پیش کریں گے۔ خاطر جمع باشید۔

حکیم صاحب لکھتے ہیں "تم کیسے نادان ہو۔ کہ میزان کو مادیات میں منحصر سمجھتے ہو۔ میزان کو تم کیوں وسیع نہیں خیال کرتے۔"

اگر ان جلی کٹی باتوں سے آپکے کلیجہ میں ٹھنڈک پڑ جائے تو

مبارک! ہم تو بقول شخصے یہی کہیں گے۔

دشنام دو یا کوسو خوشی پہ ہے آپکی

رکھتے فقیر کام نہیں رد و کد سے ہیں

ہم نے تو میزان کو اتنا وسیع خیال کیا۔ کہ ایک پلڑا مشرق میں اور دوسرا مغرب میں پہونچا دیا۔ اگر اعتبار نہ ہو۔ تو لیجئے۔

"قیامت کی میزان مثل میزان دنیا کے دو پلڑے والی ہو گی اسکی ڈنڈی بھی ہوگی۔ ایک پلڑا دوسرے سے اتنی دور ہوگا۔ جتنی دور مشرق سے مغرب۔ اچھے اعمال کو اچھی شکل میں بنایا جاوے گا۔ بُرے اعمال کو بُری شکل میں۔ ایک طرف اچھے اعمال ہونگے۔ دوسری طرف بُرے وغیرہ۔ وغیرہ۔ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۹۵"

کہئے اگر اب بھی وسعت میں کمی ہو۔ تو ہم ذرا ڈنڈی کو اور بھی لمبا کر دا دیں۔ ہمارے ہاں نقصان تو رہتے ہی ہیں۔

حکیمصاحب فرماتے ہیں۔ "دیکھو۔ جب تم نے حساب پڑھا تھا۔ اسوقت تمکو جمع کی میزان۔ تفریق کی میزان۔ ضرب کی میزان تقسیم کی میزان۔ علم میں نہیں بتائی گئی۔ اس سے تم اندھے کیوں ہوئے اور کیوں میزان کی حقیقت میں غور نہیں کرتے۔"

میاں! ایک دو میزانیں چھوڑ گئے۔ وہ کونسی! حوروں کی میزان۔ غلمانوں کی میزان۔ اللہ میاں کی میزان۔ آسمانوں کی میزان فرشتوں کی میزان۔ گوپیوں کی میزان۔

میاں! تفریق۔ ضرب۔ تقسیم کی میزان کب سے ایجاد ہوئی

ہے؟ اگر ہم اندھے ہوتے۔ تو ہمیں صراح میں میزان کے یہ معنے
ہرگز نظر نہ آتے۔

میزان۔ بالکسر۔ ترازو۔ واصلہ موزان قلبت
الواوٗ بالیاء۔ (صراح)

اگر آنکھیں ہیں تو دیکھ لیجیئے۔ کہ میزان کے معنے ترازو ہیں یا
نہیں۔ رہا۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "تمہاری ستیارتھ میں لکھا ہے
'جب پاپ بڑھ جاتا ہے۔ اور پن کم۔ تو انسان کا جیو حیوان وغیرہ نیچ درجہ
کا جسم پاتا ہے۔ اور جب دھرم زیادہ اور ادھرم کم ہوتا ہے۔ تو دیو یعنی عالموں
کا جسم ملتا ہے۔ اور جب پن پاپ برابر ہوتا ہے۔ تو معمولی انسان کا جسم ملتا
ہے۔ ص ۲۳۳۔"

حضور! اس میں تمہارے اللہ میاں کے ترازو اور وزن کا ذکر
تو نہیں ہے۔ پھر خواہ مخواہ سر میں کھجلی کیوں اٹھی! تمہارے بوجھوں کا
ذکر ہو چکا۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ اب یہ بڑھنا گھٹنا پرمیشور کو
کس طرح معلوم ہوا۔ کیا یہ موازنہ نیکی اور بدی کا نہیں اور کیا پرمیشور نے اِن
اعمال کے لیئے میزانیں قائم نہیں کی ہیں۔"

پرمیشور عالم الغیب ہے۔ سبکی نیکی و بدی کو جانتا ہے۔ جنم جنمانتر
میں اعمال کا ثمرہ دیتا رہتا ہے۔ مگر اللہ میاں کو کیا سوجھی! کہ سب مقدموں
کو دورہ سپرد کر دیا۔ اور میزان لگا کر بیٹھ گیا۔ کیا آجکل اسکی ترازو کا پلڑا

ڈھیلا ہے۔ یا ڈنڈی ٹوٹ گئی ہے۔ اگر ٹوٹ گئی ہو۔ تو وہ ہمیں بتائے تاکہ ہم کسی لوہار نند کھان سے درست کروا دیں۔ بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے۔ کہ ایک شخص تو قیامت سے ہزاروں لاکھوں سال پہلے مر گیا۔ اور اتنا عرصہ دورہ سپرد رہا۔ دوسرا قیامت کے عین نزدیک ہی مرا۔ دونوں کا مقدمہ ایک ہی دن فیصل ہوا۔ پہلے پر اتنا ظلم کیوں؟ چاہئے تو یہ کہ ہر ایک شخص کو ساتھ ہی ساتھ اس کے اعمال کی سزا و جزا دی جاوے۔ مگر نہیں۔ اللہ میاں ایسا کیوں کرنے لگا۔ آج کل تو شاید اسکی ترازو کی رسیاں ٹوٹی پڑی ہونگی۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "اے ناوان تارک اسلام تجھ پر افسوس کس نے تجھے سکھایا۔ کہ تو آنیوالے غضب سے ان زبان کی چالاکیوں سے بچ جائے گا۔"

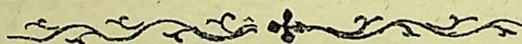
میاں! اگر تم یہی منہ پھٹ دھمکی کسی پوربئے کو دیتے۔ تو وہ تمہیں فوراً سنا دیتا۔ "ابے گیدی تو کا ڈراوت ہے! کا ہم توری باتن ناہیں سمجھت!" مگر ہم آپ کو اپنا پنجابی بھائی جان کر چھوڑ دیتے ہیں۔ ہاں تمہاری اس قسم کی دھمکیوں کو دیکھ ہمیں طامس بیکٹ (Thomas Becket) کی کہانی یاد آجاتی ہے۔ طامس بیکٹ بڑا دیانتدار شخص تھا۔ انگلینڈ کے بادشاہ ہنری دوم نے اسکو اپنا وزیر بنا لیا۔ بیکٹ نے بادشاہ کی ہر طرح مدد کی۔ مگر بعد ازاں بادشاہ نے بیکٹ کو کنٹربری کا ہیڈ پادری بنا کر ملک کا مذہبی پہلو اس کے سپرد کر دیا۔ بیکٹ نے اس عہدہ پر مامور ہوتے کے ساتھ ہی بادشاہ

کو اسکی ناجائز حرکات سے روکنا چاہا۔ بادشاہ گھبرایا۔ کہ میری بلی
مجھے میاؤں! چاہا کہ بیکیٹ اپنے ارادوں سے باز آجائے۔ مگر لاحاصل!
آخر ایکدن بادشاہ نے غضبناک ہوکر اپنے امراؤ وزراء کے سامنے
کہا۔ کہ کیا کوئی شخص بھی مجھے اس باغی پادری کے ہاتھ سے نجات
نہیں دلائیگا؟ بادشاہ کی بات کو پورا کرنے کے لیئے تین بزدل انسانوں
نے ملکر بیکیٹ کو قتل کردیا۔ مگر بادشاہ کو پھر بھی اندرونی عذاب سے
رہائی نہ مل سکی۔ آخرکار وہ اس بات پر مجبور ہوا۔ کہ بیکیٹ کی قبر پر جاکر سر
رگڑے۔ وہ اپنے جلدی میں لگائے ہوئے الفاظ پر سخت پشیمان ہوا
ہمنے یہ واقعہ اس لیئے لکھا ہے۔ کہ چونکہ تم بار بار ہماری ہلاکت کی پیشین
گوئی کررہے ہو۔ ممکن ہے۔ تمہارے اردگرد کے چیلے چانٹوں میں سے
کوئی بزدل مکار تمہاری بات کو پورا کرنے کے لیئے ہمارے ساتھ بھی
سلوک کرے۔ جو کہ بیکیٹ کے ساتھ کیا گیا۔ اگر ایسا ہوا۔ تو اس میں کچھ
شک نہیں۔ تم اپنی پیشین گوئیوں کے پورا ہونے پر پھولے نہیں سماؤگے
مگر دنیا میں تم سے بڑھکر کوئی مورکھ نہیں ہوگا۔ اگر تم ہمارے پر غضب
نازل کرنا ہے یہ سمجھ لو۔ کہ دھرم پال مارا گیا۔ اگر ہم تمہاری الہٰد
میاں کی پھونک ہوتے۔ تو شاید ہوا میں بلکہ ہی ختم ہو جاتے۔ مگر ہم وہ
چیز ہیں۔ کہ جسکو تمہارا الہٰدمیاں بھی نہیں مار سکتا۔ ہم نہیں چاہتے
کہ تمہاری ان گیدڑ بھبکیوں سے ڈرکر ہم عدالت میں بھاگے جائیں۔ یا
گورنمنٹ سے درخواست کریں۔ کہ وہ تمہارے گورو کی طرح تم سے بھی مچلکہ
لے۔ ہمارے نزدیک جیسے کسی معترض کے اعتراضوں کا جواب دینے کی بجائے

اسکی ہلاکت کی پیشین گوئی کرنا بزدلی۔ مکاری۔ نامردی۔ جہالت اور
گدھاپن ہے۔ ویسے ہی کسی دھرم کے معاملے میں پیشقدمی کرکے وید و
شاستر کی مدد کو پھینک کر عدالت میں بھاگے جانا بھی حماقت ہے۔

ہاں! تم سے جو کچھ ہوسکتا ہے۔ کرلو۔ اگر تمہاری اپنی قلم ٹوٹ گئی ہے
تو عدالت کی قلم سے مدد لو۔ اگر تمہیں وہاں سے بھی مایوسی ہوتی ہے
تو اس قلم سے اور اس سیاہی سے مدد لو۔ جس سے مدد لینے کا ٹیکا نواب
محسن الملک نے مسلمانوں کی پیشانی پر لگایا ہے۔ مگر ہمیں پورا
وشواس ہے۔ کہ ہم پھر بھی زندہ رہیں گے۔ بلکہ ہم اپنے اس پتا سے
جس کے امرت پتر ہونے کا ہمیں فخر حاصل ہے۔ مسرت بھرے دل سے یہ
پرارتھنا کریں گے۔ کہ :-

पुनर्मनः पुनरायुर्म आगन्पुनः प्राणः
पुनरात्मा म आगन्पुनश्चक्षुः पुनः
श्रोत्रम आगन। वैश्वानरोऽदब्ध-
स्तनूपा अग्निर्नः पातु दुरिता
दवद्यात ॥ ॥ ॥ ॥ ॥



यां मेधां देवगणाः पितरश्चोपासते। तया मामद्य मेधयाऽग्ने मेधाविनं कुरु स्वाहा॥
यजु० अ० ३२। मं० १४॥

"اے نورِ کل پرمیشور! جس عقل کی استدعا عالم گیانی اور یوگی لوگ کرتے ہیں۔ مجھکو آپ مہربانی کر کے اس عقل سے بہرہ ور کیجئے"

چھٹی فصل

اعتراض ۳۱

موٹی عقل

موٹی بھینس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ دُبلی پتلی بھینس سے زیادہ دودھ دیتی ہے۔ بھینس کا دودھ عقل اور جسم کو خوب موٹا کر دیتا ہے۔ جسم کا موٹا ہونا تو کسی حد تک اچھا ہے۔ مگر عقل کا موٹاپا چنداں قابل قدر نہیں ہے۔ پُرانے زمانہ کے رشی کھانے پینے کی فلاسفی کو بخوبی سمجھتے تھے۔ وہ کسی چیز کو محض اس لئے نہیں کھاتے تھے۔ کہ اس سے جسم موٹا ہو سکتا ہے۔ بلکہ اگر انکو یہ معلوم

ہوجاتا تھا۔ کہ فلاں چیز کے استعمال سے جسم کے موٹا ہونے کے ساتھ عقل بھی موٹی ہوجاتی ہے۔ تو وہ اُسکو ہرگز نہیں کھاتے تھے۔ لسن۔ پیاز گوشت وغیرہ تمام اشیاء جو غلیظ خون پیدا کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک متروک تھیں۔ بھینس کا دودھ گو متروک نہیں تھا۔ مگر وہ زیادہ تر گائے کے دودھ کا استعمال کرتے تھے۔ گائے کے دودھ سے غنودگی نہیں آتی مگر بھینس کا دودھ غنودگی پیدا کرتا ہے۔ اگر کسی شخص کو رات کے وقت نیند نہ آتی ہو۔ تو بجائے اس کے کہ وہ پوٹاشیم برومائیڈ کا استعمال کرے۔ اُس کو بھینس کے دودھ کا ایک پیالہ پی لینا چاہئے۔ بھینس کے دودھ کی چھاچھ افیون کی نسبت بہت سستی چیز ہے۔ اگر افیونی لوگ بجائے افیون کے اس کی چھاچھ کا استعمال کریں۔ تو ان کا رنگ بجائے زرد ہونے کے خوشنما ہو سکتا ہے۔ گو اس صورت میں افیون کی نسبت کسی قدر کم نشہ ہوگا مگر ہوگا ضرور۔ ہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ اُنکی عقل بھی ساتھ ساتھ ہی موٹی ہوتی جائیگی۔ مگر عقل کا موٹا ہونا خوشی کی بات نہیں ہے۔ موٹی عقل والا موٹی موٹی باتوں کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ بعض اوقات وہ اپنی موٹی عقل کی بدولت موٹی موٹی غلطیوں میں پھنس کر رونے لگ جاتا ہے اسکی حالت ٹھیک اس چھوکرے کی سی ہوتی ہے۔ جو کسی گنبد کے نزدیک جاکر گالیاں نکالنے لگا تھا۔ جب گنبد میں سے بھی گالیوں کی گونج اس کے کان میں پڑی۔ تو اُسنے سمجھا کہ گنبد میں کوئی چھپ رہا ہے۔ بنابریں اُسنے خوب زور زور سے گالیاں دینی شروع کیں۔ مگر جتنے زور سے وہ بولتا تھا۔ اور جو گالی وہ دیتا تھا۔ وہی گونج واپس آتی تھی۔ عقل تو

موٹی ہی تھی۔ آواز کی فلاسفی کو بھلا گیا سمجھ سکتا تھا۔ آخر سٹ پٹا گیا روتا ہوا باپ کے پاس گیا۔ اور کہا کہ فلاں گنبد میں کوئی شخص مجھے ماں بہن کی گالیاں دے رہا ہے۔ باپ بات بین تھا۔ تاڑ گیا۔ کہ موٹی عقل کا چھوکرا بات کو نہیں سمجھا۔ اپنی آواز کو ہی گنبد کی آواز سمجھ کر رو پڑا ہے۔ باپ نے اسکو آواز کی فلاسفی سمجھائی۔ تب کہیں اس کے دو ہڈ کو رسے ۱۱ بند ہوئے۔ یہ تو محض ایک چھوکرا تھا۔ مگر موٹی عقل نے بڑے بڑے لوگوں کو بھی شکار کر لیا ہے۔ کیا اگر کوئی اس چھوکرے کی طرح یہ کہے۔ کہ پہاڑ بولتے ہیں۔ یا پہاڑ کتاب پڑھتے ہیں۔ تو اسکی عقل چھوکرے کی عقل سے کم موٹی سمجھی جاوے گی؟ یا اگر کوئی سادھو پہاڑ کے نزدیک جاکر اپنی پوتھی پڑھنے لگے۔ اور اس کا دوسرا ساتھی پہاڑوں کو حکم دے۔ کہ:-

یجبال اوّبی معہ (پ۲۲ سبا)

"اے پہاڑو! (تم بھی) اس کے ساتھ رجوع سے پڑھو" (ترجمہ عبدالقادر)

تو کیا اسکی یہ بات سراسر چھوکرانہ نہیں ہوگی؟ یا اگر کوئی موٹی عقل والا آواز کی بازگشت کو نہ سمجھ کر یہ بول اٹھے کہ:-

اِنّا سخرنا الجبال معہ یسبحن بالعشی والاشراق

(پ۲۳۔ ص)

ہمنے پہاڑوں کو اس کے مطیع کر دیا۔ وہ صبح اور شام اس کے ساتھ اللہ سبحان کی تسبیح بولتے تھے"۔ تو کیا اسکی یہ غلط بات سراسر

طفلانہ نہیں ہوگی ؛ کیونکہ باریک عقل والا انسان جانتا ہے کہ پہاڑ بول نہیں سکتے۔ پہاڑ پڑھ نہیں سکتے۔ جس بات کو موٹی عقل والا پہاڑ وں کا بولنا سمجھتا ہے۔ وہ بولنے والے کی آواز کی ہی بازگشت ہوتی ہے اور بس۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کتاب کی بابت یہ کہے۔ کہ:۔

لو انزلنا ھذا القرآن علی جبلٍ لرائیتہ خاشعاً

متصدعاً من خشیۃ اللہ (پ ۲۸۔ حشر)

اگر ہم اس پڑھے جانیوالی چیز (قرآن) کو پہاڑ پر اوتارتے تو تم دیکھتے۔ کہ وہ اللہ میاں کے ڈر کے مارے دب جاتا۔ پھٹ جاتا،،

اگر یہ بات ٹھیک ہو تو اس کا امتحان اب بھی کیا جا سکتا ہے۔ کہ جس پوتھی کا وہ ذکر کرتا ہے۔ ہم اسکو پہاڑ پر رکھ۔ دیتے ہیں یا پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوکر الف سے لیکر ی تک اس پوتھی کا پاٹھ کر جاتے ہیں۔ اگر پہاڑ پھٹ جائے۔ اور کانپ کر گر پڑے۔ تو ہم سمجھ جائیں گے۔ کہ پوتھی میں پہاڑ کو گرانے اور پھاڑنے کی طاقت ہے۔ اور ہم بڑی خوشی سے ریلوے انجنیروں کو مشورہ دیں گے۔ کہ پہاڑ میں ریل کی سڑک بناتے وقت اگر انکو کہیں کسی چٹان کے اوڑانے یا سرنگ لگانے کی ضرورت پڑے۔ تو بجائے ڈائنامائٹ یا بارود کا استعمال کرنے کے اِس پوتھی کو وہاں پر رکھ دیا کریں۔ پہاڑ خود ہی پھٹ جائیگا۔ لیکن ہم جانتے ہیں۔ کہ یہ سب ہوائی باتیں ہیں۔ ہمارے نزدیک جیسے قبروں میں دبائے ہوئے مُردوں کی بابت یہ کہنا کہ:۔

یوم یخرجون من الاجداث سراعاً کانھم

الی نصب یوفضون (پ ۲۹۔ معارج)

"قیامت کے دن وہ قبروں میں سے اس طرح نکل کر بھاگیں گے۔ جس طرح کہ کوئی نشانہ پہ دوڑ کر جاتا ہے۔" سراسر غلط ہے۔ ویسے ہی یہ کہنا کہ قیامت کے دن۔

یوم تکون السماء کالمھل (پ ۲۹۔ معارج)

"آسمان ایسا ہو جائے گا۔ جیسا کہ پگھلا ہوا تانبا" محض طفلانہ بات ہے۔ ہاں یہ اور بھی موٹی عقل کی علامت ہے۔ کہ زمین کے قائم رہنے کے ساتھ پہاڑوں کی بابت یہ کہا جاوے کہ قیامت کے دن۔

یوم تکون الجبال کالعھن (پ ۲۹۔ معارج)

"پہاڑ ایسے ہوں گے۔ جیسے کہ رنگی ہوئی اون" اون کو ہوا کا ذرا سا جھونکا اڑا کر کہیں سے کہیں پہنچا سکتا ہے۔ مگر اس پہاڑی اون کو اڑانے کے لئے ہوا کہاں سے چلیگی۔ اور کیونکر یہ سینکڑوں میل لمبے چوڑے پہاڑ بیخ و بن سے اکھڑ کر زمین کے اوپر اڑتے پھریں گے۔ اگر کسی مولوی سے یہ سوال کرو۔ کہ پہاڑ کہاں جائیں گے۔ تو وہ جھٹ بول اٹھیگا۔

ینسفھا ربی نسفا (پ سورہ)

"ان کو میرا اللہ میاں فوراً اڑا دیگا۔" میاں! تمہارا اللہ میاں ان کو اڑا کر بھیجے گا کہاں؟ کیا زمین پر ہی رکھیگا۔ یا عرش پر اٹھا لیگا؟ نہ صاحب زمین پر تو نہیں رہیں گے۔ کیونکہ زمین کو تو اللہ میاں اسدن

فیذرھا قاعاً صفصفا لا تری فیھا عوجاً ولا امتا

"بالکل چٹیل میدان کردیگا۔ یہاں تک کہ تم اس میں ذرا بھی اونچان نیچان نہیں دیکھو گے۔"

پھر یہ جائیں گے کدھر؟ یا تو ان کے ساتھ زمین کو بھی اڑا دیتا تاکہ بالکل ہی صفائی ہو جاتی۔ مگر زمین تو رکھ لیگا۔ پہاڑوں کو کہاں بھیجے گا کسی مال گاڑی میں لاد کر آسمانوں پر بھیجے گا۔ یا جہنم میں پھینک دیگا؟ یا کیا؟ اِس پہاڑی اڈان کے متعلق ترک اسلام میں ہمارا اکتیسواں اعتراض تھا۔ ہمارے دوست حکیم صاحب تو حسب عادت طعن و تشنیع کرکے پہلو بچا گئے۔ ہاں دوسرے صاحب نے کسی قدر عقل لڑائی ہے۔ پڑھنے والے خود ہی جان جائیں گے۔ کہ ان کی عقل کتنی موٹی ہے۔ یا کتنی باریک!!

چنانچہ ہمارے اعتراض کے جواب میں

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "آپ کے اس سوال کا جواب خود قرآن شریف میں موجود ہے۔ پس اس سے بہتر کون کہہ سکتا ہے۔ بہتر ہے کہ اسی کو نقل کر دیا جاوے۔ پس سنو یسئلونک عن الجبال۔۔۔۔ الخ۔ اس آیت میں **آپکے بھائیوں مشرکین عرب** کا سوال نقل کرکے جواب دیا ہے۔ پس غور سے سنئے۔ خدا فرماتا ہے۔ کہ اے محمدؐ تجھے پہاڑوں کی بابت پوچھتے ہیں تو کہ میرا پروردگار اُن کو ایکدم اُڑا دیگا اور زمین کو چٹیل میدان کر دیگا۔ ایسا کہ اب ذرا بھی اس میں اونچائی تم نہ دیکھو گے۔"

بابعالی کے الفاظ کو ہمنے موٹی عقل کے مقابلہ میں موٹا کر دیا ہے ہم ان کا جواب کچھ نہیں دیتے۔ باقی رہا ہمارے سوال کا جواب۔ وہ اس آیت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ زمین تو صاف ہو گئی۔ پہاڑ کدھر بھیجدیئے اس کا جواب آگے آتا ہے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "اگر اب بھی نہ سمجھے ہوں
تو سنو! پہاڑوں کے پتھروں کو سمندر کی تہ میں ڈال کر یکساں سطح کیجاویگی"
ہمارا خیال ہے کہ اگر لسن۔ پیاز۔ گوشت کھانے سے عقل
باریک ہوجایا کرتی۔ تو شاید مولویوں جیسا عقلمند روئے زمین پر کوئی نہ ملتا
مگر ہم تو پہلے ہی کہہ آئے ہیں۔ کہ یہ چیزیں عقل کو موٹا کردیتی ہیں۔ میاں
مولوی! اس انوکھی ایجاد کو آپ پیٹنٹ کروا لیجیے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ یورپ
والے اس سے ناجائز فایدہ اوٹھالیں۔ اور پہاڑوں کو اٹھا اٹھا کر سمندروں
میں پھینک کر زمین کی سطح کو ہموار کرنے لگ جائیں۔ تاکہ ریل کی
سڑک بنانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ ہائے مولی عقل تیرا موٹاپا!!
میاں! آپ جواب تو لکھنے بیٹھے ترک اسلام کا۔ اور تمہاری اپنی ترک
(عقل)، اتنی موٹی۔ کہ پہاڑوں کو سمندر میں گرا کر زمین کی سطح کو ہموار
کرانے لگے۔ اگر جغرافیہ پڑھا ہوتا۔ یا کوئی کام کی کتاب پڑھی ہوتی۔ تو یہ
جواب کیوں دیتے۔ زمین کے پہاڑوں کو تو سمندر میں پھینک دوگے
مگر سمندر کے پہاڑوں کو کہاں پھینکوگے؟ یا حضور نے یہ وہم کرلیا ہے
کہ سمندر میں پہاڑ ہی ندارد ہیں۔ جب آپ کا اللہ میاں پہاڑوں کو
سمندر میں گرائیگا۔ تو سمندر کا پانی کہاں جائیگا؟ کیا اللہ میاں
اگست منی کی طرح اسکو خود پی جائیگا۔ یا کسی کو پلا دیگا؟ پہاڑ سمندر میں
گریں گے۔ پانی اوپر اٹھیگا۔ تمہاری ساری زمین غرق ہوجائیگی کیونکہ
یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ اگر کسی پیالہ میں پانی بھر کر اس میں کوئی ٹھوس
چیز پھینک دیجاوے۔ جو نیچے جا بیٹھے۔ تو پانی اوپر چڑھ آئیگا مثلاً

اگر لوہے کی دو فٹ لمبی اور ایک فٹ گول سلاخ کو چار فٹ لمبے اور ایک فٹ سے کسی قدر زیادہ گولائی والے برتن میں کہ جس میں دو فٹ تک پانی بھر گیا ہو۔ پھینک دیا جاوے۔ تو سلاخ مذکورہ بالا کے پانی میں پھینکے جانے پر پانی تقریباً دو فٹ اونچا چڑھ جائیگا۔ اگر اس دو فٹ کی اندر کوئی چیونٹی بیٹھی ہوئی ہو۔ تو وہ بھی پانی میں غرق ہو جائیگی۔ اب فرض کرو۔ کہ اللہ میاں کے فرشتے یا خود مولوی لوگ ہی مل ملاکر دُنیا کے پہاڑوں کو جمع کر کے ایک تین میل گول۔ دو ہزار میل لمبا ڈھیر بناکر تین میل گہرے۔ اور ہزار میل لمبے سمندر میں پھینک دیتے ہیں۔ اس گول گولے کے سمندر میں گرنے کے ساتھ ہی سمندر کا پانی اوپر اُٹھ آتا ہے۔ اور مولوی لوگ فرعونی لشکر کی طرح بیچ میں ہی ڈبکیاں کھاکر رہ جاتے ہیں۔ اللہ میاں دیکھتا ہوگا کہ میں نے تو زمین کو صفا کرانے کے لئے یہ کام کیا تھا۔ مگر زمین اور زمین والے تمام پانی میں ڈوب گئے۔ اب انصاف کس کا کروں۔ اس غرقا غرقی سے بچنے کے لئے ہم خود ہی ایک ترکیب بتا دیتے ہیں۔ وہ یہ کہ پہلے سمندر کا پانی خشک کیا جاوے۔ یہ اس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ میاں یاجوج ماجوج کی کھڑکی کھولدے۔ تاکہ وہ سمندر کے پانی کو پی جائیں۔ کیونکہ یاجوج ماجوج

فلا یمرون بماءِ الّا شربوہ (حدیث شریف)

"جس پانی پر سے گذریں گے۔ اُسکو پی جائیں گے" کیا تعجب کہ سمندر کو بھی چاٹ جائیں۔ مگر اس ترکیب میں ایک نقص ہے جسکی وجہ سے یہ رجسٹرڈ نہیں ہو سکتی۔ وہ یہ کہ یاجوج ماجوج اگر ستمنی

کی طرح سمندر کو پی بھی جائیں۔ تو اُن کے پیشاب کرنے پر وہی سمندر پھر بنجائیگا۔ ہاں اگر کسی طرح یاجوج ماجوج کا پیشاب بند کر دیا جاوے تو بات بن سکتی ہے۔ مگر یہ بھی مُشکل ہے۔ کیونکہ پیشاب پاخانہ نہ کرنا دنیاوی آدمیوں کی صفت نہیں ہے۔ بلکہ یہ بہشت والوں کی صفت ہے۔ کیونکہ بہشتی لوگ:۔

لا یتغوطون۔ ولا یبولون۔ ولا یتفلون (حدیث شریف)

نہ تو پاخانہ کریں گے۔ نہ ہی پیشاب۔ نہ ہی تھوکیں گے،،

اچھا تو پھر دوسری ترکیب یہ کرو۔ کہ سمندر کے پانی کو بخارات بنا کر اڑا دو۔ مگر اتنی آگ کہاں سے لائی جاوے۔ جس سے سمندر کا پانی بھاپ بنکر اُڑ جاوے۔ میاں یہ کوئی مُشکل بات نہیں ہے۔ آگ کی کیا ضرورت۔ سورج جو موجود ہے۔ کمنڈا اگر سورج کو پکڑ کر نیچے گرا لینا چاہیے۔ مگر اسکو رکھا کہاں جائیگا۔ اگر وہ سمندر میں گر گیا۔ تو وہ بھی بجھ جائیگا۔ نہ میاں! تم تو اہل حدیث ہو سُنو اِس حدیث سے مشورہ لو:۔

تدنی الشمس یوم القیامت من الخلق حتیٰ یکون منھم کمقدار میل (مشکوۃ شریف ص ۴۸۱)

قیامت کے دن سورج خلقت سے نزدیک ہونے لگے گا یہاں تک کہ وہ **ایک میل** کے فاصلہ پر ہو گا۔،،

بس صاحب! ایک میل کے فاصلہ پر سورج بھگوان کو رکھ دینا۔!۔ وہ خود ہی سمندر کے پانی کو بھاپ بنا کر اڑا دیں گے

مگر ایک میل کی بلندی پر سورج بھگوان کو کیونکر ٹکائیں گے ؟ ارے میاں ! ارارا ط کے پہاڑ پر جہاں حضرت نوح کی کشتی ٹھہری تھی۔ وہاں ہی ٹھیرا دینا۔ کیونکہ اس پہاڑ کی بلندی تقریباً ایک ہی میل ہے۔ مگر ایک دقت پھر پیش آئیگی۔ جب سورج میاں نزدیک آجائیں گے تو آدمی کیسے بچینگے۔ واہ! یہ بھی کوئی بات ہے۔ آدمیوں کو پسینا آجائیگا۔

فیکون الناس علیٰ قدر اعمالھم فی العرق

فمنھم من یکون الی کعبیہ ومنھم من یکون

الی رکبتیہ ومنھم من یکون الی حقویہ ومنھم

من یلجمہ العرق لجاماً (حدیث شریف)

یہاں تک کہ تمام آدمی اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں غرق ہوجائیں گے۔ بعض تو ٹخنوں تک۔ بعض زانوں تک بعض رانوں تک۔ بعض کے مُنہ میں پسینے کی لگام دیجا دیگی ۔،،

خیر! یہ بھی سہی۔ لیکن اگر پانی کے بخارات کرہ زمہریر میں جاکر پانی بنکر دوبارہ برسنے لگ گئے۔ تو پھر کیا ہوگا ؟ اجی میاں ! اللہ میاں فرشتوں کے ہاتھ میں ڈنڈے دیکر پہرہ لگا سکتا ہے۔ کہ پانی کا کوئی قطرہ نیچے نہ گرنے پائے۔ جب تک کہ زمین صاف نہ ہوجائے بھئی! یہ ترکیب بہت ٹھیک ہے۔ پھر تو زمین ضرور صاف ہوجائیگی۔ کوئی پوچھے۔ کہ سمندر میں پہاڑوں کو گرانے کے لئے مولویوں کو بیگار میں لگایا جاویگا۔ یا فرشتوں کو ؟ کیا معقول جواب دیتے ہیں !!

مولویصاحب فرماتے ہیں "اور یہ کب ہوگا؟ جب زمین سریع الحرکتی کیوجہ سے ایسی چلیگی۔ کہ ایک سے ایک ٹکرا کچور ہو جائیگا۔"

لو! یہ پھر لسن کی بو آئی!!! - میاں! کیا آپنے زمین کو سرکش گھوڑا سمجھ رکھا ہے۔ جو اگاڑی پچھاڑی لگا کر کیلے سے باندھ دیا گیا ہو؟ یا کیا اللہ میاں قیامت کے دن اسکی اگاڑی پچھاڑی کاٹ کر اسکو بھاگنے کی اجازت دیدیگا۔ کہ جا! بی! خوب دولتے لگا۔ پہاڑوں کو اُڑا دے۔ حضور! زمین تو اب بھی ایسی سریع الحرکت ہے۔ کہ آپکے اللہ میاں کے کیلوں کو بھی ساتھ ہی لیئے پھر رہی ہے۔ اور وہ ایک دوسرے سے رگڑ نہیں کھاتے۔ کچھ عقل ٹھکانے ہے!!

مولویصاحب فرماتے ہیں۔ اگر کچھ وضع مطلب چاہو تو یہ سمجھو۔ کہ پرلے کے قریب زمانہ میں بلکہ اسی زمانہ میں ایسا ہوگا۔"

یہ پھر لسن کی بو آئی!! میاں! پرلے میں تو نہ زمین رہیگی نہ سمندر۔ نہ پہاڑ۔ نہ اللہ میاں کی پالکی۔ نہ پالکی کے کہار۔ نہ مسلمانوں کی قبریں۔ نہ قبروں کے مُردے۔ نہ کچھ اور۔ بلکہ تمام مرکب چیزیں ذرات میں تحلیل ہو جائینگی۔ مگر آپکے ہاں زمین کو تو رکھ لیا پہاڑوں کو اُڑا دیا۔ رہنے دیا ہوتا۔ ان غریبوں کو۔ اتنے عرصہ تک اُنھوں نے زمین کو ہلنے سے بچائے رکھا۔ کچھ تو اُنکی خدمت کی قدر کرنی چاہئے۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں "ہاں یاد آیا! کہ پرلے کے وقت سب چیزیں فنا ہو جائینگی۔ تو ہمالیہ و دیگر پہاڑ کہاں جائینگے ہاں میں بھولا۔ الیشو میں گھس جائینگے۔ چیر۔۔"

میاں! اِس دفعہ تو غضب کا جھونکا اور غضب کی لپٹ چھوڑی!! ساتھ ہی خود بھی لوٹ پوٹ ہوکر تالیاں بجانے لگ گئے۔ کوئی پوچھے کہ تالی بجانیکا یہ ڈھنگ پاگلوں۔ دیوانوں کا ہے یا مولویوں کا؟ آپ ہی ایک بات کہہ کر اسپر تالی پیٹنا معلوم نہیں کس اسلامی سلطنت کا رواج ہے۔ آپنے کسی سے "چیرز" کا لفظ تو اُڑا لیا ہے۔ مگر اس کے معنے نہیں سمجھے۔ کہتے ہیں کہ ایک چوہے کو کہیں سے ہلدی کی گٹھی ملگئی۔ دکان کھول بیٹھا۔ سودا لینے والے سودا لینے آئے۔ جو کچھ وہ مانگتے۔ وہی ندارد۔ آخر موشک میاں دانت نکالکر۔ دُم اُٹھا کر۔ تالی بجا کر کہنے لگے۔ کہ تم ہلدی کی گٹھی کیوں نہیں مانگتے۔ مگر وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ کہ ہلدی کی گٹھی کس کام آتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ملکہ وکٹوریہ کی جوبلی منائی گئی تھی۔ اُسوقت انگریزی سلطنت میں جابجا جلسے کئے گئے۔ اور تقریریں ہوئیں۔ میں اُن دنوں میں .... کے ہائی سکول میں پڑھتا تھا۔ وہاں بھی جلسہ کیا گیا۔ ہمارے سکول کے تمام طلبا اور اُستاد اس میں مدعو کئے گئے۔ میر مجلس ایک ایسے شخص کو بنایا گیا۔ جو گو دولتمند تھا۔ مگر چنداں سمجھدار نہیں تھا۔ نہ ہی انگریزی دان تھا۔ جب جلسہ کی کارروائی ختم ہوگئی ہمارے سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا۔ کہ تھری چیرز فور دی پریزیڈنٹ۔ (پریزیڈنٹ کیلئے تین چیرز Three cheers for the President) حاضرین نے تالیاں پیٹنی شروع کیں۔ موٹے جسم اور موٹی عقل والے پریزیڈنٹ کو اتنا بھی علم نہیں تھا۔ کہ "چیرز" کسکو کہتے ہیں۔ اور یہ

لوگ کیوں تالیاں بجاتے ہیں۔ اُن سے رہا نہ گیا۔ وہ بھی اُٹھ کر تالیاں پیٹنے لگ گئے۔ ابھی اس نامعقول حرکت کو دیکھ کر طالبعلموں نے قہقہہ لگا کر کہا۔ کہ ونس مور (Once more) (ایک دفعہ پھر) مگر لالہ جی کب پیچھے رہ سکتے تھے۔ وہ سب کے ساتھ دوبارہ ہاتھ پیٹنے لگ گئے۔ طالبعلموں نے پھر (مکرر) (Once more) کہا۔ مگر ہیڈ ماسٹر صاحب نے اُنکو ڈانٹ دیا۔ کہ خبردار!! لیکن طلباء جانتے تھے۔ کہ موٹی عقل کے لالہ کی یہ چھوکرانہ حرکت ایسی ہی نامعقول تھی جیسی کہ اس مورکھ راجا کی جو پان کا بیڑا مُنہ میں دبا کر انگریزوں کے جلسہ میں گیا۔ وہاں میم صاحبان بھی تھیں۔ حاضرین اپنے اپنے کھیل تماشے میں مشغول تھے۔ مگر راجہ صاحب کو یہی فکر لگ رہا تھا۔ کہ میرے ہونٹوں اور زبان پر رنگ چڑھا ہے۔ یا نہیں بنا برین وہ کبھی تو اونٹ کیطرح زبان باہر نکال کر دیکھتا۔ کبھی ہونٹوں کو پکڑتا۔ میم صاحبان نے اسکی اس ابلہانہ حرکت کو دیکھ کر کہا (وٹ اے بگ فول) (What a big fool) (یہ کیسا مورکھ ہے!!) بانکے راجہ کے کان میں فول (پھول) کا لفظ پہونچا۔ دلجمعی ہوگئی۔ کہ ہاں اب تو میم صاحبان نے بھی پھول کہہ دیا ہے۔ ضرور ہی۔ کہ میرے ہونٹ پھول کی مانند سُرخ ہو گئے ہوں۔ گھر گیا۔ اپنے انگریزی دان وزیر سے پوچھا کہ لالہ جی! میم صاحبان ہمارے مُنہ کیطرف دیکھ کر کیا کہتی تھیں۔ وزیر تھا خوشامدی سمجھا۔ کہ اگر سچ بولتا ہوں۔ تو جان سلامت نہیں۔ بولا! حضور! آپکے مُنہ کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔ کہ "واہ! کیا ہی پھول سا ہے" راجہ نے کہا۔ ہاں صاحب! وہ تعریف کیوں نہ کرتیں

ہمنے سارا زور لگاکر کھینچ تان کرکے ہونٹوں کو رنگا تھا۔ کیونکہ ہم جانتے تھے۔ کہ ہیم صاحبان کے جلسہ میں سادہ ہونٹ بیٹھنا بُرا ہے۔ میاں لمبی! آپ یہ خیال نہ کریں۔ کہ چونکہ ایک انگریزی دان کے ساتھ مقابلہ آپڑا ہے اس لئے انگریزی لفظ ضرور استعمال کرنے چاہئیں!! نہ میاں۔ اگر آپ نہ بھی استعمال کریں تو بھی آپکے لئے ہمارا حسن ظن بنا رہیگا۔ پہاڑوں وغیرہ کے پرماتما میں "گھُسنے" کا لفظ کہکر آپ پیٹ کیوں اُٹھے۔ آپکے دماغ میں یہ بات کیوں نہ گھُسی۔ کہ اب کیا پہاڑ شیطان میں سمائے ہوئے ہیں۔ اب بھی تو اسی پرماتما میں موجود ہیں۔ مہاپرلے کی حالت میں بھی تمام کائنات ذرات میں تحلیل ہوکر اسی میں قائم رہیگی۔ یہ نہیں کہ زمین تو بچ جائے گی۔ اور پہاڑ ہوا میں اُڑتے پھریں گے۔ ہاں شاید آپ کو اپنے گھر کی بات نظر آگئی ہو۔ اور اسکو دیکھ کر آپ کھِل کھلا اُٹھے ہوں۔ وہ یہ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ کہ:-

یطوی اللہ السموات یوم القیامۃ ثم یاخذھن بیدہ الیمنی ویطوی الارضین بشمالہ (مشکوٰۃ ع۳)

"قیامت کے دن اللہ میاں آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ لے گا۔ اور زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں۔" اگر اللہ میاں اس دن پلصراط پر کھڑے ہوئے کسی مولوی کی بنوسکات کو دیکھ کر چیرز دینا چاہیگا۔ یا کسی مولوی کی طرح بجاتالی پیٹنا چاہیگا۔ تو زمین و آسمان اُسکے ہاتھوں سے گر پڑیں گے۔ شاید پھر شیطان لیکر چنپت ہو جائے۔ پیچھے پیچھے میاں صاحب آگے آگے شیطان۔ افسوس! ہمیں ایسے لوگوں سے واسطہ

پڑ رہا ہے۔ جو قدم قدم پر دل لگی اور ٹھٹھے بازی کر رہے ہیں۔ ہم نے ان دو مسلمانوں کی کتابوں کو باقی کی کتابوں پر اِس لئے ترجیح دی تھی۔ کہ اُنکی تحریر کسی قدر کم ناشائستہ ہے۔ عقلمند خود ہی اندازہ لگالیں۔ کہ جب اِن رسالوں کی تحریر کا یہ ردّی حال ہے۔ تو جنکو ہم نے ردّی میں پھینک دیا ہے۔ اُن کا کیا ٹھکانا!! ہمیں دلی رنج ہے۔ کہ ہم کہیں کہیں انکی ایسی گری ہوئی باتوں کا نوٹس لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ بھی محض اِس لئے کہ یہ لوگ گزشتہ را صلوٰۃ کہہ کر آئندہ کو ہی کچھ احتیاط کریں۔ اگر اسپر بھی یہ لوگ نہ سمجھیں۔ تو ہمارا کیا قصور۔ ہم تو ان کے لئے اور اپنے لئے یہی پرارتھنا کریں گے۔ کہ :-

यां मेधां देवगणाः पितरश्चोपास-
ते तया मामद्य मेधयाग्ने मेधा-
विनं कुरु स्वा ॥ ॥ ॥ ॥



ओ३म्

आकृष्णेन रजसा वर्त्तमानो निवेशयन्नमृतं मर्त्यञ्च। हिरण्ययेन सविता रथेन देवो याति भुवनानि पश्यन् ॥ यजु० अ० ३३। मं० ४३॥

ہر ایک برہمنڈ میں ایک ایک سورج ہے۔ جو روشنی دیتا اور بارش کرتا ہے۔ تمام جانداروں کی زندگی کا باعث ہے
سورج سب کو دکھلاتا ہے۔ تمام لوگوں کو کشش کرتا ہوا اپنے محور کے گرد گھومتا
ہے۔ اور کسی کرہ کے گرد نہیں گھومتا

ساتویں فصل

اعتراض ۳۲

گٹھ جوڑا

بچہ ہوش سنبھالتا ہے۔ والدین کو اسکے متعلق مختلف فکر و اندیشے ہوجاتے ہیں۔ لکھے پڑھے دھارمک والدین تو اُسکی آئندہ زندگی کو بہتر بنانے کی تجاویز سوچتے ہیں۔ وہ اسکی عادات کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اسکو بُرے لڑکوں کی صحبت سے بچاتے ہیں۔ گندی بات چیت اس کے کانوں میں نہیں پڑنے دیتے۔ مزید براں وہ اسکی

تعلیم کی طرف خاص دھیان دیتے ہیں۔ اگر ان کو اس بات کا تجربہ ہو۔ کہ عام سکولوں میں لڑکوں کی اخلاقی حالت بگڑ جاتی ہے۔ کیونکہ وہاں ان کے اخلاق کی طرف اتنی توجہ نہیں دی جاتی۔ جتنی کہ انکو طوطا بنانے کے لئے کوشش کی جاتی ہے۔ تو وہ اپنے لخت جگر کو کبھی بھی ایسے سکول میں نہیں بھیجیں گے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں۔ کہ ایسے کسی بھی سکول میں اُستاد وشاگرد کا باہمی تعلق چوبیس گھنٹہ میں سے محض چند گھنٹوں کے لیئے ہی ہوتا ہے۔ وہ تعلق گورو اور شِشّ کا تعلق نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ روپیہ اور مزدور کا تعلق ہے۔ مزدور کو مزدوری سے کام ہوتا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے یہ پڑھا لکھا مزدور اس فرض کو جانتا ہو۔ کہ اسکی اپنی غفلت یا کوشش کا اثر کتنے ہی آتماؤں کی آئندہ زندگی کو بگاڑنے یا سنوارنے میں ذمہ وار ہوگا۔ تو وہ اُن کو محض میاں مٹھو رام رام ہی نہیں کرائے گا۔ بلکہ اُن کے اخلاق کی طرف خاص دھیان دیگا۔ مگر افسوس کیا جاسکتا ہے۔ کہ چونکہ امتحان پاس کرانے کے لیئے کتابی بوجھ اُن پر زیادہ لادا جاتا ہے۔ اس لئے اخلاقی تعلیم کی طرف خواہ مخواہ ہی توجہ کم ہوجاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی کا دماغ تو کسی قدر بڑھ جاتا ہے۔ مگر دل سُکڑ جاتا ہے۔ برعکس اس کے جن والدین کو نہ تو اپنے بچوں کے دل کا خیال ہوتا ہے۔ نہ دماغ کا۔ وہ صرف یہی نہیں۔ کہ ان کو معمولی تعلیم بھی نہیں دلاتے۔ بلکہ عین ابتدا سے ہی اُن کے اندر خیالات فاسد کا میگزین جمع کرنے لگ جاتے ہیں۔ باپ اپنے بیٹے کے سامنے ہی اسکی ماں کو گندی مندی گالیاں

دیتا ہے۔ مارتا ہے۔ پیٹتا ہے۔ بکواس کرتا ہے۔ ان سب حرکات کا
اثر کم عمر مگر سمجھدار بچے پر ضرور پڑتا ہے۔ اسپر بس نہیں بلکہ جاہل ماں
اور بھی رنگ وروغن چڑھاتی رہتی ہے۔ کتنی مائیں ہیں۔ جو اپنے
بچوں کے کان میں شروع عمر سے ہی "بہوٹی" یا بیوی کا کلمہ نہ پڑھتی
رہتی ہوں؟ گویا وہ ماں اپنے چار برس کے لڑکے کو زہر نہیں دے
رہی جو اسکو کہتی ہے "بتا اللہ! تجھے کیسی بہوٹی چاہیئے" بچہ
نہیں جانتا۔ کہ یہ کس چیز کا نام ہے۔ وہ بھولے پن سے کہہ اٹھتا
ہے "مجھے تیرے جیسی بہوٹی چاہیئے" جاہل ماتا ہنس پڑتی ہے
مگر یہ زہریلی ہنسی بچے کو اور بھی گستاخ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ وہ
سمجھتا ہے۔ کہ میں نے کوئی اچھی بات کہی ہے۔ تبھی تو ماتا ہنس پڑی
وہ اسکو ہنسانے کے لیئے باربار وہی کلمہ منہ سے نکالتا ہے۔ بھلا
جس بچہ کے دل پر ماتا کی طرف سے اس قسم کے اثر ڈالے جاتے
ہوں۔ وہ اگر فورا بڑا ہوکر بدمعاشی کے کام نہ کرنے لگ جاوے۔ تو
سمجھو۔ کہ یہ کرامات ہے۔ مگر کرامات کی بجائے خرافات کا سلسلہ
شروع ہوجاتا ہے۔ اس سلسلہ کے بانی مبانی ماتا پتا۔ بعد ازاں
اس فکر میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ کہ لڑکا آوارہ ہوگیا ہے۔ اسکی
شادی کر دینی چاہیئے۔ لڑکا آوارہ نہیں ہوا۔ بلکہ آوارہ کردیا گیا
ہے۔ ماتا پتا نے خود شادی کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔ وہ لڑکے
کی خاطر نہیں لے تھے۔ بلکہ ان کو ملانیوالی کوئی اور ہی چیز تھی
لڑکا تو گویا بن بلائے مہمان (Univited guest)

کی طرح یونہی ان کے گلے پڑگیا۔ اگر وہ بن بلایا مہمان نہ ہوتا
تو میزبان اسکی اچھی خدمت کرتے۔ اسکو تعلیم و تربیت سے
آراستہ و پیراستہ کرتے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ کیوں نہیں ہوتا؟
اس لیئے کہ وہ آتما کی قدر و قیمت نہیں جانتے۔ بنا بریں وہ
اسکی آوارگی کو دور کرنے کے لیئے گٹھ جوڑے کی تجویز کرتے ہیں
اگر خوش قسمتی سے لڑکے کے خیالات بجائے آوارہ ہونے کے وسیع
ہونے لگ جائیں۔ علم و عقل کی طرف اسکی لگن لگ جائے تو بھی
بعض سور کھ والدین یہ خیال کر لیتے ہیں۔ کہ لڑکے کے خیالات
کچھہ بگڑ گئے ہیں۔ اب اسکی شادی کر دینی چاہئیے۔ اس قسم
کی تمام شادیاں بجائے شادی کے ناشادی کا باعث ہوتی ہیں جاہل
ماتا پتا اپنے بیٹے کو قبل از وقت خاوند بنا ہوا دیکھہ کر خوش
ہو سکتے ہیں۔ مگر انکی خوشی بے بنیاد خوشی ہے۔ وہ دولہا دلہن کو
دیکھ کر پھولے نہیں سمائینگے۔ اگر لڑکی یا لڑکے کا چہرہ مہرہ اچھا
ہے۔ تو دونوں طرف کے "سمدھی" گاؤں میں ڈھنڈورا پیٹتے
پھریں گے۔ کہ واہ! لڑکا کیا ہے۔ چودھویں رات کا چاند ہے
لڑکی بھی ماشاءاللہ بدر منیر ہے" وہ اسوقت کو نہیں جانتے
جبکہ اس

اذا خسف القمر (پ قیمه)

"چاند کو گرہن لگ جائے گا" گرہن لگنے پر وہ اپنا سر
پیٹتے پھرتے ہیں۔ وہی والدین جو یہ انتظاری کر رہے تھے۔ کہ

کب وہ دن آئے - جبکہ ہماری لڑکی یا لڑکے کا گٹھ جوڑا ہو۔
کب وہ دن آئے جبکہ

وجمع الشمس والقمر (پ ۲۹ - قیمتہ)

"سورج اور چاند کو جمع کیا جاوے" اسوقت وہی دولہا سر دُھنتے پھریں گے - سچ پوچھو تو انہوں نے سورج اور چاند کو کسی اعلےٰ مقصد کے لئے جمع نہیں کیا - بلکہ اسواسطے جمع کیا ہے - کہ وہ اپنی آب و تاب کو کھو کر

صارت اسودین مکورین (معالم التنزیل)

"بالکل سیاہ ہو جائیں" ان کے چہرے کی رنگت اُڑ جاتی ہے گلاب سا چہرہ زعفرانی رنگت اختیار کر لیتا ہے - آہستہ آہستہ وہ سیاہ ہونے لگ جاتا ہے - صرف اسی پر اکتفا نہیں ہے - بلکہ بقول عطار ابن یسار جیسے سورج اور چاند کو جمع کر کے قیامت کے دن

یقذفان فی البحر (معالم التنزیل)

"سمندر میں پھینک دیا جاوے گا" ویسے ہی یہ نیا جوڑا غم کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے - یا جیسے سورج اور چاند کو جمع کر کے قیامت کے دن

یقذفان فی النار (معالم التنزیل)

جہنم میں پھینک دیا جاویگا" ویسے ہی یہ لوگ بھی رات دن آتشِ غم میں مبتلا رہتے ہیں - خوشی کی چیز کو انہوں نے ضائع

کردیا۔ پھر اگر وہ جیتے جی جہنم رسید نہ ہوں۔ تو اور کیا کریں۔
مسلمان تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ قیامت کے دن جبکہ سورج اور
چاند کا گٹھ جوڑا کردیا جاوے گا۔ تو وہ دونوں ہی

نیطلعان من المغرب (اسلام التنزیل)

"مغرب سے طلوع کریں گے"، مگر مورکھ ماتا پتا کے ہاتھ سے
باندھے ہوئے بچوں کا جوڑا آہستہ آہستہ ایسا غروب ہونے لگتا ہے
کہ وہ ایک دفعہ مغرب میں جا کر ڈوبے اور پھر پتا ندارد۔ ان کی غروب
ہو جانے پر مورکھ انسان کلیجہ پکڑ کر۔

یقول الانسان این المفر (پ ۲۹۔ قیمۃ)

"وہ کہتا پھرے گا۔ کہ میں کہاں بھاگ جاؤں؟" میاں! تم
جہنم میں جاؤ۔ تم نے اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑا مارا۔ اب تم
کہتے پھرتے ہو۔ کہ میرا ٹھکانا۔

کلا لا وزر (پ ۲۹۔ قیمۃ)

"وہ کوئی نہیں۔ کہیں نہیں"، گٹھ جوڑا جہنم میں گیا۔ تم بھی ساتھ
ہی چھلانگ مارو۔ کیا تم نہیں جانتے ہو۔ کہ اس قسم کا گٹھ جوڑا اگر
سورج اور چاند کا بھی ہو۔ تو وہ بھی جہنم رسید ہی کیا جاتا ہے۔ بھلا
تمہارے نابالغ بچوں کا گٹھ جوڑا کیوں جہنم رسید نہ ہوتا۔ اب تم چپ
رہو۔ ہمارے دوست آ گئے ہیں۔ اور وہ ہمیں ہمارے اعتراض نمبر ۳
کا کچھ جواب سنانا چاہتے ہیں۔ ہاں صاحب بولئے! سنئے صاحب :-

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "جس آیت کا آپ نے

حوالہ دیا ہے۔ اس میں ہے جمع الشمس والقمر اس کے یہ معنی ہرگز نہیں۔ کہ چاند۔ سورج سے جا ملیگا۔ اسکے تو معنے ہیں۔ چاند او سورج جمع کیئے جائیں گے۔"

واہ! یہ تو بڑی بھاری غلطی پکڑی۔ اگائے تے گلے میں رسا تو نہیں پڑے گا۔ بلکہ رسا ڈال دیا جاوے گا۔ میاں ان متوسگافیوں سے کیا حاصل! سورج اور چاند کو جمع کیا جاوے گا۔ یا سورج چاند سے مل جائے گا۔ نتیجہ تو ایک ہی ہے۔ مگر آپ بھی کیا کریں۔ ڈوبتے کو تنکو کا سہارا!!-

حکیم صاحب فرماتے ہیں "اور جو تمنے ترجمہ کیا ہے۔ یکو خلاف قرآن مجید میں یہ لکھا ہے۔ اسے تمہاری تردید کی ہے۔ لا الشمس ینبغی۔ ۔ ۔ ۔ الخ سورج کو تو طاقت نہیں کہ چاند کو دبوچ لے۔ یا اس سے جا ملے۔"

میاں! ہماری تردید نہیں کی۔ اللہ میاں نے اپنی بات کی گلے پر آپ ہی چھری چلا دی۔ ایک جگہ تو یہ کہہ دیا۔ کہ سورج چاند سے نہیں مل سکتا۔ دوسری جگہ ان کو ملا دیا۔ کہیئے کون جھوٹا ہوا؟-

حکیم صاحب فرماتے ہیں "پس دونوں یوں تو جمع نہیں ہوتے۔ جیسا تمنے وہم کیا ہے۔ بلکہ ان کا اجتماع بعض صفات میں ہوتا ہے۔ مثلاً دونوں کا گرہن ایک مہینہ میں ہو جاوے۔"

بھلا ہمنے تو کیا وہم! مگر تمہارے بزرگوں کے سر پر کتنے ہاتھ پھیرا تھا۔ کہ وہ مخبوط الحواس آدمیوں کی طرح لکھہ گئے۔ کہ قیامت کے دن

سورج اور چاند کو جمع کر کے جہنم میں پھینک دیا جاویگا۔ یا دریا برد کر دیا جاویگا۔ اگر ہمارا اعتراض محض وہم ہی وہم ہے۔ تو وہ تمہارے بڑوں کے وہم کو دیکھ کر کیا گیا ہے۔ سورج اور چاند کا گرہن تو لگا ایک مہینے میں ۔ مگر قیامت کا دن جبکہ ان دونوں کا گٹھ جوڑا کیا جاویگا۔ ایک ہی دن ہوگا۔ وہ مہینا نہیں ہوگا۔ مہینے اور دن میں فرق ہے۔ چنانچہ جس آیت کا مہینے حوالہ دیا ہے۔ وہ قیامت کے دن کے متعلق ہے۔ اس کی اگلی پچھلی آیتوں میں بھی اس دن کا ذکر ہے۔ مگر ایک ہی دن سورج اور چاند کو گرہن کسی صورت میں نہیں لگ سکتا۔ پس تمہارا مغالطہ ازسرتا پا غلط۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں ۔ "چاند گرہن کے لئے تین تاریخیں جناب الٰہی نے مقرر کر دی ہے۔ تیرہ ۔ چودہ اور پندرہ قمری مہینے کی تاریخیں اور سورج گرہن کے لئے بھی تاریخیں مقرر ہیں۔ ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ ستائیس ۔ اٹھائیس ۔ انتیس ۔ چاند کی تاریخیں سنن اللہ میں مقرر ہیں ان کے خلاف نہیں ہوا۔ اور نہ ہوگا۔ اب جمع کی صورتیں تو بہت ہیں۔ انہیں سے جو اس زمانہ میں آیات اللہ کی طرح واقعہ ہوئی ہے۔ وہ یہ صورت ہے کہ ہماری کتب میں لکھا ہوا ہے۔ کہ مہدی کے زمانہ میں چاند گرہن پہلی رمضان میں اور سورج گرہن نصف رمضان میں ہوگا۔ اور یہ مہدی کا نشان ہوگا۔ چنانچہ ۱۳۱۱ھ میں رمضان شریف کی ۱۳ تیرہ تاریخ کو جو چاند گرہن کے لحاظ سے پہلی تاریخ ہے۔ اور اس رمضان کی ۲۸ اٹھائیس تاریخ کو جو سورج گرہن کے لئے درمیانی وقت ہے۔ اور تواریخ

سورج گرہن کے لحاظ سے نصف ہے۔سورج گرہن ہوا۔ اور یہ واقعہ ایشیا یورپ اور افریقہ کے لئے ظہور مہدی کا نشان ہوا۔ اور دسمبر ۱۸۹۵ء میں اسی طرح امریکہ میں گرہن ہوا۔ اور یہ دوسرا آسمانی نشان مہدی کا تھا۔ جو ظہور پذیر ہوا۔ اور وہ مہدی جس کا یہ نشان ظاہر ہوا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود ہیں صلوات اللہ علیہ وسلامہ "

جب آپ نے اپنی بات کو خود ہی کاٹ دیا ہے۔ تو ہماری شمشیر قلم کی کیا ضرورت! خیر! ہم کاٹے ہوئے کا ذرا اپریشن (Operation) کر دیتے ہیں۔ تاکہ کوئی شخص تمہاری پیچ پیچ والی عبارت سے لتھڑ کر حیران نہ ہو جائے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بعض اسلامی باتوں کو قانون قدرت کے ساتھ قدرتی دشمنی ہے مثلاً یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ اور اسٹرونومی کا صحیح مسئلہ ہے۔ کہ چاند گرہن فل مون (چودھویں رات کا چاند) کو ہوتا ہے۔ جو قمری مہینے کی ۱۴ یا ۱۵ تاریخ ہو سکتی ہے۔ اور سورج گرہن (New moon) یا اماوس کو ہوتا ہے۔ جو قمری مہینے کی آخری تاریخوں میں سے ایک یا پہلی تاریخ بھی جا سکتی ہے۔ اب ذرا دیکھئے اسلامی کتاب اس قانون کو کس طرح دانتوں میں لیکر توڑتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ہماری کتب میں لکھا ہے۔ کہ چاند گرہن پہلی رمضان کو اور سورج گرہن نصف رمضان کو۔ گویا سورج گرہن کے وقت تو چاند گرہن لگیگا۔ اور چاند گرہن کے وقت سورج گرہن لگیگا۔ یہ کب ہوگا؟ جبکہ امام مہدی کا زمانہ ہوگا۔ امام مہدی

کب ہونگے؟ قیامت کے نزدیک۔ قیامت کے نزدیک اور کیا کیا ہوگا؟
سورج مغرب سے نکلیگا۔ اور کیا؟ یاجوج ماجوج نکلیں گے۔ جو تمام زمین
پر پھیل جاویں گے۔ جس پانی پر جاوینگے۔ پی جاوینگے۔ تمام زمین
پر انکی حکومت ہو جاویگی۔ پھر وہ آسمان والوں سے لڑیں گے۔ چنانچہ
ان میں سے ایک

لیھز حربتہ الی السماء فترجع مخضبتہ بالدم

اپنا ہتھیار آسمان کی طرف چھوڑے گا۔ تو وہ خون آلودہ
ہوکر واپس آئیگا۔ پھر وہ کہیں گے۔

قد قتلنا اھل السماء

اب تو ہمنے آسمان والوں کو بھی فتح کر لیا۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ اور
کیا ہوگا۔ دجال نکلیگا جس کے ساتھ بہشت اور دوزخ ہونگے۔ اور کیا
ہوگا۔ دابتہ الارض

ایک جانور ہوگا۔ جو عجیب الخلقت ہوگا۔ جس کا ذکر ہو چکا۔ اور کیا
ہوگا؟ حضرت عیسیٰ آسمان سے اُتریں گے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔ کہ جن کا نہ
سر ہے نہ پیر۔ از انجملہ سورج اور چاند گرہن بھی خلاف قاعدہ واقعہ
ہونگے۔ مگر بقول ظریف۔ ع

اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی!

میاں حکیم نے اس بات کو گھسیٹ کر غلام احمد کے سر پر تھوپ دیا
گو اس مضمون کو ہمارے اعتراض سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر چونکہ آپنے
تعلق پیدا کرنا چاہا ہے۔ اس لئے اس میاؤں کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ حضرت نے فرمایا۔

(۱) میری اُمت میں مہدی پیدا ہوگا۔ اگر وہ کم رہا تو بھی سات برس رہیگا۔ ورنہ نو برس۔ ان کے زمانہ میں میری اُمت ایسی خوش ہوگی۔ کہ پہلے کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ اور زمین کا حال یہ ہوگا۔ کہ اپنا سارا میوہ اُگا دے گی۔ اور کچھ اُٹھا نہ رکھیگی۔ اور اُن کے زمانہ میں مال کی فزونی ہوگی۔" (ابن ماجہ صت ۳۴۵)

فرض کرو۔ غلام احمد مہدی ہے۔ تو اس کے لئے مہدی کے زمانہ کی شرائط پوری ہونی چاہئیں۔ یعنی اُمت کی خوشحالی غلہ کی پیدائیش۔ اور مال کی افزونی۔ مگر یہ تینوں باتیں ندارد مُسلمانوں کا جیسا خستہ حال ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے۔ ٹرکی میں الگ لڑائی ہے۔ افریقہ میں دھکے کھا رہے ہیں۔ ہندوستان میں قحط سالی اور پلیگ کا شکار ہو رہے ہیں۔ نہ ہی غلہ کی افزائیش ہے کیونکہ گزشتہ قحط ہمارے سب کے سامنے ہے۔ کہ ایسا قحط کبھی نہیں پڑا تھا۔ اور نہ ہی ایسی پلیگ ہندوستان میں آئی تھی۔ مال کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ فیصدی تھوڑے سے ہی مُسلمان ہونگے۔ جو مقروض نہ ہوں۔ ورنہ اکثروں کے نام بنیوں کے رجسٹروں میں درج ہیں معلوم ہوا۔ کہ آنحضور مہدی نہیں ہیں۔ ہاں! یکے از آئمۃ المضلین ہوں تو ہوں۔ کہ جنکا ذکر آنحضرت نے کیا ہے۔ اور اوپر لکھا گیا ہے۔ اور اگر آنحضور مہدی ہیں۔ تو واقعی بڑے سبز قدم ہیں۔ کہ پلیگ۔ قحط۔ اور تنگدستی کو ساتھ لائے۔ یا تو حدیث جھوٹی۔ یا

آپ جھوٹے۔ یہ آپ کا گھر کا معاملہ ہے۔ مسلمانوں سے مل کر فیصلہ کر لیجیئے۔

(۲) "مہدی اہل بیت میں سے ہے۔ اللہ انکو ایک رات میں خلافت کے لیئے تیار کریگا۔ (صفحہ ۳۴۶)

میرزا صاحب کی لائیف پر غور کریں۔ تو اُن کو سالوں تک مہدی بننے کے لیئے جنگ کرنا پڑا۔ اور خلافت پھر بھی مفقود۔ یہاں تک کہ باغ وغیرہ بھی بیوی کے نام ہو گئے حضور کی خلافت کا کیا کہنا ہے۔ اور حضور کی سلطنت کا کیا ٹھکانہ تین لوک کے مالک ہیں۔ گویا تری لوکناتھ ہیں۔ مگر وہ کون کون سے۔ تین بادشاہتیں یا تین ولائتیں یعنی ننگل کہارا کے تین گاؤں۔ اوہو! یہ تو بڑی بھاری حکومت ہے۔ مگر آمدنی کتنی ہے۔ مبلغ بیاسی روپیہ دس آنہ سالانہ۔ یا مبلغ چھ روپیہ۔ چودہ آنہ۔ دو پائی ماہوار۔ واقعی مال کی تو بڑی کثرت ہے اور بھی کچھ؟ ہاں صاحب! باغات کے مالک ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے ہیں۔ روشوں پر لیٹتے ہیں۔ باغ کی آمدنی کیا؟ کسی سال دو سو کسی سال تین سو روپیہ۔ سالانہ! آمدنی تو معقول ہے۔ مگر افسوس آنحضور اس فردوس کو بیوی صاحبہ کے نام رہن کر چکے ہیں۔ کیا کچھ محل بھی ہیں۔ ہاں! اگر آنحضور اپنے کسی محل کو کرایہ پر دیں۔ تو دو روپیہ کی آمدنی کرایہ سے ہو سکتی ہے واہ! واہ! بڑے بھاری خلیفہ ہیں۔ کیا اسی خلافت کے لیئے

اللہ نے اُن کو بھیجا ہے۔ اور اسی بات پر وہ مسلمانوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں! معلوم ہوا۔کہ آنحضور مہدی نہیں ہیں۔

(۳) "مہدی فاطمہ زہرہ کی اولاد میں سے ہوں گے یعنی بچے از سادات ہونگے (ص ۳۴۵)

کیا میرزا صاحب سید ہیں۔ اگر ہاں تو اپنا سلسلہ حسب ونسب فاطمہ زہرہ سے ملا کر دکھا دیں۔ اور ثابت کریں۔ کہ وہ بچے از اہل بیت رسول اللہ ہیں۔ مگر وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہمارے نزدیک وہ خاندان سادات میں سے نہیں ہیں پس یا تو یہ حدیث جھوٹھی ہے۔ یا آنجناب۔ گھر میں جا کر فیصلہ کیجئے۔

(۴) مہدی کا نام رسول اللہ کا نام اور اس کے باپ کا نام رسول اللہ کے باپ کا نام ہوگا (مشکوۃ شریف صفحہ ۴۷۰)

کیوں صاحب! یہ حدیث تو کہتی ہے۔ کہ مہدی کا نام محمد۔ ہونا چاہئے۔ مگر غلام احمد۔ کیوں۔ اور پھر مہدی کے باپ کا نام عبداللہ ہونا چاہئے۔ غلام مرتضے کیوں؟ معلوم ہوا۔ کہ یا تو یہ حدیث جھوٹھی ہے۔ یا آنحضور۔ گھر میں فیصلہ کیجئے۔

(۵) "اس کے عدل وانصاف سے زمین اور آسمان والے تمام خوش ہونگے۔" کیا حضور کے عدل وانصاف سے زمین و آسمان والے تمام خوش ہیں۔ ہرگز نہیں۔ آسمان والوں کا تو کیا کہنا۔ زمین والے بھی مقدمہ بازی کر کے حضور کو کچہریوں میں

گھسیٹے لئے پھرتے ہیں۔ اور بجائے خود انصاف کرنے کی عدالتوں کی طرف انصاف کے لئے دیکھتے ہیں۔ اور کتنے ہی اہل اسلام اُن کو وہ وہ صلواتیں سناتے ہیں۔ کہ توبہ ہی بھلی۔ کیونکہ وہ ان کے نزدیک مہدی نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ اور ہیں۔ پھر سب کی خوشی کہاں؟ پس حدیث اور آنجناب دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ مہدی۔ عیسےٰ دجال۔ یہ تینوں مختلف اشخاص کے نام ہیں۔ جو اہل اسلام کے نزدیک قیامت سے پہلے ظاہر ہونگے۔ مہدی تو عرب کی زمین پر۔ عیسیٰ علیہ السلام دمشقی منار پر سے نازل ہونگے۔ اور دجال کی بابت یہ حدیث مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۳ پر موجود ہے۔

ابی بکر سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ نے ہمسے کہا:۔

الدجال یخرج من الارض بالمشرق یقال لھا خراسان۔ یتبعہ اقوام کان وجوھھم المجان المطرقۃ۔

یعنی دجال اُس زمین سے نکلیگا۔ جوکہ مشرق کی طرف ہے۔ اور اُس کو خراسان کہتے ہیں۔ تابعداری کرے گی۔ اُسکی قوم کہ جن کے منہ سپر کی طرح چوڑے چپٹے ہیں۔"

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دجال اُن قوموں میں سے نمودار ہوگا۔ کہ جن کے چہرے چپٹے ہیں۔ جب ہم جغرافیہ پر نگاہ مارتے ہیں۔ تو ایسے لوگ منگولیا۔ مانچوریا۔ چین کے باشندے

نظر آتے ہیں۔ منگولی لوگ کہ جس سے مُنگل یا مغل نکلا ہے منگولیا کے نام پر ہیں۔ گویا منگولیا مغلوں کا مُلک۔ کیا کوئی بھی عقلمند مُسلمان کہہ سکتا ہے۔ کہ منگولیا کے باشندے منگول یا مُغل کہلائے جانے کے مستحق نہیں ہیں؟ اور کیا منگولیا اور اور مُغل کے ناموں کی باہمی مشابہت ظاہر نہیں کرتی۔ کہ مُغل کسی زمانہ میں منگولیا کے باشندے تھے۔ اور جتنے مغل آجکل ہندوستان وغیرہ ممالک میں ہیں۔ وہ اُن ہی منگولیا کے مُغلوں کی اولاد میں سے ہیں؟ پھر اگر دجال اُن چوڑے چپٹے مُنہ والے خراسان کے لگ بھگ بسنے والے لوگوں میں سے آئیگا۔ تو یہہ کہنا شائد غلط نہیں ہوگا۔ کہ وہ چوڑے چپٹے مُنہ والے اہل منگولیا یا مُغلوں کی اولاد میں سے ہونا چاہئے۔ نہ کہ رسول اللہ کے اہل بیت یعنی سادات میں سے۔ اگر میرزا صاحب ایک آنکھ سے محروم ہوتے تو شائد مُسلمانوں کے نزدیک اُنکو دجالیت کا ہی عُہدہ مِلگیا ہوتا۔ مگر اب تو یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دجال ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ اور یہ صفت جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ انہیں نہیں پائی جاتی۔ پس حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نہ تو امام مہدی ہو سکتے ہیں۔ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ نہ دجال علیہ اللعن۔ کیونکہ ان میں وہ صفات ہرگز نہیں پائی جاتیں جو کہ حدیثوں میں بیان کی گئی ہیں۔ مگر حکیم صاحب کا اُنکو مہدی اور عیسیٰ موعود کہنا سراسر غلط ہے۔ کیونکہ مہدی اور مسیح موعود دو

مختلف اشخاص ہیں۔ جن کا نزول کے بعد وگیر قیامت کی نزدیک فرض کیا گیا ہے۔ ہاں اگر حکیم صاحب اپنے آپکو تو امام مہدی اور میرزا صاحب کو مسیح موعود۔ اور اگر مرزا کے حواریوں میں سے کوئی کانا آدمی ہو۔ اُس کو دجال بناکر۔ پھر غل غپاڑہ شروع کریں۔ تو شاید اُن کے ہاتھ پلّے کچھ پڑ جائے۔ ورنہ یوں ہی ٹکے سیر شور شرابہ مچانیکا کیا فائدہ !! خیر مارا چہ ازیں قصہ کہ دجال آمد و خرش مُرد۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔

"بابو صاحب! آپنے اور۔ تو جو کچھ کیا۔ سو کیا۔ مگر یہ کیا غضب کیا۔ کہ اپنی باگ بالکل سوامی دیانند کے ہاتھ میں دے رکھی ہے۔"

سوامی دیانند تو عاقل تھا۔ عالم تھا۔ فاضل تھا۔ اگر ہمنے اپنی باگ اس کے ہاتھ میں دیدی۔ تو ہمیں گھاٹا نہیں پڑیگا مگر آپ اپنے العدمیاں کی سُنائے۔ اسنے اپنی باگ بائبل کے ہاتھ میں کیوں چھوڑ رکھی ہے۔؟ اور کیوں بے تکی چھوڑ رہا ہے؟ کوئی پوچھے۔ کہ العدمیاں کو عیسائیوں۔ یہودیوں۔ پارسیوں یونانیوں کے ہاتھ میں اپنی باگ پکڑانے کی کیا سوجھی؟ اگر ایسا ہی کرنا تھا۔ تو وہ ہندوستانیوں سے صلاح مشورہ تو کرلیتا۔ شاید اس کے ہاتھ اُپ نشد۔ شاستر۔ درشن۔ وغیرہ ہی لگ جاتے۔ مگر وہ تو جو کام کریگا۔ دوسرے کی دیکھا دیکھی ہی کرے گا۔ اگر کسی سے صلاح بھی لیگا تو مانیگا نہیں۔ فرشتوں نے بہتیرا سمجھایا۔ کہ آدم کو

مت بنا۔ وہ خون بہائیگا۔ مگر اللہ نے چونکہ اپنے حبیب کو پیدا کرنا تھا۔ اس لئے اُنکی ایک نہ سُنی۔ آخر شد آنچہ شد۔"

مولویصاحب فرماتے ہیں۔ "مطلب آیت کا بالکل صاف ہے۔ کہ پرے (نفخہ اولے) کے وقت سب دُنیا پر اندھیرا ہو جاویگا بس سمجھئے۔ کہ عقل بڑی یا بھینس ؟"

مولوی صاحب! ایسی عقل سے تو بھینس ہی بڑی معلوم ہوتی ہے۔ کہ جس عقل سے آپ یہ کہیں۔ کہ پرے (نفخہ اولے) کے وقت تمام دُنیا پر اندھیرا ہو جاویگا۔ کہاں پرلے اور کہاں نفخہ اولی۔ بھینس بھی اپنے گھاس۔ چارے کو پہچان لیتی ہے اور اپنے کٹڑے اور گائے کے بچھڑے میں تمیز کر لیتی ہے۔ مگر آپ معلوم نہیں **پرے** اور **نفخہ اُولے** میں کیوں تمیز نہیں کر سکے۔ حضور۔ سُنئے۔ پرے کے وقت بگل بجانے کے لئے کوئی بگلچی مقرر نہیں ہے۔ کہ دن۔ ٹو۔ تھری چلو جی۔ تروں۔ تُروں کی آواز شروع۔ اور تمام مر گئے۔ اور بعض زندہ رہگئے اور دوسرا بگل۔ تو سب کے سب محشور دن۔ حفاۃً۔ عراۃً عزلا۔ ننگے پاؤں۔ ننگے بدن۔ اور بغیر ختنہ کئے اُٹھ بھاگے بھلے مولوی کیا آپنے مشکوٰۃ کا صفحہ ۴۸۹ نہیں پڑھا۔ پھر بتائے۔ کہ اگر اللہ کو قیامت کے دن بغیر ختنہ کے پیدا کرنا منظور ہے۔ تو اِس دُنیا میں ختنہ کرنے کی کیوں تکلیف دی جاتی ہے ورنہ ماننا پڑے گا۔ کہ جب قیامت کے دن بغیر ختنہ کے پیدا ہونے

توبہشت والوں کا جوکہ اہل اسلام ہونگے - دوبارہ ختنہ کرنا پڑے گا۔ اصلی اعتراض کو تو آپ نظر انداز کر گئے۔ کہ قیامت کے دن سورج اور چاند کو کیوں جمع کیا جاویگا۔ دوسرے ستاروں کو کیوں نہیں ملایا جاوے گا۔ کیا اللہ میاں اُن کو گٹھڑی میں باندھ کر عرش کے نیچے سرہانے رکھ لیگا؟ یا ان میں سوراخ کے بلوروں کی طرح بہشتیوں کے کانوں میں لٹکا دیگا۔؟ یا زمین میں دبا دیگا۔ یا اُن کو بھی گٹھ جوڑے کے ساتھ جہنم میں پھینکدیگا۔؟ یا دریا برد کر دیگا۔ یا زمین میں دبا دیگا۔ یا کیا کرے گا؟ غریب اللہ میاں کو ان ہی دو چراغوں کا پتہ تھا۔ اِن ہی کو لپیٹنے کی سوجھی۔ اگر اسکو یہ پتہ ہوتا کہ کئی سورج اور چاند ان کے علاوہ بھی ہیں۔ تو شاید گٹھ جوڑے کا حکم کبھی نہ دیتا۔ اگر سورج نہ رہے تو اُسکے ساتھ والے کرہ بھی نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ زمین چاند و دیگر کُروں کو سورج ہی کشش کئے رکھتا ہے۔ جب اُنکو ہی لپیٹ دیا جاویگا تو اللہ میاں اندھیرے میں حساب کتاب کس طرح کرے گا۔ اور تمام جاندار و بیجان شئے قیام کا کیا بندوبست کرے گا۔ کیونکہ زمین اور زمین والے سورج کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ معلوم ہوتا ہے اللہ میاں اس ایشور یہ گیان سے بے خبر ہے۔ کہ :-

आकृष्णेन रजसा वर्त्तमानो
निवेशयन्नमृतं मर्त्यंच हिरण्ययेन सवि-
ता रथेन देवो याति भुवनानि पश्यन् ॥

ओ३म्

यां मेधां देवगणाः पितरश्चोपासते। तया मामद्य मेधयाऽग्ने मेधाविनं कुरु स्वाहा॥

यजु० अ० ३२ मं० १४॥

اے ایشور جس عقل کی اپاسنا عالم گیانی اور یوگی لوگ کرتے ہیں ہمکو آپ مہربانی کرکے

اِس عقل سے بہرہ ور کیجیے

آٹھویں فصل

اعتراض ۳۳

پھول جھڑی

خزاں کا موسم آیا۔ درختوں پر بلا نازل ہوئی۔ اُن کا زمردی لباس چھینا گیا۔ بالکل ٹنڈ مُنڈ رہ گئے۔ گویا کبھی ان پر پتے لگے ہی نہیں تھے۔ اِس ہلاکو کا دورہ ختم ہوا۔ درختوں پر از سرِ نو جوبن آیا۔ پتے نکلے۔ پھول کھلے۔ پھولوں کی بہار آئی۔ پھولدار درختوں کے نیچے کھڑے ہو جاؤ۔ پھولوں کے کھلنے کا نظارہ دیکھ کر دل باغ باغ ہو جائیگا۔ وجد میں آئے ہوئے انسان کی طرح پھول کو سرنگون ہو کر

گرتے دیکھ کر انسان خود وجد میں آجاتا ہے۔ وہ عجیب وغریب خیالات کے بھنور میں غوطے کھانے لگ جاتا ہے۔ وہی پھول جو ایک منٹ پہلے درخت کی چوٹی کو زینت دے رہا تھا۔ اب اصلی جگہ سے گر کر جڑوں میں پڑا ہوا اپنی بے بسی کا اظہار کر رہا ہے۔ گویا کھینچنے والے کو زبان حال سے کہہ رہا ہے۔ کہ مجھے اُٹھالو۔ گلے سے لگالو۔ معلوم نہیں۔ اوٹھائے جاکر وہ کسی عالم باعمل کی روح کو اپنی نزاکت لطافت۔ خوشبو۔ ہاں سب سے بڑھ کر اپنی عبرتناک کہانی کے ذریعہ دُنیاوی لذتوں سے ہٹاکر ویراگ کے بھاو سے بھر دینے کا کام دیگا۔ یا کوئی شہوت پرست۔ جذبات پرست ناپاک انسان اسکو اپنے گلے سے لگاکر بجائے پاک اثر حاصل کرنے کے اپنے جذبات فاسد کو بڑھائیگا!!! مگر پھول کا کیا قصور! اس میں امرت اور زہر کی ملاوٹ ہے۔ امرت ابھلاشی اس سے امرت نکال لیتے ہیں۔ جذبات پرستوں کے لئے وہ زہر قاتل ثابت ہوتا ہے۔ اس پہلو میں ہار سنگار کے پھول بہت اچھے سبق آموز ہیں۔ ہار سنگار کا پودا پھولوں سے لدا ہوا ہو۔ صبح کے وقت اس کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔ بھینی بھینی خوشبو دماغ کو تر و تازہ کر دے گی۔ مگر تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے پھولوں کا پٹاپٹ گرتے جانا تمہیں کسی اور ہی چکر میں ڈال دیگا۔ تم اس پھول جھڑی کو دیکھ کر فوراً کہہ اٹھو گے۔ کہ وہ جو چوٹی پر ہونیکا فخر کرتا ہو اُسکو محتاط رہنا چاہئے۔ مبادا وہ جڑمیں گر پڑے۔ تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے۔ وہ پھول جو کسی وقت بادشاہ کے گلے کا ہار ہونیکا

فخر کرتا ہے۔ دوسرے وقت بھنگی کے ٹوکرے میں پھینکا جاتا ہے
وہ پھول جو کسی وقت سنہری طشتری میں پڑا ہوا بادشاہ کے پژمردہ
دلکو باغ باغ کر رہا ہے۔ وہ دوسرے وقت میں خود ہی پژمردہ ہوکر
روڑی میں جا گرتا ہے۔ آہ! یہ کیا دردناک نظارہ ہے۔ سمجھدار انسان
جنگل میں کسی پھولدار درخت کے نیچے بیٹھا ہوا پھولوں کی اس عبرت
ناک حالت کو سامنے لاکر چلّا اُٹھتا ہے۔ کہ تم تو کھِل کھلا کر ہنستے
ہوئے سرنگون ہو رہے ہو۔ مگر تمہاری اس حالت کو دیکھ کر میری
چشم نرگس سے بند غنچے گر رہے ہیں۔ اگر اس شاعرانہ سوز و گداز
کے مریض انسان کو یہ پتہ لگ جائے۔ کہ ان پھولوں کے سوائے
کوئی اور بھی چمکدار پھول ہیں۔ جو کسی وقت بجائے اس کے سامنے
گرنے کے اس کے سر پر گر کر اس کے سر کو ہی پھوڑ ڈالیں گے۔ تو وہ
ہکّا بکّا ہوکر اِدھر اُدھر جھانکنے لگ جائے گا۔ کہ یہ سر پھوڑ پھول
کہاں ہیں۔ مگر یہ پھول گل دوپہری کے پھول نہیں ہیں۔ جو دوپہر کے
وقت نظر آسکیں۔ ان کے کھلنے کا وقت گل شبّو (شب۔ بُو) کی طرح
رات کا وقت ہے۔ اگر رات کو وہ بجائے آگے پیچھے دائیں۔ بائیں
دیکھنے کے اپنے اوپر کی طرف دیکھے۔ تو اسکو گل شبو کے گلستان کی
بجائے گلستار نظر آئے گا۔ یہ ستارے کیا ہیں؟ آسمانوں کی زینت
ہیں۔ جیسے نیلگون پانی کی خوبصورتی کو کنول کے پھول دوبالا کردیتے
ہیں۔ ویسے ہی قرآن کے آسمانی باغ کی نیلاہٹ کو یہ بلوری ستارے
دوبالا کر رہے ہیں۔ مگر وہ وقت کیسا عجیب ہوگا۔ جبکہ اس مضبوط چھت پر سے

واذالکواکب انتثرت (پ ۳۰ - انفطار)

"تمام ستارے جھڑ جائینگے"، جھڑ ہی نہیں جائینگے - بلکہ یہ

واذالنجوم انکدرت (پ ۳۰ - تکویر)

"تمام ستارے میلے ہو جائیں گے" ہم اس پھول جھڑی کا حال پڑھ کر حیران تھے - کہ یہ بلور گر کر کدھر جائینگے - گو ہم نے تفسیر حسینی میں تبیان کا یہ حوالہ پڑھا تھا - کہ :-

تارے قندیلوں کیطرح طاق فلک کے سامنے سے نور کی زنجیروں میں لٹکتے ہیں - اور وہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں - جب اہل آسمان مرجائیں گے - تو زنجیریں ان کے ہاتھوں سے گر جائینگی اور تارے زمین پر آپڑیں گے"

مگر ہماری اس سے کچھ تسلی نہ ہوئی - پھر ہمنے اس پھول جھڑی کے متعلق تفسیر معالم التنزیل کا مطالعہ کیا - وہاں یہ لکھا دیکھا - کہ ستارے

تناثرت من السماء وتساقطت علی الارض

(معالم)

آسمان پر سے جھڑ جائینگے اور زمین پر گر پڑینگے - ہمنے اپنے شک کو دور کرنے کے لئے کلبی اور عطا کا مشورہ لیا - وہ بولے کہ قیامت کے دن -

تمطر السماء یومئذ نجوما فلا یبقی نجم الا وقع (معالم)

"آسمان سے ستاروں کا مینھہ برسیگا۔ تمام ستارے گر پڑینگے۔ کوئی باقی نہیں رہیگا"

ہماری پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔ آخر قہر درویش بجان درویش ہم نے کھلم کھلا ترک اسلام میں تینتیسواں (۳۳) اعتراض اس پھول جھڑی پر جڑدیا۔ کہ موجودہ علمائے اسلام اسکا خوب ہی کچھ جواب دیں گے چنانچہ اس اعتراض کے جواب میں۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں "سنو! انتثر کے معنی ہیں تفرق۔ کیا معنی انکا اجتماع اور نظام موجودہ متفرق ہوجائیگا اب اس میں تو پرے کا حال ہوا۔ پھر آپ کو کیونکر انکار ہوسکتا ہے ہاں سائینس داں ہوکر۔ اسٹرونومر ہوکر اعتراض کرتے تو بجا تھا۔"

میاں! اگر اس میں پرے کا حال ہوتا۔ تو ہم اعتراض ہی نہ کرتے مگر ہمیں تو یہ سارا کھیل کچھ بھان متی کا سا تماشا معلوم ہوتا ہے۔ بھان متی ڈگڈگی اور بانسری بجاتا ہے۔ قیامت کو بگل بجیگا۔ بھان متی کا بندر کندھے پر لاٹھی لیکر چلتا ہے۔ قیامت کا دابۃ الارض موسی والی لاٹھی لیکر نکلیگا۔ بھان متی کا پگڑی کو جوڑنا۔ قیامت کے دن ہڈیوں کا جڑنا۔ بھان متی کا روپیہ اڑانا۔ قیامت کو پہاڑوں کا اڑنا وغیرہ وغیرہ کچھ عجیب اٹہنگ بڑہنگ ہے۔ بھلا کوئی بتائے کہ یہ پرے ہے یا مداری کا کھیل! اللہ میاں کہہ رہا ہے کہ:-

اذا الشمس کورت (پ ۳۰ تکویر)

"جب سورج لپیٹ لیا جاوے گا۔" کوئی پوچھے۔ کہ سورج

کیا بھان متی کی چادر ہے۔ جسکو لپیٹ لیا جاوے گا۔ پھر

واذا النجوم انکدرت

"جب ستارے میلے ہو جاویں گے" بھلا ستارے کیا تیلی کے کولھو کے بیل کو ہانکتے ہیں۔ کہ میلے ہو جائینگے؟ کیا اب اُجلے ہیں۔ اور پھر۔

واذا الجبال سیرت (پ۳۰۔ تکویر)

"جب پہاڑ اُڑائے جاویں گے۔" اُڑ کر کہاں جائیں گے شاید اونٹنیوں پر لاد کر مکہ مدینے بھیج دئے جاویں۔ کیونکہ اسدن :۔

واذا العشار عطلت (پ۳۰۔ تکویر)

"بیائی ہوئی اونٹنیاں کھلی پھرینگی" پہاڑ اُڑ گئے۔ ستارے اُڑ گئے۔ سورج لپیٹ لیا گیا۔ مگر اونٹنیاں پھر بھی چپتی پھرتی ہیں کوئی پوچھے۔ کہ اونٹنیاں اسدن اللہ میاں کے عرش پر چھاگتی پھرینگی۔ یا سورج کے لپیٹے جانے پر مر جائینگی۔ اِسی طرح

اذا السماء انفطرت (پ۳۰۔ انفطار)

"جب آسمان چیرا جاوے گا" آسمان نہ ہوا۔ دیودار کا تختہ ہوا۔ جو چر جائیگا۔ میاں! کاہے سے چیرا جائیگا۔ شاید آرہ سے چیرا جاوے۔ ایک طرف فرشتے دوسری طرف اللہ میاں لگ کر چیر ڈالیں گے۔ یا کچھ اور انتظام ہوگا۔ پھر

واذا الکواکب انتثرت

"جب ستارے جھڑ جاوینگے" جھڑ کر کہاں جائیں گے مسلمانوں کے بزرگ کہتے ہیں۔ کہ زمین پر گریں گے۔ ادھر ستارے جھڑ گئے۔ اُدھر

واذا القبور بعثرت (پ ۳۰۔ انفطار)

"قبریں اوٹھائی جاوینگی" مسلمان لوگ قبروں سے اُٹھ کر ستاروں کی بارش دیکھ کر حیران تو بڑے ہونگے۔ خیر! یہ قیامت کا ڈراما ہے۔ میاں صاحب! اگر ستاروں کے گرنے سے نظام موجود کا مستغرق ہوجانا مقصود ہوتا۔ تو اللہ میاں دوسری کھیلوں میں نہ پھنستا۔ تمہارے ستاروں کے جھڑنے کو پرے سے کیا تعلق۔ پرے میں تو تمہارے اللہ میاں کا عرش۔ ہاں خود اللہ میاں اور اللہ میاں کی پھونک بھی۔ بشرطیکہ ان کا وجود ایسا ہی مان لیا جاوے۔ جیسا کہ قرآن بیان کرتا ہے۔ تمام ذرات ہیں تحلیل ہو جائینگے۔ نہ کہ ادھر اُدھر لڑھکتے یا تہ کئے پڑے ہونگے۔

مولویصاحب فرماتے ہیں "بیشک زمین پر گریں گے مگر ریزے ریزے ہو کر جیسے کہ پرے کے وقت گریں گے۔"

میاں لاحول پڑھو۔ کیوں جگت ہنسائی کراتے ہو۔ خیر! تمہارے بزرگ تو لکھ گئے۔ کہ ستارے زمین پر گریں گے۔ کیونکہ وہ تو نہ علم ہیئت سے واقف تھے۔ نہ جغرافیہ سے۔ مگر تم تو کچھ عقل کی بات کرو۔ اگر ستارے سہارے زمین پر گریں گے۔ تو زمین کس پر گرے گی۔ اکیلا مشتری ہی زمین سے ایک لاکھ چار ہزار گنا بڑا سیارہ ہے۔ اگر وہ زمین پر گر پڑے

تو مسلمانوں کی ہڈیاں قبروں میں ہزاروں لاکھوں میل مٹی میں دب جائیں۔ اس صورت میں کریدنے والے کو بڑی دقت پیش آئیگی اسی طرح زحل ستارہ زمین سے ساڑھے سات سو گنا بڑا ہے۔ علی ہذالقیاس بیشمار ستارے اور سیارے ہیں۔ جو اگر ریزہ ریزہ ہو کر بھی زمین پر گریں۔ تو بھی زمین کا کہیں پتہ نہ لگ سکے۔ ان تمام کرّوں کے مقابلے میں زمین کی حیثیت اس سے بڑھکر نہیں ہے۔ جتنی کہ کسی کروڑوں میل لمبے۔ کروڑوں میل چوڑے۔ لاکھوں میل اونچے پہاڑ کے مقابلہ میں ایک ریت کے ذرّہ کی حقیقت ہے۔ جسکی لمبائی۔ چوڑائی اِنچ کے کروڑویں حصہ کا بھی کروڑواں حصہ ہو۔ مگر تم لوگوں کو عقل کی باتوں سے کیا واسطہ۔ جیسا تمہارے بزرگ لکھ گئے۔ ویسا ہی تمنے مکھی پر مکھی ماردی۔ افسوس! جواب تو لکھنے دو۔ تُو ترک اسلام کا گر ترک کو پہلے ہی ترک کردو۔ اگر یہی تمہارا ترک پنا ہے۔ تو شاید یہ مصرع کسی نے تمہارے جیسے کے حق میں ہی کہا ہوگا۔ کہ ؎

اے ترک من مناز کہ ترکی تمام شد

مولویصاحب فرماتے ہیں "زمین کے پھٹنے کے یہ معنی ہیں۔ کہ اسپر خدا کی حکومت ایسی ہوگی۔ کہ کوئی فرد واحد دعوی حکومت نہ کرسکیگا۔"

معلوم ہوتا ہے۔ آج کل زمین پر اللہ میاں کی حکومت نہیں ہے شاید شیطان نے چھاپہ مار رکھا ہو۔ یا میاں صاحب ہاتھ ڈر کے عرش پر بیٹھے ہوئے ہی جھانک رہے ہوں۔ کہ کب

قیامت آئے۔ اور میں زمین پر قبضہ کروں۔ اور اسکو مٹھی میں لیکر یوں آواز نکالوں کہ:-

انا الملک این الجبارون۔ این المتکبرون

انا الملک۔ این الجبارون۔ این المتکبرون

(مشکوۃ صہ ۳۸۴)

"میں بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں۔ جبر کرنیوالے کہاں ہیں تکبر کرنیوالے۔ میں بادشاہ ہوں۔ کہاں ہیں جابر اور کہاں متکبر۔"

کوئی پوچھے کہ اللہ میاں یہ دہائی۔ تہائی۔ چوتھائی کیوں مچا رہا ہے۔ وہ غلام یا کیکر سنگھ کی طرح کسکو مقابلے کے لئے بلا رہا ہے اگر اللہ میاں کے چیلنج کو سنکر شیطان بہادر کسی جھاڑی میں سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ تو سارا شور شرابہ دھرا رہ جائیگا۔ ممکن ہے شیطان اس دن تمام مخصوں سے آزاد ہو کر مراقبہ میں جا بیٹھے۔ اور اللہ میاں کے شور کی کچھ پرواہ نہ کرے۔

مولویصاحب فرماتے ہیں "سُنئے اب بھی زمین و آسمان خدا نے اپنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہیں۔ غور سے پڑھو۔ ما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعاً قبضتہ والسموات مطویات بیمینہ سبحانہ و تعالی عما یشرکون۔ یعنی نالائقوں نے خدا کی شان کے مناسب قدر نہیں کی۔ تمام زمین اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہیں۔ وہ پاک اور بلند ہے۔ مشرکوں کی بیہودہ گوئی سے۔"

میاں مولوی! ہم تو سمجھتے تھے۔ کہ اللہ میاں کو ہی مکاری چالبازی۔ فریب۔ دغا۔ دہوکھ دہی کا مرض ستا رہا ہوگا۔ مگر یہاں تو آپنے بھی بے ایمانی کی دُم کاٹ ڈالی ہے۔ ہمنے قرآن میں اللہ میاں کو شیخی بگھارتے سنا تھا۔ کہ ہمنے قرآن نازل کیا ہے۔ اور ہمیں ہی اسکا محافظ ہوں۔ شاید اللہ میاں کو یہ علم نہیں تھا۔ کہ کسی زمانہ میں ایک شخص ثناء اللہ نامی ہوگا۔ جو قرآن میں دست اندازی کرے گا۔ جو مولوی فاضل کا دم بھرے گا۔ مگر قرآن کے غلط مینے کرکے لوگوں کو دم دیتا پھرے گا۔ جو مسلمان کہا ئیگا۔ مگر قرآن کی آیتوں میں بے ایمانی کر کے کچھ نہ کچھ گھٹاتا بڑھاتا رہیگا۔ پہلے ہمیں خیال تھا۔ کہ مسلمان لوگ جو اس مولوی فاضل کے برخلاف کفر و بدعت کے فتوے نکال رہے ہیں وہ شاید جھوٹے ہیں۔ مگر اب یقین آگیا کہ یہ بحیثیت مسلمان چنداں غلطی پر نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ شخص اپنی مطلب براری کے لیئے قرآن کی آیتوں میں بھی ترمیم و تنسیخ کرنے سے نہیں چوکتا۔ دیکھو میاں! جس قرآنی آیت کو پیش کرکے آپ نے یہ دکھانا چاہا ہے۔ کہ زمین و آسمان آجکل بھی اللہ کے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہیں۔ اس میں تمنے خیانت کی ہے۔ اگر تم دیانت دار ہوتے۔ تو اپنی مطلب براری کے لیئے ایسی چالاکی کبھی نہ کرتے آیت مذکور کے صحیح الفاظ یہ ہیں:-

وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض
جمیعاً قبضتہ یوم القیمتہ والسموات

مطوّیت بیمینہ سبحانہٗ وتعالیٰ عمّا یشرکون

(پ۲۴ - زمر)

اُنہوں نے اللہ میاں کی قدر نہیں کی جیسی کہ کرنی چاہیے تھی۔ قیامت کے دن ساری زمین اللہ کی مٹھی ہوگی۔ اور آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہونگے - وہ پاک اور بلند ہے۔ اس چیز سے کہ وہ شرک کرتے ہیں۔"

تم اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیئے ان الفاظ کو چھوڑ گئے جنکو ہمنے موٹا کر دیا ہے۔ مختصر یہ کہ قیامت کے دن اللہ میاں زمین کو ایک مٹھی میں لے لیگا۔ اور آسمانوں کو دوسری میں۔ چنانچہ اس موقعہ پر قرآن میں قیامت کا ہی ذکر ہے۔ نہ کہ آجکل کا۔ مگر افسوس ہے تمہاری ایمانداری پر۔ تمنے مسلمان ہوکر قرآنی آیت کی ترمیم کی۔ اور مطلب پرستی کی خاطر غلط معنے کیئے۔ کیا علمائے اسلام تمہاری اس چالبازی کا کچھ بھی نوٹس نہیں لینگے؟

مولوی صاحب فرماتے ہیں۔ "وید سے شہادت چاہو۔ تو سنو! میں اس محافظ کائنات صاحب جاہ وجلال نہایت زور آور۔ فاتح کل۔ تمام کائنات کے راجہ قادر مطلق کی پناہ لیتا ہوں (یجروید ادھیائے ۲۰۔ منتر ۵۰)۔ یہی مضمون قرآن کی آیت کا ہے جسکو آپنے نہیں سمجھا۔ اور یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔"

یہ تو وہی بات ہوئی۔ کہ اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے!۔ چالاکی تو تمنے کی۔ اور ہمیں یہ دن دکھاتے ہو۔! یہ کیسی اُلٹی بات

ہے۔ اِس وید منتر کا جواب تو ہم پیچھے دے چکے ہیں۔ اگر تم ویدوں میں سے کوئی ایسا وید منتر نکال دو۔ جس کے یہ معنی ہوں کہ پرلے کے دن آسمان پرماتما کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہونگے۔ اور زمین مٹھی میں بند ہوگی۔ تو ہم اسپر غور کریں گے۔ کہ آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ اگر تم کوئی منتر جس میں کہ آسمانوں کے لپیٹے جانیکا ذکر ہو۔ ہمارے سامنے مرتے دم تک پیش کرسکو۔ تو ہم اسکو دیوار کے ساتھ ماریں گے۔ ورنہ تمہیں چاہیئے۔ کہ بیفائدہ حاشیہ افزائی کو چھوڑ کر عقل و فکر سے کام لینا شروع کرو۔ مولوی عقل کے دن گزر چکے۔ کب تک عقل سے جنگ و جدل کرتے رہو گے۔ آؤ! ہمارے ساتھ مل کر اس بدھی کی تحصیل کے لیئے کوشش کرو۔ جسکی بابت کہا گیا ہے۔ کہ:۔

यां मेधां देवगणाः पितरश्चोपासते ।
तया मामद्य मेधयाऽग्ने मेधाविनं कुरु स्वाहा ॥



ओ३म्

एतेषु हीदं सर्वं वसु हितमेते हीदं सर्वं वासयन्ते तद्यदिदं सर्वं वासयन्ते त

स्माद्वसव इति ॥ शत। कां० १४। प्र० ६। ब्रा० ७। कं० ४

یعنی پانی- اگن- ہوا- اکاش- چاند- سورج- نکشتر کا وسو نام، اس لئے ہے کیونکہ ان ہی میں سب پدارتھ

اور پرتھوی- اور یہی سب کو بساتے ہیں جیووں کے نواس مکان ہونے کی وجہ سے

ان کا نام وسو ہے ؎

نویں فصل

اعتراض ۳۴

ہماری چڑیا

شیخ سعدی نے جسم کو قفس اور روح کو بولتی چڑیا فرض کرکے دونوں کے تعلق کو یوں ظاہر کیا ہے کہ :-

سعدی تو نیز دریں قفس تنگنائے دہر
روزے قفس شکستہ و مرغش پریدہ گیر

اس کا مطلب یہ ہے کہ روح انسانی جسم میں اس طرح قید ہے جس طرح کہ کوئی جانور پنجرے میں قید ہو۔ جیسے پنجرے کے ٹوٹ جانے سے

جانور آزاد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جسم کی موت کے بعد روح آزاد ہو جاتی ہے۔ سعدی صاحب کا مقولہ اس صورت میں صحیح مانا جاسکتا ہے جبکہ یہ بولتی چڑیا مورکھتا۔ بیوقوفی۔ جہالت سے اس قدر آزاد ہو چکی ہو۔ کہ وہ ایک پنجرے سے نکل کر دوسرے میں نہ پھنس سکے۔ ورنہ وہ ضرور پھنسیگی۔ سعدی کے دوسرے بھائی نے اس بولتی چڑیا کو پنجرے سے آزاد ہونے کی ترکیب بتاتے ہوئے ایک کہانی لکھی ہے۔ وہ یہ کہ کسی جگہ بہت سی آزاد چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ ایک میر شکاری کا ادھر سے گزر ہوا۔ چڑیوں کو پھانسنا چاہا۔ درخت کے نیچے جال لگا دانہ بکھیر دیا۔ ایک چڑیا دانہ پر لپکی۔ جال میں پھنس گئی۔ چڑیمار اسکو پنجرے میں ڈالکر لے گیا۔ چڑیا کیا تھی؛ طوطی تھی۔ یا ہزار داستان! کچھ دن اداس رہی۔ بعد ازاں چڑیمار سے پرچ گئی۔ مختلف بولیاں بولتی۔ راگ گاتی۔ چڑیمار کے خوب گہرے ہو گئے۔ اس طوطی کی بدولت روٹی کما کھانے لگا۔ اتفاقاً اسکو باہر جانا پڑا۔ طوطی سے پوچھا کہ بتا بی بی! تیرے لئے کیا تحفہ لاؤں۔ طوطی بولی۔ کہ جب تم میرے وطن میں جاؤ۔ اور وہاں میری سہیلیوں سے ملو۔ تو انکو کہنا کہ تمہاری بہن پنجرے میں قید ہے۔ چڑیمار وہاں پہونچا۔ سہیلیوں کو سہیلی کا پیغام سنایا۔ پیغام کا سننا تھا۔ کہ وہ تڑپ کر گر پڑیں۔ چڑیمار حیران ہوا۔ کہ ان پر کیا بلا نازل ہو گئی۔ واپس لوٹا۔ اپنی طوطی کو اس خوفناک واقعہ کی خبر دی۔ کہ تیری سہیلیاں تیرے پیغام کو سنکر مر گئیں۔ طوطی مطلب کو تاڑ گئی۔ اسنے بھی پر پھڑ پھڑائے۔ پنجرے کی سلاخوں سے سر مارا۔ اور

ڈھیر ہوگئی۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ چڑیمار اور بھی حیران ہوا اپنی چڑیا کو اس طرح دم توڑتے دیکھ کر سر پیٹنے لگا۔ نبض ٹٹولتا پتہ ندارد۔ آخر چلا اُٹھا۔ وہ ہائے میری چڑیا تو بول۔ بول!! میری چڑیا! بول!!!۔ مگر چڑیا کہاں۔! بیچارہ مایوس ہوگیا۔ اپنی چڑیا کو پنجرے سے باہر نکالا۔ اُسکے تجہیز و تکفین کی تیاری کرنے لگا۔ روتا جاتا تھا۔ اور وہ چڑیا چڑیا،، کہے جاتا تھا۔ چڑیا دم چُرائے پڑی رہی۔ آخر موقعہ تاڑ کر ،، فر،، سے اُڑ گئی۔ چڑیمار حیران ہوا۔ کہ یہ معاملہ کیا ہے چڑیا سے جو معلوم نہیں طوطی تھی۔ یا کیا بلا تھی۔ پوچھنے لگا۔ کہ بی! تم جاتی تو ہو۔ مگر یہ معما تو سمجھا جاؤ۔ چڑیا نے درخت کی چوٹی پر بیٹھ کر چڑیمار کو لیکچر دینا شروع کیا۔ کہ میری سہیلیوں نے ہی مجھے پنجرے سے آزاد کیا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنی حرکت سے یہ نہ بتاتیں کہ میں اپنے آپکو مُردہ کرکے ہی اس پنجرے سے نکل سکتی ہوں۔ تو میں کبھی بھی اِس سے آزاد نہ ہوسکتی۔ اِس صوفیانہ کہانی کا مطلب کُچھ ہی ہو۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ چڑیا چڑیمار کو خاصہ لیکچر دے گئی۔ لوگ حیران ہونگے۔ کہ چڑیا کیا۔ اور اسکا آدمی کو لیکچر دینا کیا!! مگر حیرانی کی کونسی بات ہے۔ یہ تو پھر بھی پردار جیتی جاگتی چڑیا تھی۔ پرانی اندھیر نگری میں تو پہاڑ بھی بولا کرتے تھے۔ اور چڑیوں کی طرح اُڑا کرتے تھے۔ اگر پرانک راجہ ان کے پر نہ کاٹ ڈالتا۔ تو یہ برابر اُڑتے رہتے۔ پہاڑوں پر ہی کیا منحصر ہے۔ کنکر روڑے تک بھی کلمہ شریف پڑھا کرتے تھے۔ کھجوروں کے سوکھے

ہوئے شہتیر بچوں کی طرح پھیلایا کرتے تھے۔ جب دُنیا میں از سیر تو اندھیرا چھا جائے گا۔ تو یہ سب الا بلا پھر بولنے لگیگی۔ مگر "ہماری چڑیا" کی بولی سب بولیوں سے بڑھ چڑھکر ہوگی۔ میاں تمہاری چڑیا کونسی۔ واہ! ہماری چڑیا چھوٹی موٹی چڑیا تھوڑا ہی ہے۔ ہماری چڑیا اتنی بڑی ہے۔ کہ اس کا پیٹ ہی ماشاءاللہ چشم بد دور مبلغ پچیس ہزار میل کی گولائی میں ہے۔ اور چونچ سے لے کر دم کی چوٹی تک مبلغ آٹھ ہزار میل لمبی ہے۔ تمام جسم اتنا بڑا ہے۔ کہ انیس کروڑ اسی لاکھ مربع میل جگہ گھیرتا ہے۔ لاحول ولا۔ اتنا جھوٹ!! میاں! جھوٹ نہیں۔ سچ ہے۔ ہماری چڑیا آج کل خاموش ہے مگر قیامت کے دن

اذا زلزلت الارض زلزالها (پ۳۰۔ زلزال)

"جبکہ زمین کو ہلایا جاوے گا بھونچال سے" یا بالفاظ دیگر جب ہماری زمین چڑیا کی طرح پر و پرزے جھاڑیگی۔ اور وہ

اخرجت الارض اثقالها

"اپنے بوجھ کو باہر نکال پھینکیگی۔" تو آدمی مذکور بالا چڑیمار کی طرح حیران ہو کر کہے گا۔ کہ

مالها

"آج اسکو کیا ہوگیا ہے" وہ حیران ہی ہو رہا ہو گا۔ کہ اتنے میں ہماری زمین چڑیا کی طرح یا آدمی کی طرح

یومئذ تحدث اخبارها

"اس دن اپنا حال سنائے گی"۔

شاید لوگ اس کی چہچہاہٹ کو سنکر حیران ہوکر ایک دوسرے سے کہتے پھریں گے۔ کہ میاں زمین اس لئے بولتی ہے۔ کہ

بان ربک اوحی لھا (پ۳۰۔ زلزال)

"تیرے اللہ میاں نے اسکو بولنے کا حکم دیدیا ہے"۔ مگر ہماری موٹی چڑیا اس دن کیا بولیگی؟ ہاں صاحب! اسکی باتیں۔

فان اخبارھا ان تشھد علےٰ کل عبدٍ وامۃ بما

عمل علے ظھرھا ان تقول عمل علی کذا وکذا

یوم کذا وکذا۔ (حدیث شریف)

"اس قسم کی ہونگی۔ کہ وہ ہر ایک مرد اور عورت کے بارے میں گواہی دیگی۔ کہ اس نے اسکی پیٹھ پر کیا کیا اعمال کئے تھے۔ اور وہ بتائیگی۔ کہ فلاں فلاں نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام میرے سامنے کیا تھا"۔ ہم تو اس چڑیا کو بے زبان خیال کرتے تھے۔ مگر یہ تو ایک دن مولویوں کی طرح خاصی عربی بولیگی۔ ہمنے اس موٹی چڑیا کے چہچہوں کا حال پڑھکر ترک اسلام میں جو نتیسواں اعتراض اس فصیح البیان گواہ کی گواہی کے متعلق کیا تھا۔ ہمارے اعتراض کا جواب یوں ہوسکے:

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ اول تو سورج اور چاند کی خاموشی کا ذکر نہیں۔ جو آپ کو اسپر تعجب ہوا۔ دوم ہمارے بھی تمہارے ویدوں کے اعتقاد میں زمین جی ہی ہے۔ پس انکی خاموشی بھی ثابت نہیں کیونکہ

وہ بھی زمین ہیں۔ یا زمین کی طرح۔"
ہاں صاحب! جب چڑیا بولیگی۔ تو چڑا کیوں خاموش رہیگا
معلوم نہیں زمین کا منہ کتنا لمبا چوڑا ہوگا۔ کہاں ہوگا۔ منہ میں دانت
بھی ہونگے۔ یا یہ بڈھی مائی بالکل پوپلی ہوگی۔ آہ! وہ نظارہ کیسا
عجیب ہوگا۔ جبکہ زمین اعرابیوں کی طرح عربی بولیگی۔ میاں عربی لوگ
تو اسکی بولی سمجھ جائینگے۔ مگر ہندوستانی کیا کریں گے۔ شاید انکی
خاطر یہ اردو۔ ہندی۔ مرہٹی۔ سندھی۔ گجراتی۔ پنجابی۔ بنگالی وغیرہ
وغیرہ زبانیں بولنے لگ جائے۔ زمین کیا ہوئی ہزار داستان یا
مینا ہوئی۔ یہ بچوں کو بہلانے کا اچھا سامان ہے۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں معلوم یہ تالیسخہ اوپادھی ہے
اگر تم کو اسکی سمجھ نہیں تو پڑھو۔ ستیارتھ پرکاش ص ۲۵۴"

ہم تالیسخہ اوپادھی کا مطلب بخوبی جانتے ہیں۔ مگر یہاں
وہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اسکو تالیسخہ اوپادھی مانوگے۔ تو
اول تو تمہارے رسول کی بات جھوٹی ٹھہریگی۔ دیکھو! رسول اللہ
نے ابی ہریرہ سے پوچھا۔ کہ کیا تم جانتے ہو۔ زمین اسدن کیا بولیگی
ابی ہریرہ نے کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ اسپر رسول اللہ نے وہ بات بیان
کی۔ جسکا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ دوسرے خود اللہ میاں کی بات
جھوٹی ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ خود ہی زمین کو بولنے کا حکم دے رہا
ہے۔ اگر زمین نہیں بولیگی۔ بلکہ زمین والے بولیں گے۔ تو اللہ میاں کا
زمین کو بولنے کا حکم دینا لغو ہے۔ کیونکہ زمین والے تو اسکے حکم کے

بغیر اب بھی بولتے ہیں۔ اسدن خاص وحی کی کیا ضرورت ہو گی۔
حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ "چہارم تحدث اخبارہا
کے ساتھ جان رابک اوحی لھا ہے۔ پس ہمہ سامرتھ سرب شکتیمان جو
دوسرے کا محتاج نہیں۔ اگر وہ زمین کو فرماوے۔ کہ تو بیان کر تو
کیا وجہ ہے۔ کہ پھر بیان نہ کرسکے۔"
پہلے تم تانیثھ ادپادھی پر اوپادھی ہیں پھنسے۔ اب "اگر"
کا ڈنڈا لے کر ہمہ سامرتھ شکتیمان کے پیچھے بھاگ نکلے۔ جب تم ہمہ
سامرتھ شکتیمان کے معنوں کو ہی نہیں سمجھے۔ تو تمہارا اسپر اس قسم کا
الزام لگانا کہ زمین اس کے حکم سے بولیگی۔ صریحاً ناجائز ہے۔ اگر تم
"اگر" پر ہی تکیہ لگانا چاہتے ہو۔ تو سنو:-
(۱) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے۔ کہ عورتوں کے ناک
کے راستے اولاد پیدا ہوا کرے۔ تو کیا وجہ ہے کہ پھر نہ ہو۔
(۲) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے کہ عورتوں کی بجائے
مردوں کو اولاد ہوا کرے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ مرد منہ چھپاتے پھریں۔
(۳) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے۔ کہ آدمی کے پاؤں کے
نیچے آنکھیں اور آنکھوں کی جگہ سینگ نکل آویں۔ تو کیا وجہ ہے کہ
ایسا نہ ہو۔
(۴) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے کہ پتھر ہیں سے اونٹ
پیدا ہوا کریں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ نہ ہوں۔
(۵) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے۔ کہ ڈنڈے کا سانپ

بنجاوے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ نہ بنے۔

(۶) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے۔ کہ بغیر مرد کے عورت کے اندر سے بچہ نکل آوے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ نہ نکلے۔

(۷) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے۔ کہ کنکر کلمہ پڑھنے لگ جاویں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ وہ نہ بولیں۔

(۸) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے۔ کہ نیستی سے ہستی ہو جاوے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ نہ ہو جاوے۔

(۹) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے۔ کہ چیونٹی کو ہاتھی پیدا ہوں۔ تو کیا وجہ ہے کہ چیونٹی نہ مانے۔

(۱۰) اگر قادر مطلق اللہ فرماوے۔ کہ گدھے کے سینگوں پہ ریل چل پڑے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ کوئی مزاحمت کرے۔

(۱۱) اگر قادر مطلق اللہ فرماوے۔ کہ سورج کو اُلو ڈکار جاوے تو کیا وجہ ہے۔ کہ سورج چون وچرا کرے۔

(۱۲) اگر قادر مطلق اللہ فرماوے۔ کہ آئندہ ہزار ہزار سر اور لاکھ لاکھ مُنہ اور کروڑ کروڑ زبان والے آدمی پیدا ہوا کریں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ نہ ہوں۔

(۱۳) اگر قادر مطلق اللہ فرماوے۔ کہ آم کی گٹھلی سے ہاتھی پیدا ہوا کریں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ نہ ہوں۔

(۱۴) اگر قادر مطلق اللہ فرماوے۔ کہ آدمی کی پسلی توڑ کر عورتیں پیدا ہو جایا کریں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ آدمی مُنہ چھپائے۔

(۱۵) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے۔ کہ زمین باتیں کیا کرے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ کوئی اسکو روک سکے۔

(۱۶) اگر قادر مطلق اللہ فرماوے۔ کہ میرا مرنے کو جی چاہتا ہے۔ میری گدی کوئی اور سنبھال لے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کوئی مسلمان اس پوسٹ کے لئے عرضی نہ دے۔

(۱۷) اگر قادر مطلق اللہ فرماوے۔ کہ اب مجھے بھوک لگنے لگ گئی ہے۔ ایک لاکھ من غلہ ماہوار میرے لئے بھیجا جاوے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ آسمان تک ریل کے ذریعہ غلہ نہ پہونچا کرے۔

(۱۸) اگر قادر مطلق اللہ فرماوے۔ کہ کام کرتے کرتے میں بوڑھا ہوگیا۔ اب کوئی اور شخص میرا خلیفہ بنکر کاروبار کا چارج لے لے۔ تو کیا وجہ ہے حکیم صاحب امیدواری کی درخواست نہ کریں۔

(۱۹) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے۔ کہ میں شیطان کے ہاتھ سے تنگ آکر اپنا سر پھوڑتا ہوں۔ تو کیا وجہ ہے۔ کوئی اسکو روک سکے۔

(۲۰) اگر قادر مطلق اللہ میاں فرماوے۔ کہ میرا بیاہ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ اسکی منگنی نہ ہو۔

میاں! تمہارے اس تمام اگر مگر کو اکیلا "دگرہا" نگل جاویگا۔ اور تم شستہ دیکھتے رہجاؤ گے۔ کیونکہ اگر "اگر" کے مقابلے میں "دگرہا" نہ ہو۔ تو معلوم نہیں۔ تمہارا قادر مطلق اللہ میاں

کیا کا کیا کر گزرے۔ ایسی باتوں سے توبہ کرو۔

حکیم صاحب فرماتے ہیں۔ تحدث میں یہ ضروری نہیں۔ کہ ہماری تمہاری طرح پنجابی یا اردو بولے۔ ہر ایک کا بولنا اس کے مناسب حال ہوا کرتا ہے۔ پھر الفاظ کی ضرورت بھی نہیں ایک لسان الحال ایک لسان الافعال بھی ہوتی ہے۔ اب تم خود سمجھ لو کہ زمین کی لسان کس نوع کی ہے۔ جس سے وہ بولیگی۔"

خیر صاحب! اگر پنجابی اردو نہیں بولیگی۔ تو عربی ہی سہی یا کیا وہ عربی بھی نہیں بولیگی۔؟ کیا تمہاری حدیثوں میں جہاں لکھا ہوتا ہے۔" حدثنا کذا وکذا۔" ہمسے فلاں صاحب نے بیان کیا وغیرہ وغیرہ۔ وہاں کوئی بولی نہیں ہوتی؟ تحدث کے ساتھ بولنا لازمی ہوگا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا۔ تو زمین لوگوں کے اعمال کی گواہی کیوں کر دیگی۔ اگر یہ زبان حال ہوگی۔ تو اللہ میاں کو زبان حال کے لئے وحی بھیجنے کی کیا ضرورت۔

میاں تمنے بہتیرا الٹ پھیر کیا۔ مگر پروانہ پھر بھی پیچھے ہی بندھا رہا۔

مولویصاحب فرماتے ہیں۔" اس بھولے پن پر قربان! کیا ہی بھولے پن کی باتیں۔ کاش یہی سوال کیا ہوتا زمین کسطرح بولیگی۔ یہ تو خلاف نیچر ہے۔ تاکہ ہم آپکو اصول موضوعہ نمبر۲ کی طرف توجہ دلاتے۔ مگر پوچھا تو یہ پوچھا۔ کہ سورج چاند وغیرہ کیوں نہ بولیں گے۔"

اِس الڑھ پن پر قربان! کیا ہی الڑھ پن کی باتیں ہیں کاش آپنے ہماری تحریر کو ہی سمجھا ہوتا۔ تاکہ اس بولتی پڑیا کی حقیقت معلوم ہو جاتی۔ تمہارے بھائی نور الدین نے اور کچھ نہیں تو بات کو تو سمجھ لیا۔ جواب خواہ کیسا ہی ردّی اور پوچ دیا ہو۔ مگر سمجھ تو گئے۔ تمسے یہ بھی نہ ہو سکا۔ تمہارا اصول موضوعہ نمبر۲ ہمنے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ گھبرائیگا نہیں۔

مولویصاحب فرماتے ہیں "ہم ناظرین کی طبیعت بہلانے کے لئے بابو صاحب کے روحانی باپ سوامی دیانند جی مہاراج کے ایک دو قول نقل کرتے ہیں۔"

گو ہم اپنی تحریر میں ناظرین کو مخاطب کرنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں۔ مگر جن ناظرین کی طبیعت بہلانے کے لئے آپ دل لگی کرنے لگے ہیں۔ اُن ناظرین کی خدمت میں ہم بھی دست بستہ التماس کر دیتے ہیں۔ کہ وہ اس بات کو ہمیشہ مدنظر رکھیں۔ کہ ہمارا مدعا کسی کی طبیعت کو بہلانا نہیں ہے۔ نہ ہی ہم اپنی تحریر میں اس قسم کی کوئی بات بھی ارادتاً لکھتے ہیں۔ کہ جس سے پڑھنے والوں کی دل لگی ہو سکے۔ حاشا وکلا۔ مبادا کوئی صاحب ہماری تحریر سے یہ غلط نتیجہ نکالے۔ کہ ہمنے مولویوں کے ساتھ دل لگی کی ہے یا دبی چوٹ کی ہے۔ یا مذاقیہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ہم بتا دینا چاہتے ہیں۔ کہ ہمنے اپنی تحریر میں کہیں بھی ارادتاً ایسا نہیں کیا ہاں اگر کوئی شخص ہماری سیدھی سادی عبارت کو پڑھکر اپنی

مذاق پن طبیعت کی وجہ سے اسکو مذاقیہ تصور کرے۔ تو یہ اسکی
اپنی مرضی ہے۔ البتہ جن واقعات کو ہمنے پبلک کے سامنے پیش
کیا ہے۔ وہ واقعات ہی بذات خود ایسے ہیں۔ کہ جنکو پڑھکر صرف
ہم ہی نہیں بلکہ ہمارے جیسے اور بھی کتنے ہی انسان اُنکو محض
دل لگی یا ہیہلاوٹ کا سامان سمجھ کر اور ان میں کچھ بھی سنجیدگی نہ پاکر
اپنے آئندہ بھی کنارہ کشی کرتے رہینگے۔ سنجیدہ انسان نہیں چاہتا
کہ وہ کسی مسخرے میاں کی حرکات کو دیکھ کر خوش ہوتے رہنا ہی
اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ وہ شخص جو دل لگی کرنے۔ لوگوں سے
ٹھٹھہ بازی کرنے مخول کرنے کا خود ہی معترف ہو۔ کیا اسکی تمام
حرکات تمسخرانہ نہیں ہونگی؟ اگر کسی ایسے مسخرے میاں کی کتاب
میں سے اسکی بعض حرکات کا نقشہ لوگوں کے سامنے رکھہ دیا
جاوے۔ "تاکہ لوگ دل لگی کرنے سے باز آجائیں۔ تو ہمیں یقین
کرنا چاہیئے۔ کہ جو شخص ایسا کام نہایت ہی سنجیدگی سے کر رہا ہو
اسپر مذاق یا دل لگی کی تہمت نہیں لگائی جائیگی۔ ہم ابتدا سے ہی
اس دل لگی کے برخلاف ہیں۔ اگر ایسے حق میں ہوتے تو ہم دل لگی
کرنے والے میاں کا ساتھ کیوں چھوڑتے۔ اب جو کچھ کہ ہمارے
مولوی صاحب ناظرین کی طبیعت بہلانے یا ہنسانے کے
لئے ارادتاً پیش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سن لینا چاہیئے۔

مولویصاحب فرماتے ہیں "قرآن مجید کی آیت
ہے۔ یہب لمن یشاء اناثاً ویہب لمن یشاء الذکور۔ جس کا

ترجمہ سوامی جی نے نقل کیا ہے۔ جسکو چاہے بیٹیاں دیتا ہے جسکو چاہے بیٹے پھر اسپر دُرافشانی کرتے ہیں۔ بھلا آدمیوں کو تو جسکو چاہے خدا بیٹے بیٹیاں دیتا ہے۔ لیکن مرغ مچھلی سؤر وغیرہ جن کے بہت سے بیٹے بیٹیاں ہوتے ہیں۔ اُن کو کون دیتا ہے۔ ستیارتھ ص ؟؟۔ ناظرین۔ انصاف سے بتلائے۔ قرآن مجید کے منقولہ ترجمہ پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے؟ قرآن کے ترجمہ میں آدمی کا لفظ ہے۔ پھر بجز اس کے کیا سمجھا جائے۔ کہ سوامی جی کا سؤر اور مچھلی کھانے کو جی للچاتا ہوگا۔ اسی لئے تو گنواتا کا ذکر نہیں کیا افسوس ایسے ذکی اور فہیم بھی کسی قوم کے لیڈر ہوں۔

کہاں ہیں ناظرین۔ جو ہماری نرم مگر حقیقت کا اظہار کرنیوالی تحریر کو سخت کلامی کہنے کا وہم کرتے ہوں۔ وہ ذرا آنکھیں کھول کر ہمارے پہلوان کی اس دریدہ دہنی کو دیکھیں۔ جن الفاظ کو ہم نے موٹا کر دیا ہے۔ اُن پر بخوبی غور کریں۔ یہ اُس مسلمان کا حال ہے جسکی تحریر کو ہمنے دوسرے مسلمانوں کی تحریروں پر ترجیح دی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ جن تحریروں کو ہم نے بھنگی کے ٹوکرے میں پھینکدیا ہے۔ وہ درحقیقت اسی سلوک کی مستحق تھیں۔ ہم اس قسم کی کم خراب و کم ناشائستہ تحریروں کو بھی حلال خور کے حوالہ کردیتے بشرطیکہ ہمیں یہ یقین ہوتا۔ کہ پبلک دھوکہ نہیں کھا سکتی۔ مگر چونکہ پبلک کو دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ اس لئے ہم خراب تحریروں میں سے کم خراب کا جواب دینے پر مجبور ہوئے۔ اگر ہم ذاتیات پر اُترنا چاہیں

تو پبلک کے سامنے وہ وہ باتیں لکھ کر رکھ دیں۔ کہ ان دل لگی کرنے
والے مولویوں کو چھٹی کا دودھ یاد آجاتے۔ اور بجائے معقول جواب دینے
کے ان کو منہ اٹھا کر عدالت میں بھاگنے کی سوجھے۔ مگر چونکہ ہمارا مدعا
یہ نہیں ہے۔ اس لئے ہم بلا وجہ ذاتی حملے نہیں کرنا چاہتے۔ ہم پوچھتے ہیں
کہ میاں مولوی! اگر رشی جیسا ذکی اور فہیم کسی قوم کا لیڈر نہیں ہوسکتا
قوم نہیں۔ بلکہ انسانوں کا لیڈر نہیں ہوسکتا۔ اور ان کو وید وکت مارگ
نہیں دکھا سکتا۔ تو کیا تمہارے جیسا قدم قدم پر چالبازی کرنے والا
دل لگی کرنے والا پھبتیاں اڑانے والا۔ خیر الماکرین کے قدموں پر قدم
مار کر بموجب رسالہ اربعین اہلِ فریب و دھوکہ دہ بن کر لیڈری کی مہر
(Ring) ہاتھ میں لے کر مسلمانوں کے کسی خاص فرقہ کا مہری
رنگ لیڈر (Ringleader) بن کر مسلمانوں کو راہ ہدایت
دکھا سکتا ہے؟ افسوس تمہاری فضیلت پر!! تم بات کو تو خود نہیں
سمجھتے ہو۔ دوسروں کو بے نقط سناتے ہو۔ سنو! اول تو تمہاری مذکورہ
بالا دل لگی کے لئے یہاں کوئی موقعہ نہیں تھا۔ کیونکہ تم ترک اسلام کا
جواب دے رہے ہو۔ نہ کہ ستیارتھ پرکاش کے چودھویں سملاس کا
اگر تمنے کوئی حملہ کرنا تھا۔ تو ہم پر کرتے۔ دوسرے تم حملہ تو کر بیٹھے
ہو۔ مگر خود ہی کانپ کر منہ کی کھاتے ہو۔ جس چیز کے کھانے کا تم نے
رشی پر ظن فاسد کیا ہے۔ اگر کوئی بھلا مانس وہی چیز رکابیوں میں
رکھ کر تمہارے سامنے لا دھرے۔ تو اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ تم
اس میں سے ایک نصف تو ضرور چٹ کر جاؤ۔ تم کہتے ہو کہ منقولہ ترجمہ پر

اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ یا جس میں آدمی کا لفظ نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اسمیں آدمی کے لئے لفظ موجود ہے۔ رشی نے آدمی کی بجائے "منش" استعمال کیا ہے "منش" میں عورت اور مرد دونوں شامل ہیں۔ تمہاری قرآنی آیت میں "من" استعمال ہوا ہے "من" ذوی العقول یا آدمیوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جانور کے لئے "ما" آتا ہے۔ اگر تم نے گرامر پڑھی ہوتی یا پڑھکر بھول نہ گئے ہوتے۔ یا اسکا بیجا استعمال نہ کرتے۔ تو اس بات کو فوراً سمجھ جاتے۔ اب ہم تمکو قرآنی آیتوں کے ذریعہ انکا استعمال سمجھا دیتے ہیں سُنو:-

(۱) والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک۔ یہاں "ما" کا استعمال غیر ذوی العقول کے لئے کیا گیا ہے۔

(۲) حرّم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ فمن اضطر غیر باغٍ ولا عادٍ فلا اثم علیہ (پ۔ بقر) یہاں "ما" کا استعمال غیر ذوی العقول کے لئے یعنی ایسی چیز کے لئے ہے۔ جو کسی دیوتا وغیرہ کے نام سے ذبح کی گئی ہو۔ اس کا گوشت نہیں کھانا چاہئے۔ اور "مَن" ذوی العقول یعنی آدمی کے لئے ہے۔

(۳) وما اکل السبع الا ما ذکیتم وما ذبح علی النصب۔ یہاں پر "ما" کا استعمال غیر ذوی العقول کے لئے ہے یعنی ایسے جانور جو درندوں نے پھاڑ ڈالے ہوں۔ یا جو کسی مندر وغیرہ پر بھینٹ چڑھائے گئے ہوں۔ اُن کو مت کھاؤ۔

(۴) ومن یفعل ذالک عدوانا۔ یہاں پر "مَن" آدمی کیلئے آیا ہے۔

(۵) فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام پ۔ پس جو ایسا نہ کرے

تو تین دن روزہ رکھے۔ یہاں مَنْ آدمی کو جو ذوی العقول ہے۔ ظاہر کرتا ہے۔ نہ کہ کسی کتے یا گدہے کو روزہ رکھنے کی ہدایت ہے۔

(۶) وَمَنْ قَتَلَہٗ مِنْکُمْ مُتَعَمِّدًا (پ) اور تم سے جو عمداً قتل کرے یہاں مَنْ آدمی کے لئے ہے۔ نہ کہ سوئیر اور بلے کے لئے یا مرغ اور مرغی کے لئے۔

(۷) فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ (پ) پس اس کا بدلہ لاوے۔ مواشی میں سے جیسا کہ اسنے قتل کیا ہے۔ یہاں مَا غیر ذوی العقول یعنی مواشی کے ذبح کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ نہ کہ کسی آدمی کے قتل پر۔

(۸) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔ پس کون سے زیادہ ظالم اس سے جو اللہ پر افترا کرتا ہے۔ یہاں مَنْ دونوں جگہ آدمی کے لئے ہے نہ کہ بندروں اور سوروں کے لئے۔

(۹) قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ یہاں مَا غیر ذوی العقول کلام یا وحی کی طرف ہے۔

(۱۰) اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَا۔ یہاں مَا غیر ذوی العقول جانوروں کی چربی کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۱) فَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا۔ پس کون ہے زیادہ سچا اللہ سے۔ یہاں مَن فرضی ذوی العقول کے لئے ہے۔ نہ کہ کسی گدہے کے لئے۔

(۱۲) مَنْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ جو شخص کہ قرض دیتا ہے اللہ کو اچھا قرض۔ یہاں مَن آدمی ہے۔ نہ کوئی بیل یا ٹٹو۔

(۱۳) فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ (پ) پھر جو ڈرا ہے۔ اور نیکی کی نہیں ہے۔ ان پر کوئی خوف۔ یہاں مَن صاف آدمی

کو ظاہر کرتا ہے ۔ نہ کہ کسی اونٹ ۔ یا ہاتھی کو ۔

(۱۴) فاما من ثقلت موازینہ (پ ۳۰) یہاں مَنْ آدمی کے لئے ہے ۔ نہ کہ کسی بچھو کے لئے ۔

(۱۵) فاما من خفت موازینہ (پ ۳۰) یہاں مَنْ ذوی العقول آدمی کے لئے ہے ۔ نہ کہ کسی اُلّو کے لئے ۔

(۱۶) الا من اتی اللہ بقلب سلیم (پ ۱۹) مگر جو آوے اللہ کے پاس اچھے دل کے ساتھ ۔ یہاں مَن ذوی العقول آدمی کے لئے ہے ۔ نہ کہ کسی ڈنگر کے لئے ۔

اتنی باتیں دیکھ کر بھی اگر کوئی شخص ۔ یہ کہے ۔ کہ مَن سے آدمی مراد نہیں ۔ بلکہ کتّے ۔ بلے ہیں ۔ تو اس کا کیا علاج ! الیس ہماری کا اعتراض بالکل بجا ہے ۔ اور تمہاری قلم پھٹ تحریر از سر تا پا لچر ہے ۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں ۔ اب سنئے ! زمین پر چونکہ بندوں کے نیک بد اعمال کا ظہور ہوا ہوگا ۔ اس لئے ان کے اظہار کرنے کے لئے زمین تو بولیگی ۔ مگر سورج چاند ہیں چونکہ مخلوق نہیں ۔ اس لئے انکی شہادت کی حاجت بھی نہیں ۔"

اگر سورج چاند ہیں مخلوق نہیں ۔ تو کیا تمہارے اللہ میاں نے اُن کو محض سجاوٹ کے لئے ہی لٹکا رکھا ہے ۔ اگر زمین بولیگی ۔ تو اس کی زبان کتنی لمبی ہوگی ۔ منہ کتنا چوڑا ہوگا ۔ عربی بولیگی یا فارسی ۔ انگریزی بولیگی یا لیٹن ۔ شائد سب قسم کی بولیاں بولنے لگ جاوے ۔ یہ اچھی جڑ یا ہے ۔ بندوں کے اعمال کا اظہار تو یہ اسوقت کرسکیگی ۔ جب یہ تبدیل نہ کیجاوے ۔ مگر اللہ میاں

یہ بھی کہہ رہا ہے۔ کہ قیامت کے دن :-

تبدل الارض غیر الارض (پ ۱۳- ابراھیم)

"یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جاویگی" جب زمین ہی بدل گئی۔ تو گواہی کیسی! مگر یہ تبدیلی کس قسم کی ہوگی۔ حضرت نے فرمایا ہے کہ :- تکون الارض یوم القیمۃ خبزۃ واحدۃ تیکفاھا الجبار بیدہ کما تیکفا احدکم خبزتہ فی السفر نزلا لاھل الجنۃ

(حدیث شریف)

"قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہوگی۔ جسکو اللہ میاں اپنے ہاتھ میں اس طرح پکڑے ہوگا۔ جسطرح کہ تم میں سے کوئی سفر میں اپنی روٹی پکڑے ہوئے ہو۔ یہ (روٹی) بہشتیوں کے لئے نازل ہوگی" دوسری جگہ لکھا ہے۔ کہ زمین کو دوزخ میں تبدیل کر دیا جاوے گا۔ علی نے کہا ہے۔ کہ

تبدل الارض من فضۃ والسماء من ذہب

"زمین تو چاندی سے اور آسمان سونے سے تبدیل کئے جائیں گے" سعد ابن جبیر کہتا ہے۔ کہ :-

تبدل الارض خبزۃ بیضاء یاکل المومن من تحت قدمیہ

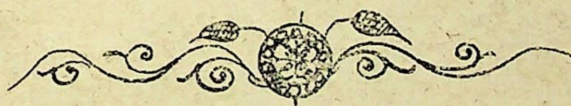
"زمین کو سفید روٹی میں بدل دیا جاویگا۔ مومن اپنے پاؤں کے نیچے سے کھائیگا۔"

غرضیکہ جتنے منہ اتنی بولیاں بقول گرسنہ بخواب نان مے بیند

عرب کے جیسے لوگوں کو روٹیاں ہی سوجھتی ہونگی تبھی تو زمین کو بھی روٹی بنا ڈالنے کی فکر میں پڑ گئے۔ میاں تم تو یہ سمجھتے ہو۔ کہ سورج اور چاند وغیرہ میں آبادی نہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں۔ ہم نہیں۔ بلکہ ہمارے شاستر بتاتے ہیں۔ کہ ان میں آبادی ہے۔ ہمارے شاستر ہی نہیں بلکہ یورپ و امریکہ کے بعض محقق بھی اس نتیجے پر پہونچ چکے ہیں۔ کہ ان کرّوں میں آبادی ہے۔ اگر ہمارے اپنے گھر میں پہلے ہی سے اس بات کا ثبوت موجود نہ ہوتا۔ تو شاید ہم یورپ والوں کے دست نگر بنجاتے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جن باتوں کو یہ لوگ آج دریافت کر رہے ہیں۔ انکا بیج وید و شاستر میں موجود ہے۔ بے شک ہم ان لوگوں کی جائیز کوششوں کی تو تعریف کر سکتے ہیں۔ مگر جہاں یہ لوگ انسان کے بچے۔ گدھے کے بچے۔ بندر کے بچے میں کچھ بھی تمیز نہ کر کے سبکو ایک ہی دادا کی اولاد بتا کر اپنے من گھڑت مسئلے گھڑکر غلط فہمی پھیلانا چاہیں۔ وہاں ہم انکی بینائی پر افسوس کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہاں! اگر **مسٹر ہرشل** جیسا شخص اپنی نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی دوربین کے ذریعہ اس نتیجہ پر پہونچ رہا ہے۔ کہ چاند میں بھی آبادی ہے۔ تو گو ہم اسکو **ڈارون** سے زیادہ جستجو کرنیوالا کہہ دیں گے۔ مگر ہمارے لئے اسکی اوپج کوئی نرالی چیز نہیں ہے۔ وہ اپنی دوربین کے ذریعہ اس زمین کے چاند کی آبادی کا پتہ لگا سکتا ہے۔ مگر دوسرے ان گنت چاند اور سورج کی پرچھائیں تک اسکی دوربین کا دخل نہیں ہوسکتا۔ اگر بفرض محال دُنیا

میں ہرشل کی دوربین سے بڑھکر کوئی اور دوربین بھی نکل آئے۔ جو تمام سورج چاند اور دیگر نکشتروں کی آبادی کا پتہ بتا سکے تو بھی کیا؟ آخر ان بیرونی دوربین رکھنے والوں کو یوگیوں کی دوربین کے سامنے سر خم کرنا پڑے گا۔ اور ماننا پڑے گا۔ کہ جس بات کو وہ آج دریافت کر رہے ہیں۔ وہ ہزاروں۔ لاکھوں۔ کروڑوں برسوں سے پیشتر ہوئے رشی کرت گرنتھوں میں یوں درج ہے۔ کہ:-

एतेषु हीदꣳ सर्वं वसु हितमेते हीदꣳ सर्वं वासयन्ते। तद्यदिदꣳ सर्वं वासयन्ते तस्माद्वसव इति॥



اس سے آگے تیسری جلد

ملاحظہ ہو

شکریہ

میں اُن صاحبان کا رواجاً شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے تہذیب الاسلام کے پہلے حصہ کو پڑھکر میرے پاس اِس کتاب کے مُتعلق مختلف خطوط بھیجے ہیں ۞

دھرمپال

ناظرین



تہذیب الاسلام کی پہلی جلد تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔ دوسری حاضر ہے۔ تیسری زیر طبع ہے

وزیر چند

منیجر ستیہ دہرم پرچارک پریس جالندہر شہر

